فہرست مضامین ابو مسلم خراسانی

خاتمہ

وسط میں ایک شاندار قلعہ نما محل مع بائیں باغ کے مستحکم فصیل سے گھرا ہوا واقع ہے [illegible] کی ساعتیں محل کے در و بام کو چمکا کر دکھاتی اور اس کی حالت سے [illegible] کہ اس کا مکین کوئی معزز رئیس اور ملک کا سربرآوردہ فرد ہے۔ فصیل کے باہر شاگرد پیشہ لوگوں کے مکانات اور کسانوں کے جھونپڑے بھی موجود ہیں جو غالباً صاحب محل کے دم سے وابستہ ہونگے +

محل کی وضع ایسی ہے کہ سرسری نگاہ ڈالنے سے وہ قدیم آتش پرستان فارسی کا معابد خانہ اور آتشکدہ معلوم دیتا ہے اور فی الحقیقت یہ آتش کدہ ہی تھا مگر اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد جب اس کے مالک لوگ مشرف باسلام ہو گئے تو انہوں نے اسے سکونت کا محل بنا لیا اور اس کے گرد خوشنما پائیں باغ لگا کر فصیل تعمیر کر دی جس سے اس کی شان ہی کچھ اور نکل آئی۔

محل کے اندر داخل ہونے والے کو صدر نشستوں کے ستون خاص سنگ مرمر کے بنے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر قدیم پہلوی زبان کے کتبے منقوش ہیں اور کچھ اگلے ماہرو کی تصویریں بنی ہیں۔ بعض دعائیں بھی انپر کندہ ہیں جنکو قدیم آتش پرستان فارس عبادت کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ شہ نشین یا بارہ دری کی کرسی تمام سطح کے قریب باغ کی سطح سے بلند ہے اور اس پر سے تمام گلشن کا سین بخوبی دکھائی دیتا ہے اس کی چھت میں رنگ آمیزی کی بکثرت تصویریں اور ایسے نقش و نگار بنائے گئے ہیں جو اس زمانہ کے ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں آتش پرستوں کے بعض عقائد اور وہم پرستوں کے نمونے موجود ہیں۔ کہیں میدان جنگ کا نقشہ [illegible] دکھایا گیا ہے کسی مقام پر دینی واقعات کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس شہ نشین کو [illegible] زمانہ میں [illegible] چل ستون یا جلوہ خانہ کہا جاتا تھا لیکن اب یہ رئیس دیہ کی نشستگاہ ہے بارہ دری کے پہلوؤں میں اور اس کے پیچھے چھوٹے بڑے متعدد کمرے ہر طرح کے سامان آرائش سے آراستہ ہیں۔ دزدی ساخت کے اعلےٰ درجہ کے قالینوں کا فرش دیبا اور ستبرق کے پردے اور دیگر زیب و زینت کا سامان قرینہ سے ہر جگہ

موجود ہے خاصکر دیوان خانہ کی آراستگی میں بہت بیش قیمت سامان استعمال
کیا گیا ہے تمام مکان میں جس کا عرض وطول (۵۰ × ۴۰) گز ہوگا اکنڈال اونی قالین
کا فرش کیا ہے جس پر کئی ایک زرکار مسندیں اور گاؤ تکئے لگے ہیں وسط نشیمن
میں ایک صندل کی تپائی صدف کے خوشنما بیل بوٹوں سے مرصع کی گئی ہے اور اس پر
ایک چھوٹی سی تصویر فارسی سوار کی طلائے خالص سے بنی ہوئی رکھی ہے۔ تصویر
کیا ہے ملکی دستکاری کا بہترین نمونہ کاریگر نے زرہ بکتر خود چار آئینہ ہر ایک
جنگی لباس اس کو پہنایا ہے اور اس کے خم و پیچ نہایت باریکی کے ساتھ صاف
صاف عیاں کئے ہیں سینہ پر آڑا تسمہ لگا ہے جس کے ساتھ پرتلہ ملحق ہے اور
پرتلہ میں تلوار پڑی جھول رہی ہے سوار اور اسپ دونوں کی آنکھیں بیش بہادانہ
ہائے یاقوت سے بنی ہیں اور اپنی چمک دمک سے نظر کو خیرہ کرتی ہیں۔ اگرچہ
دیوان خانہ میں اس وقت متعدد فانوس مومی شمعوں سے روشن ہیں لیکن اس کے
کشادہ اور بلند دروں سے چاندنی کی چادر اس طرح اندر آکر پڑ رہی ہے کہ شمعوں
کی ضیا اس کے سامنے ماند پڑی جاتی ہے +

دیوان خانہ کے پشت پر جو کمرے ہیں انکا تعلق مردانہ نشستگاہ سے ہے
اور پھر کچھ صحن دیکر زنانہ حویلی ہے اور اس وقت ہماری غرض بھی ناظرین کو اسی کے
ایک پرتکلف کمرہ کی سیر سے محظوظ کرنے کی ہے۔ جس کمرہ میں ہم اپنے ناظرین
کو لے جائیں گے وہ حویلی کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع اور ایشیائی وضع
کے ہر ایک بہترین سامان سے سجایا ہے۔ دروازوں پر خوشنما گلنار حریر کے
پردے پڑے ہیں جنہیں مقیش کی جھالریں ٹکی ہیں چھت اور دیوار پر اعلیٰ
درجہ کی گلکاری سے مزین ہیں۔ دونوں پہلوؤں کی دیواروں میں قد آدم قلمی آئینے
لگے ہیں۔ جنکے برابر صندلی سیاہ تپائیوں پر سنگاردان عطردان ارگجہ دان وغیرہ
رکھے ہیں۔ یہ کمرہ شمس دہر کی نوجوان اور اکلوتی بیٹی گلنار کی آرام گاہ ہے
جس کے حسن و جمال سینہ و دانائی اور زیرکی کا افسانہ مشہور ہو کر دور دور

بڑے بڑے دہقانانِ ملک اور تاجدارانِ ممالک کو اس کا خواستگار بنا رہا ہے
لیکن گلنار کا باپ جو دہقانِ مرو کے لقب سے مشہور ہے اور مملکت خراساں
کا سب سے بڑا رئیس و جاگیردار ہے بیٹی کی شادی زیادہ تر اس کی مرضی کے
مطابق اور پھر اپنے مرتبہ اور مصالح کے لحاظ سے کسی بیحد اچھی جگہ کرنا چاہتا ہے
اور یہی وجہ ہے کہ گو لڑکی کا سن اسوقت تک پورے اٹھارہ موسم بہار دیکھ چکا ہے
اور مشرقی ممالک میں اس سن و سال کی لڑکیاں بہت کم کنواری رہتی ہیں لیکن
"گلنار" ہنوز درِ ناسفتہ اور گلِ ناچیدہ ہے ۔

ماہ پارہ گلنار ابھی ابھی اپنے باپ کے پاس سے جو دیوان خانہ میں بیٹھا تھا
طبیعت کی کسلمندی کا عذر کر کے اپنے خوابگاہ میں چلی آئی ہے اور اپنی مشاطہ
ریحانہ کی مدد سے لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہے ۔ یوں تو اس کے حسن و
جمال کا بیان کرنا زبان کی طاقت گویائی سے اور اس سراپا ناز کی تصویر
الفاظ میں کھینچ سکنا قلم کی قوت تحریر سے خارج ہے مگر پھر بھی جہانتک ہمارے
امکان میں تھا ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کا کچھ نا مکمل سا خاکہ ہی سہی نذرِ ناظرین
کر دیں لیجیے سنیے :-

گول آفتابی چہرہ گداز بدن کشیدہ قامت رنگت نہایت نکھری ہوئی سفید مگر
سرخی مائل بالکل نازک برگ گلاب کے مشابہ بال سیاہ اور بہت لمبے آنکھیں
رسیلی بڑی بڑی جنہیں کوٹ کوٹ کر موتی بھرے ہوئے تھے شربتی رنگ
کی اور پھر ان میں دنبالہ دار سرمہ کی تحریر سونے پہ سہاگے کا کام دیتی تھی فزوں
بریں اگرچہ دلکشی سبز رنگ حسینوں ہی کا حصہ ہے اور ملاحت و لطافت قسام
ازل نے حسنِ سبزی ہی کے لئے مخصوص کر دی ہے تاہم حور لقا گلنار کے
حسنِ صبیح کو جس قدر دلفریبی کا جادو حاصل ہے وہ ایک نادر مثال تصویر کشا
ہے ۔ لب نازبرین کے بیچ ٹھوڑی پر چاہِ ذقن مبارک دلوں کو اپنے اندر
آ گرنے کی ہدایت کرتا ہے ۔ زیر لب تبسم جس نارا ... نازک بردہ دلفریب

گرہوں کا نمایاں ہوتا اُسے اور بھی قتالہ بہار حالز کا لقب دلاتا ہے ؎

اینست کہ دل بردہ و خوں کردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر مست کسے را

ریحانہ مشاطہ نے گلنار کا لباس اُتار کر اُسے ایک گلابی رنگ نرم و نازک ریشمی کپڑے کا لنبا شب خوابی کا کرتہ پہنا دیا بالوں کا جوڑا کھول کر کنگھی کر کے انہیں سنوارا اور پھر اُنکی ایک چوٹی بنا کر گوندھ دیا تاکہ وہ بکھر کے گلنار کے خواب استراحت میں خلل انداز نہ ہوں۔ ریحانہ مشاطہ بڑی سمجھ دار اور نکتہ رس عورت تھی اگرچہ وہ فی الحقیقت لونڈی تھی جس کو دہقان مرد نے کسی بردہ فروش سوداگر سے جو ترکی اور خزری اقوام کے غلام بیچا کرتا تھا خریدا تھا مگر ان سے اپنی زیرکی اور دانائی کے وسیلہ سے دہقانہ "گلنار کے دل میں ایسی جگہ کر لی تھی کہ وہ اس پر ہر طرح اعتماد کرنے لگی تھی اور اسے اپنی خاص مشاطہ مقرر کر لیا تھا دہقانوں کے یہاں مشاطہ عورتیں یونہی بڑی صاحب اثر ہنجاتی ہیں کیونکہ دہقانوں کی بیگمات اُن سے ہر کام میں مشورہ لیتے اور اُنسے اپنی راز کہدینے میں دریغ نہیں کرتیں اور اُنپر ہر طرح اعتماد اور اعتبار رکھتی ہیں مگر خاصکر کوئی جلتی ہوئی عورت مشاطہ ہو گئی تو پھر اُس کے قبضہ میں سارا محل ہی آجاتا ہے اور وہ جس طرح پر چاہتی ہے دہقان اور اُس کی بیگم سے کام لیتی رہتی ہے۔

اسی طرح ریحانہ بھی اپنی بانو گلنار پر پوری حاوی ہو گئی تھی اور جب سے گلنار کی ماں کا انتقال ہوا تھا یہی اُس کی پرورش و پرداخت کی بھی کفیل تھی اسلیئے ریحانہ کو گلنار سے مادری محبت تھی اور وہ اپنی مالکہ کی محرم راز بنی تھی۔ ریحانہ نے لباس شب خوابی پہنا دیا تو مہ پارہ گلنار ایک آسمانی رنگ کی اطلس کے نرم و نازک بستر پر جو کمرہ کے وسط میں مسہری پر بچھا تھا لیٹ رہی بستر اس گداز اور نرم تھا کہ گلنار کی ایسی نازک بدن کے بار سے بھی دب گیا اور گلنار نے لیٹنے کے بعد اپنے بائیں ہاتھ کو زرکار تکیہ پر ٹیک کے اُس کی ہتھیلی پر اپنا

رخسار نازک رکھدیا اور بغل کے نیچے تک لحاف اوڑھکر داہنا ہاتھ لحاف کے
اوپر رہنے دیا - اسوقت گلنار نے تمام زیورات اُتار ڈالے تھے صرف
مرصع کنگنوں کی جوڑی اُس کی کلائیوں میں پڑی تھی - کرتے کی کشادہ آستین
اوپر کھسک گئی تھی جس کے نیچے سے گول گول بھرا ہوا بازو اور ساعد سیمیں
برہنہ ہوکر نکل آئی تھی - گلنار ریحانہ کی طرف متوجہ تھی اور ریحانہ اسوقت سردی
سے محفوظ رہنے کے واسطے از سرتا پا گرم کپڑوں میں گٹھری کی طرح لپٹی کھڑی تھی
اُس نے سر سے کشمیری رومال باندھ رکھا تھا تمام جسم ایک لنبے فرغل سے
ڈھکا تھا اور پیروں میں کھلے پائچوں کا مہریوں پر چنت ڈالکر تنگ سلا ہوا
پاجامہ پہن رکھا تھا - اُس زمانہ میں مستورات فارس کا لباس ایسا ہی ہوتا تھا
مگر ریحانہ کے جسم پر زیور کا نام تک نہ تھا +

ریحانہ اپنے بانو کے احکام کی منتظر اُس کی پٹی تھام کر بیٹھ گئی - وہ دلمیں سخت
متحیر تھی کہ آج خلاف معمول گلنار نے اپنی خوش طبعی وظرافت کیوں فراموش
کردی ہے یوں تو اُسے لباس بدلتے وقت دو چار گرم گرم فقرے چست کرجانے
اور کچھ مزاح آمیز گفتگو کر لینے کی عادت تھی مگر آج اُس نے کچھ ایسی منہ میں
گھنگنیاں بھری ہیں کہ کسی طرح بولنے کا نام ہی نہیں لیتی - ریحانہ کو مجبوراً اُن کا
الکا ساتھ دینا پڑا وہ بولتی تو کیونکر پاس ادب مانع تھا ہزار منہ لگی سہی لیکن شوخ
دیدہ تو نہ تھی - ریحانہ کسی قدر اپنی بانو کی دلی اُلجھن سے باخبر بھی تھی اور کیوں نہ ہوتی
مزاج آشنا ہونے سے بے کہے بھی اکثر باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اطوار و انداز
بتا دیتے ہیں کہ دل میں کیا ہے ریحانہ کا یہ انتظار دیر تک قائم نہیں رہا بلکہ
گلنار نے دنا دم لے کر اُسے کمرہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے اشارہ کیا - ریحانہ
نے اس حکم کی تعمیل کر دی اور پھر پلٹ کر اپنی جگہ آ بیٹھی اُس نے گلنار کے
خوبصورت بال اپنے ہاتھ میں تھام لئے اور اُن سے شغل کرتے کرتے
اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا - اس حرکت کے ساتھ وہ مسکرائی اور گلنار سے

مغموم چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھی گویا وہ اُس سے اس وقت کے بے معنی سکوت کی وجہ دریافت کر رہی ہے۔ گلنار بھی ریحانہ کا مطلب پاگئی اور کسیقدر دبی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "ریحانہ! بھلا اباجان کی نسبت تم کیا خیال کرتی ہو؟"

ریحانہ (حیرت سے) "خیال؟ بی بی انکی نسبت کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ وہ تو بڑے محبت کرنے والے باپ ہیں اور ہر طرح آپکی آئندہ بہتری کے خواہاں۔"

گلنار۔ "اوہ! میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ مجھے ان کی محبت میں کچھ شک ہے لیکن ان دنوں انہیں میری شادی کرنے کی بڑی جلدی پڑ رہی ہے۔"

ریحانہ۔ (بات کاٹ کر) تو کیا اس وجہ سے آپ ان کو قابل ملامت تصور کرتی ہیں؟ کون باپ ایسا ہوگا جو اپنی بیٹیوں کا بیاہ کرنے سے پہلو تہی کرے۔ خدا کی عنایتوں سے آپکی حالت ہر طرح پر درست ہے اور مدت سے لوگ آپکی خواستگاری کر رہے ہیں لیکن آپ ہیں کہ کسی کی درخواست منظور ہی نہیں کرتیں پھر ایسی صورت میں آپکے باباجان کچھ ناراض ہوں تو کونسی بری بات ہوگئی؟ اللہ کے فضل سے آج خراساں کے ملک میں انکے ٹکر کا ایک بھی تعلقدار نہیں اور آپ انکی اکلوتی بیٹی ہیں۔"

گلنار نے آہ سرد بھر کر خاموش رہنے کا قصد کیا مگر اُس کا دل نہ مانا اور اپنے تکمہ گریبان سے شغل کرتے ہوئے کہا۔ "ریحانہ! کیا تم خیال کرتی ہو کہ مجھے شادی کرنے سے نفرت ہے؟ مگر آہ۔ اباجان میری آرزو کا خیال نہیں کرنا چاہتے اور اپنے ہی فائدہ کا خیال کرتے ہیں۔ اُف اس دل کو کیا کروں۔"

ریحانہ۔ (انجان بنکر بات ٹالنے کے لئے) "بانو! وہ تو اس طرح کے آدمی نہیں ہیں ان کی مرضی تو یہ ہے کہ آپ کو آج خراسان میں سب سے بڑے عرب امیر کے ساتھ منسوب کریں وہ امیر بھی اس مرتبہ کا ہے کہ جسکی طرف بھی کسی سے اشارہ کردے تو سیکڑوں بہتر سے بہتر لڑکیاں اُس کی خدمت کے لئے حاضر ہو سکتی ہیں اور

اس امیر کا تقرب ملک میں اعزاز اور رسوخ پانے کا موجب ہو سکتا ہے ۔

گلنار۔ (بات کاٹ کر) میں بھی تو یہی کہتی ہوں ۔ ابا جان میری شادی کرمانی کے فرزند سے کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اپنی عزت اور مالی آمدنی بڑھانے کے خواہاں ہیں مگر کرمانی کون ہے؟ باغی اور ملک کے اصلی حاکم کو مغلوب کر کے حکومت حاصل کرنے کا خواہشمند جس کو ہنوز اپنے ارادہ میں کامیابی نہیں ہوئی ہے اور ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضرور اپنے مدعا میں کامیاب ہو گا ۔

ریحانہ۔ اس کی تو میں ضمانت کر سکتی ہوں کہ کرمانی لامحالہ خراسان کی حکومت پر قابض ہو جائیگا اس کی فوج نہایت زبردست ہے اور دارالحکومت "مرو" کا اس وقت اس نے محاصرہ کر رکھا ہے ۔ امیر نصر بن سیار حاکم خراسان اس کے مقابلہ سے بھاگ کر جان بچانے کے واسطے قلعہ بند ہوا ہے کہ بہت جلد کرمانی کی اطاعت مان لے پھر تو کرمانی خراسان کا حکمران ہو جائیگا اور تم یہاں کی ملکہ بن جاؤ گی ۔

گلنار۔ تم نہیں معلوم کیا کہتی ہو؟ جب باپ مر جینگے اس وقت [illegible] میں کرمانی کے بیٹے سے بایں امید شادی کرنا منظور کر لوں کہ اس کا باپ عنقریب امیر خراسان کو مغلوب بنا کے اس ملک پر حاکم بن جائیگا؟ بھلا خلیفۂ وقت ملک شام سے ابھی ایک فوج بھیج دے جو آ کر کرمانی کو زک دے تو ہم کہیں کے بھی نہ رہیں ۔

ریحانہ۔ (مسکرا کر) خلیفہ کی نسبت تو کچھ کہئے ہی نہیں اسے اپنی جان کے لالے پڑ رہے ہیں گھر سے باہر تک جسے دیکھو اس کا مخالف ہے موجودہ خلیفہ مروان بن محمد جس وقت سے حکمران ہوا ہے اسوقت سے ابتک بمشکل تمام اس نے صرف ملک شام کو اپنا مطیع بنایا ہے پھر وہ خراسان کو کرمانی کے ایسے زبردست شخص سے واپس لینے کی کیا فکر کر سکے گا؟ ۔ آپ ان باتوں کو خود بھی اپنے خادم قحطبہ سے سن چکی ہیں ۔

گلنار۔ (کسی خیال سے چونک کر) ہاں خوب یاد دلایا ۔ [illegible] خادم قحطبہ

گلنار: (کسی خیال سے خوش ہو کر) "اُو! خوب یاد دلایا۔ یہ ہنسوڑ خادم عجب چیز ہے باوجود عربی الاصل ہونے کے فارسی زبان کس قدر صاف بولتا ہے۔ اور بظاہر وہ کیسا ہی بیوقوف بنا ہو لیکن درحقیقت بڑا سمجھدار اور قابلِ اعتماد آدمی ہے۔ وہ کہاں ہے؟ ذرا اُسے بُلا نا تو!"

ریحانہ اٹھکر باہر جانا ہی چاہتی تھی۔ کہ دروازہ پر کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اور اُس نے فوراً پہچان لیا کہ دہقان آ رہا ہے۔ اس لئے وہ رُک گئی کہ دہقان آگے نکل جائے تو پھر کمرہ سے باہر ہو۔ لیکن دہقان کسی اور طرف جانیکے بجائے سیدھا دروازہ کھولتا ہوا کمرہ کے اندر آگیا۔ جسے دیکھتے ہی ریحانہ تو بباعث ادب کمرہ سے باہر چلدی اور گلنار حیرت زدہ ہو کر بستر پر سیدھی بیٹھ گئی۔ اگرچہ باپ کے اس طرح یکایک آجانے سے اُس کو خلجان ہو گیا تھا تاہم اُس نے اپنی طبیعت کو سنبھالے رکھا اور ادب کے ساتھ بزرگ باپ کو سلام کرنے کے لئے جھک گئی۔ دہقان نے بیٹی کے قریب آکر پیار سے اُس کی ٹھوڑی ہاتھ سے تھام لی اور جھک کے اُس کی پُر نور پیشانی کا بوسہ لے لیا۔ گلنار اپنے باپ کی غرض سے ناواقف نہ تھی۔ وہ اس خاطرداری کا مدعا بخوبی جانتی تھی۔ مگر چُپ رہنے کے سوا اُسے کوئی چارہ نہ ملا۔ یہانتک کہ دہقان نے خود ہی کہا "گلنار! یہ آج اس قدر سرِ شام ہی سے سو رہنے کی کیوں ٹھان لی ہے؟"

گلنار: (کچھ پست آواز میں) "جی نہیں۔ سونے کی تو نیت نہ تھی۔ لیکن طبیعت ذرا بھاری ہو گئی۔ اور تھکن کا اثر محسوس ہوا۔ اس لئے لیٹ رہی۔ اور خیال تھا کہ اس طرح آرام ملیگا"

دہقان: "بیٹی! پڑے رہنے سے اور بھی کسل بڑھے گا۔ آؤ چل کر دیوان خانہ میں بیٹھو۔ اس وقت چاند کی مصفا شعاعیں سبزۂ گل پر عکس فگن ہو کر موسمِ بہار کا لطف بڑھا رہی ہیں۔ اُن کے سیر سے دل بہل جائے گا۔ آؤ چلیں"

انکار کی گنجائش کہاں تھی۔ چار و ناچار گلنار اُٹھی۔ ایک شالی فرد کشمیر کی بنی ہوئی سر سے پیر تک اوڑھ لی۔ اور دونوں ساتھ ساتھ دیوان خانہ میں آکر مسندوں پر متمکن ہو گئے۔

دہقان سُرخ دیبا کی روئی دار قبا پہنے تھا۔ سر پر رنگین چیرہ کی کلاہ تھی۔ اور اس پہ

کشمیر کا بیش قیمت شالی عمامہ بندھا ہوا تھا۔ سردی چونکہ زیادہ تھی۔ اس لئے اُس نے قبا کو
کچھ ایسی طرح لپیٹ رکھا تھا جس سے تمام گردن اور ڈاڑھی کا بڑا حصہ اُس کے نیچے آگیا تھا۔
دہقان بڑے کھلے کھلے ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا چوڑا چہرہ۔ چھوٹی اور حلقہ دار آنکھیں بڑی سی ناک اوپر
کو اُبھری ہوئی بھورے بال جن میں سفیدی آچلی تھی۔ دیکھنے والا تو اس کی عمر پچاس سال سے
کم ہی بتاتا۔ مگر دراصل وہ ساٹھ برس سے بھی زائد عمر کا آدمی تھا۔ اسلامی فتوحات سے پہلے
فارس ماوراء النہر اور خراسان کے ممالک کی آبادی شہروں اور دیہاتوں کے مابین تقسیم
ہوئی تھی حکام اور ارکان مملکت کا قیام بڑے شہروں میں رہتا تھا۔ اور دیہات میں
معززین فارس جن کو دہقان کہا جاتا تھا مقیم رہتے۔ بس بجنسہ وہی حالت تھی جیسی کہ یورپ
کے ممالک میں جاگیرداروں اور معززین ملک یعنی لارڈ اور کاونٹ لوگوں کی حکومت کی
تھی ہر ایک امیر اپنی جاگیر میں خود مختارانہ حکومت کیا کرتا۔ اور حسب ضرورت فوج وسپاہ
بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ فارس کے دہقان ملک کے اصلی باشندوں پر جو کاشتکاری پیشہ
اور آریہ نسل کے تنومند لوگ تھے۔ پورا اختیار حکومت رکھتے تھے۔ اور اُن کے ساتھ غلاموں
کا سا سلوک کرتے تھے۔ اہل عرب نے ان ملکوں کو فتح کیا تو صرف شہروں کو فتح کر کے
وہاں کسی قدر اپنی محافظ فوج اور حکام مقرر کر دیئے۔ اور دیہات کو سابق دستور دہقانوں
کے قبضہ و تصرف میں رہنے دیا۔ کیونکہ اس طبقہ کو ملکی باشندوں پر بہت بڑا اقتدار حاصل
تھا۔ اور خراج وصول کرنے اور حکام کے چال چلن کا پتا لگانے میں ان لوگوں سے معقول مدد
ملتی تھی۔ دہقانوں کو حکمران جماعت کے تقرب سے بڑا نفع یہ پہنچا تھا کہ وہ رعایا سے
بھاری لگان وصول کر کے کچھ حصہ حکمرانوں کو دیدیتے۔ اور باقی آپ ہضم کر کے دولتمند
بنتے جاتے تھے۔ مگر دہقانوں کے درجے متفاوت تھے۔ ایک گاؤں کے مالک سے لیکر
بڑے بڑے تعلقوں تک اپنے قبضہ میں رکھنے والے لوگ اُن میں تھے۔ اور اکثر اُن میں
سے حاکم بھی بنائے جاتے تھے۔ بنی اُمیہ کے وقت میں اس گروہ کی بھی دیگر غیر عربی لوگوں کی
طرح حالت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ اور اُن کا رسوخ کم ہو چلا۔ دہقانوں میں بیشتر اپنے قدیم مذہب
آتش پرستی کے پابند تھے۔ اور کچھ مسلمان بھی ہو گئے تھے *

خراسان کے ملک میں دارالحکومت شہر "مرو" کے نزدیک جس دہقان کے علاقہ جات واقع تھے۔ وہ سب سے بڑا تعلقہ دار اور مالک آراضی تھا۔ اور اگرچہ اُس نے اپنی سکونت شہر سے باہر اِس گاؤں اور محل میں رکھی تھی لیکن وہ دہقان "مرد" ہی کے نام سے مشہور تھا اب اپنے ناظرین کا گلنار کے باپ سے اس قدر تعارف کرا دینے کے بعد ہم ان کو باپ بیٹی کی اس وقت گفتگو سنانا چاہتے ہیں یہ بات تو پہلے ہی واضح ہو چکی ہے۔ کہ دہقان اپنی ماہ پارہ بیٹی گلنار کو کرمانی کے فرزند سے شادی کرنے پر راضی بنانا چاہتا ہے۔ اور گلنار کو اگرچہ شادی کرنے سے انکار نہیں تاہم وہ کسی اور جوان رعنا کو دل دے بیٹھی ہے۔ اور باپ سے اپنا مافی الضمیر صاف تو کہہ نہیں سکتی۔ ہاں اس کی تحریک کو حتی المقدور ٹالنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہرحال دیوان خانہ میں آکر باپ اور بیٹی دونوں ایک دوسرے کے مقابل مسندوں پر بیٹھ گئے۔ تو دہقان نے قفل خاموشی یہ کہکر وا کیا۔

"پیاری گلنار! آج مجھکو تمہاری سعادتمندی کے خلاف طرز گفتگو سے سخت رنج ہے آخر تم میری بات کو قابل نامنظوری کیوں سمجھتی ہو؟

گلنار۔ (خجالت اور رنج سے سر جھکاتے ہوئے) "بابا جان میری کیا طاقت ہے۔ کہ آپ کے ارشاد سے سرتابی کر سکوں"

دہقان۔ خوب! ابھی شام کو میں نے امیر عرب کے پیام کا تم سے تذکرہ کیا تو اس وقت تم خاموش ہو کر بات کو ٹال گئیں۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ امیر کرمانی کی بہو بننا تمہارے لئے کس قدر عزت وحشمت کا موجب ہے"

گلنار۔ (حیرت ظاہر کر کے) "کون امیر کرمانی؟ بابا جان میں اس کو جانتی کب ہوں"

دہقان۔ "یمنی عربوں کا سپہ سالار جو ان دنوں شہر مرو کا محاصرہ کئے ہوا ہے امیر نصر بن سیار اس کے مقابلہ سے جان بچا کر بھاگتا پھرتا ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ اس نے شہر فتح بھی کر لیا ہو"

گلنار۔ "بابا جان! مجھے آپ کا حکم ماننے سے انکار نہیں۔ مگر میں یقین نہیں کرتی کہ امیر کرمانی اپنے مدعا میں کامیاب ہو سکے۔ اور اس کو بھی جانے دیجئے۔ ابھی چند دن ہوئے

امیر نصر بن سیار نے آپ کے پاس میرے لئے پیام بھیجا تھا اور اپنے فرزند سے میری شادی کی درخواست کی تھی۔ اس وقت آپ کیوں ٹال گئے۔ نصر بن سیار تو خراسان کا حاکم بھی تھا۔

دہقان۔ یہ تو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ میں تیری راحت و آرام کا کس قدر خیال کرتا ہوں۔ کہ تجھے بے سوچے سمجھے کسی جگہ بیاہنا نہیں چاہتا۔ نصر بن سیار کا چراغ حکومت ٹمٹما رہا ہے۔ وہ کسی دم میں گل ہونے والا ہے۔ اس کی فوج بہت کمزور ہے۔ حکومت بنی اُمیہ کی حالت اتنی ابتر ہے۔ کہ وہ نصر کو مدد نہیں دے سکتی۔ خراسان والے اس ظالم حکومت سے ذرا بھی خوش نہیں۔ کیونکہ بنی اُمیہ اور اُن کے حکام نے عربوں کے سوا باقی تمام محکوم قوموں سے بہت بُرا برتاؤ کیا ہے۔ اور اہل فارس پر بھاری لگان لگانے کے علاوہ یہ کتنا بڑا ستم کیا۔ کہ خلاف اصول شریعت مسلمانوں کو بھی جزیہ سے معاف نہیں رکھا۔

گلنار۔ میں بھی حکومت بنی اُمیہ کے مظالم سے باخبر ہوں۔ لیکن باوجود اس کے پھر بھی وہ ایک سلطنت ہے۔ اور لاکھ کمزور ہو۔ تاہم کرمانی کے اسے بے سر و سامان باغی کی سرکوبی کے لئے اس میں ابھی بہت کچھ قوت باقی ہے۔ امیر شیبان خارجی بھی تو ابھی کل کی بات ہے مرو کا محاصرہ کر کے ناکام واپس گیا۔ اور یہ بھی ذرا سا خیال کیجئے کہ کرمانی کے طرفدار محض یمنی قبائل ہیں۔ اور نصر بن سیار کے جنبہ دار مضری قبائل جو تعداد و قوت میں اہل یمن سے بدرجہا زائد ہیں۔ پھر کیا آپ ان شیعوں کی جماعت کا حال بھول گئے۔ جو اہل بیت رسول صلعم کے لئے خلافت طلب کرنے میں کوشاں ہیں۔ اور سرِدست ان کی بیعت بنی عباس میں منحصر ہو گئی ہے۔ اور ان کے امام ابراہیم بن محمد ہیں۔ کیا ہم اُن اہل فارس میں شامل نہیں ہیں۔ جنہوں نے عباسی طلبگاران بیعت سے امداد کا وعدہ کیا ہے؟ آپ یاد کیجئے۔ اور سوچئے خراسان والوں کی بڑی جماعت عباسی امام کی طرفدار ہے۔

دہقان۔ جان پدر! تم سچ کہتی ہو۔ یا کیا نہیں کئی مرتبہ ہم نے شیعوں سے معاہدۂ امداد کیا ہے۔ ان کو مالی اعانت دی ہے۔ مگر وہ زبانی جمع خرچ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرتے۔ وہ کئی برس ہو چکے پردہ پردہ میں اپنی طرفداری کا جوش پھیلا رہے ہیں اور اب تک سر اٹھانے کے قابل نہیں ہوئے۔ لیکن کرمانی کو دیکھو۔ اس نے فوج جمع کر کے

مرو کو محاصرہ میں لے لیا ہے۔ اور اب اُسے کوئی دن میں فتح کر کے خراسان کا حکمران بن جاتا ہے۔ ابھی کل ہی اُس نے "حرث بن سریج" کو زیر بنا کے قتل کر دیا۔ اور اُس کے تمام جمعیت منتشر کر ڈالی۔ نصر اُس کے منہ نہیں چڑھتا۔ جان بچا کر بھاگ رہا ہے۔ بس اِس طرح پر کرمانی کو حاکم سمجھنا بالکل مطابق واقع امر ہے۔ تو میری بات مان۔ اسی میں نفع ہے۔ امیر کی ناطہ داری سے ہم بھی بہت فائدہ میں رہینگے۔ اور تو ملک خراسان کی امیر زادی کہلائیگی بھوش اس سے وعدہ بھی کر چکا ہوں۔ اور اس کا قاصد مہر کی رقم لیکر تیری طلب میں آچکا ہے۔"

گلنار سے کچھ جواب نہ بن آیا۔ اور وہ سر جھکا کر خاموش رہ گئی۔ اس کے باپ نے خاموشی کو رضامندی پر محمول کر کے خوشی خوشی دستک دی۔ اور ایک غلام حاضر ہوا تو اسے حکم دیا۔ "جاؤ! ضحاک عربی کو یہاں بلا لاؤ!"

تھوڑی دیر میں شخص مطلوب آ گیا۔ وہ دراز قامت، پتلا دُبلا، اور کسی قدر کبڑا تھا۔ یا درازی قد کے باعث کمر خمیدہ معلوم ہوتی تھی۔ ہر وقت بلا کسی وجہ کے ہنستا رہتا جس سے اس کا خبطی ہونا مفہوم ہوتا تھا۔ چھوٹے سے چہرہ پر بڑا سا عمامہ باندھنے کے باعث اس کی صورت اس قدر ہنسانے والی بن جاتی تھی۔ کہ جو دیکھے خواہ مخواہ ہنس پڑے۔ کچی ڈاڑھی اور تنگ آنکھیں اور بھی سونے پر سہاگے کا کام دے رہی تھیں۔ دہقان نے اس عجیب الخلقت کو کسی بردہ فروش تاجر سے خریدا تھا۔ اور بڑی خاطر داری کے ساتھ اپنے یہاں اُسے رکھتا تھا کیونکہ اُس زمانہ میں کسی عربی النسل آدمی کا غلام بنکر فروخت ہونا ایک نادر امر تھا۔ دہقان اکثر اس کی ظرافت سے دل بہلایا کرتا۔ اور اُس سے اہل عرب کے حالات دریافت کیا کرتا جن کے جواب ضحاک کی طرف سے بہت معقول ملتے اور مزاج میں متانت شامل نظر آتی۔ اس وقت دہقان نے اپنی بیٹی کو مغموم پایا۔ تو اس کا دل بہلانے کے واسطے اس ظریف غلام کو بلایا تھا۔

ضحاک نے دیوان خانہ میں آتے ہی دہقان کو سلام کیا۔ اور گردن کو اس طور سے جنبش دی کہ عمامہ ذرا سا کج ہو کر سر کے ایک جانب جھک آیا۔ اب اس کی صورت

عجیب بے عرب ہو گئی تھی، عمامہ یونہی بہت بڑا تھا۔ اور اس وقت تر چھے پن میں اُس کی جسامت اور زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اور ضحاک کی ہنسی کسی طرح رُکتے ہی میں نہیں آتی تھی گلنار نے ایسی کشت زعفران خادم کی صورت دیکھی۔ تو باوجود دل گرفتگی کے بے اختیار ہنس پڑی۔ اور دہقان اُس کی دلبستگی کا سامان ہو جانے سے مسرور ہو کر ضحاک سے کہنے لگا۔

"کیوں جی! خراسان میں بنی اُمیہ کی حکومت کی کل کب درست بیٹھیگی؟

ضحاک ۔ "جناب عالی! جب کوّے کے پر سفید ہو جائینگے"۔

دہقان نے یہ جواب سنکر اپنی بیٹی کی طرف متبسم ہو کے دیکھا۔ گویا اُس سے کہا "کیوں میں جو تم سے کہتا تھا!" پھر ضحاک کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔ "ضحاک! تم کیا کہتے ہو؟ ابھی ملک شام میں اموی حکومت قائم ہے۔ اُن کا خلیفہ برسر اقتدار ہے۔ فوجیں اور جابرلوں کی جماعتیں اُس کے گرد و پیش ڈٹی ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ شہر مرو کو کرمانی کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے کمک نہیں بھیج سکے گا؟"

ضحاک (زور سے قہقہہ لگا کر) "قہ قہ قہ۔ غریب نصر بن سیار کی چیخ چیخ آواز بیٹھ گئی۔ اُس نے بنی اُمیہ سے کمک مانگنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر وہاں کسی کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی۔ یہانتک کہ نصر نے خلیفہ کے پاس یہ چند اشعار لکھکر بھیجے تاکہ شاید اُنپر ہی کچھ توجہ کرے۔ مگر بے سُود"

اریٰ بین الرماد ومیض نار	وخشی ان یکون لہٗ ضرام
فان النار بالعودین تذکی	وان الحرب مبدأھا کلام
فقلت من التعجب لیت شعری	أ ایقاظ امیۃ ام نیام

جن کا مدعا یہ ہے کہ "اس وقت خاکستر میں ایک آگ کی چنگاری نظر آتی ہے۔ اور خوف کہ یعنقریب وہ آتش فروزاں بنجائیگی۔ کیونکہ دو لکڑیاں آگ سلگنے کے لئے کافی ہیں۔ اور باتوں باتوں ہی میں لڑائی ہو پڑتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بنو اُمیہ جاگتے ہیں یا سو گئے"۔ آپ کو معلوم نہیں کہ خلیفہ نے اس کا کیا جواب دیا؟

دہقان ۔ (شوق سے) "کیا جواب دیا؟ تمہیں بتاؤ"

ضحاک:۔ "لکھا کہ" جو کچھ حاضر کو نظر آتا ہے۔ غائب کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی"
(ایک زور کا قہقہہ لگا کر) اور نصر کو کچھ بھی مدد نہ دی"

دہقان نے اپنی بات کی تائید ہونے سے مسرور ہو کر گلنار کی طرف ایک پُرمعنی نگاہ ڈالی مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ گلنار ان باتوں سے قائل ہونے والی نہ تھی۔ اُسے اس پیام شادی کے قبول کرنے سے کوئی انکار نہ ہوتا۔ لیکن وہ کرے کیا کہ اس کا دل کسی اور کا ہو چکا ہے اس لئے وہ اپنے باپ کی بات مان کر کرمانی کے فرزند سے شادی کرتا۔ اور اُسے اپنے دل و جان کا مالک بنانا پسند نہیں کر سکتی۔ اور باپ سے صاف صاف منشا دلی یوں نہیں کہہ سکتی۔ کہ اُسے اپنے محبوب کی نسبت بھی اپنی جانب مائل ہونے کا علم نہیں ہے بہرحال وہ خاموش رہی۔ اور دہقان نے ضحاک کو واپسی کا اشارہ کیا۔ جب ضحاک چلا گیا۔ تو تنہائی میں دہقان نے گلنار سے کہا "اچھا اب کل میں کرمانی کے قاصد کو منظوری کا جواب دیکر واپس کراؤں گا۔ تو نظر بخدا رکھ اور جا کے آرام کر" گلنار نے اس بات کا بھی کوئی جواب دیا اور دہقان اس کو حیا و شرم کا سکوت تصور کر کے بیفکر ہو گیا۔

لیکن گلنار خاموشی کے عالم میں رات کے سناٹے کے باعث دور سے آنے والی گھنٹیوں کی آوازیں سننے میں مصروف تھی جس کے بعد کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ اور یہ سب علامتیں کسی کے آنے کی تھیں۔ دہقان کو بھی اس امر کا احساس ہوا اور اُس نے کہا "یہ تو کوئی قافلہ ہی ہے جو چاندنی رات میں سفر کر رہا ہے" تاہم گھنٹیوں کی آوازیں رفتہ رفتہ نزدیک آتی جاتی تھیں۔ اور کتوں کی آواز بھی تیز ہو رہی تھی۔ دہقان اور گلنار دونوں چپ چاپ بیٹھے اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے کہ اسی اثناء میں مکان کے قریب اونٹوں کے بلبلانے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی صدائیں آدمیوں کے شور و غل میں ملی ہوئی گوش زد ہوئیں۔ اور دہقان کے چند خادم بھاگتے ہوئے یہ اطلاع کرنے آئے۔ کہ ایک بڑا قافلہ گاؤں کے پاس آٹھہرا ہے۔ اور مہمان خانہ میں شب باشی کرنا چاہتا ہے۔

دہقان:۔ "کیا وہ بہت سے لوگ ہیں؟ آئے کہاں سے ہیں؟"

خادم:۔ "جی ہاں سَو سے اوپر آدمی ہوں گے۔ پھر اونٹ گھوڑے بھی اُن کے

دونوں نقاب داروں میں سے ایک اس کی طرف بڑھ آیا۔ تو اس نے روشنی میں اسے
بخوبی پہچان کر حیرت و سراسیمگی کے لہجہ میں ذرا بلند آواز سے کہا "عبدالرحمٰن!"

گلنار کے کانوں میں اس نام کی صدا کیا پڑی، کہ اس کا دل تڑپ گیا۔ اس نے غور سے
نقاب پوش کی صورت دیکھی، لیکن پہچان نہ سکی۔ تاہم سیاہ پوش نقاب دار کا پست قد
چوڑا سینہ اور چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے مضبوط ہاتھ پیر اسے اپنی طرف مائل بنا رہے
تھے۔ اور وہ نقاب کے دور ہونے کی توقع میں بے چین سی بیٹھی تھی۔ نو وارد جوان نے دہقان
کی زبان سے اپنا نام سنا تو اس نے فوراً نقاب الٹ دی۔ اور ایک دلفریب پاکیزہ گندم
گوں چہرہ کشادہ پیشانی، گھنی اور خوبصورت ڈاڑھی، "لمبے کاکل" اور شربتی آنکھیں نقاب
کے اوٹ سے برآمد ہوئیں۔ آہ ہمارے قلم میں اتنی قوت کہاں ہے کہ ہم حال گلنار کی
اس وقت جو حالت ہو رہی ہے۔ اس کا صحیح نقشہ کھینچ سکیں۔ اف یہ تو عبدالرحمٰن بن
مسلم ہے، (مگر چونکہ بعد میں یہ ابو مسلم خراسانی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لئے ہم ابھی سے
اس کا یہی نام رکھے دیتے ہیں) ایں! یہ اچانک کہاں آ گیا۔ آہ! میرا اس کے سوا اب
سے اپنا چھپا کیوں کر چھپا سکوں گی؟ کمبخت دل تو کیوں اس کے لئے بیتاب ہوا جاتا ہے، کیا اس کو
بھی مجھ سے کچھ انس ہے؟ ہوگا۔ مگر ہائے میری قسمت ایسی کہاں!" یہ خیالات تھے
جو پے در پے تھوڑی ہی دیر میں بادِ صبا گلنار کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئے۔ اس کی رنگت
زرد پڑ گئی۔ اور دل دھڑکنے لگا۔ اور وہ آنکھیں پھاڑ کر مبہوت سی ابو مسلم کی صورت
دیکھتی رہ گئی۔

دہقان نے ابو مسلم کو بخوبی شناخت کرتے ہی خوش آمدید کہا۔ اور مرتبہ کے
مسند پر اپنے سامنے بٹھایا۔ ابو مسلم نے جھک کر اپنے ساتھی سے متین اور اطمینان بھری آواز
میں کہا "خالد! آؤ تم بھی بیٹھ جاؤ۔"

دہقان نے ابو مسلم کے دوسرے ساتھی کی طرف متجسس نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا،
جیسے کہ وہ اسے نہیں پہچانتا ہے۔ اور ابو مسلم اس بات کو تاڑ کر بول پڑا
"مہربان! خالد میرے فرزند ہیں۔"

وجہی مشکل ہے۔ اور چونکہ دہقان مرو کے ہموار رہنے سے مجھے بہت کچھ فوائد کی توقع تھی۔
اور خاص کر یہ خیال کر کے کہ اس کی دیکھا دیکھی اکثر دہقان اعانت اہل بیت پر مائل ہو سکیں گے
میں نے کہنا شروع کیا ''

"سرآمد دہاقین! آپ اسباب سے بخوبی واقف ہوں گے۔ کہ اہل عرب ہم فارس
والوں پر محض اس خیال سے اپنی بڑائی ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہادی خلائق اور نبی آخر الزماں
اُن کے ملک اور اُن کی قوم میں سے ہوئے ہیں۔ عربوں نے ہم سے وہ برتاؤ کیا جو شاید
غلاموں کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہیئے۔ ہماری جان و آبرو ان کے سامنے کوئی چیز نہیں
رہ گئی۔ اور اُن کا بس چلتا تو وہ ہمیں دنیا سے نابود کر دیتے۔ حالانکہ اس وقت جو عربی
گروہ برسر حکومت ہے۔ وہ بنی اُمیہ ہیں۔ یہ لوگ نبی صلعم کے رشتہ دار نہیں۔ بلکہ
اُن کے گھرانے کے جانی دشمن ہیں۔ ان کمبختوں نے بنی ہاشم کے ساتھ عموماً اور آل علی ابن
ابی طالب کے ساتھ خصوصاً بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ اور ان کو قتل کرنے ذلیل بنانے
و تنگ کرتے رہنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ مگر اہل بیت نبوی صلعم خدا کے خالص بندے
دین کے حامی مخلوق کے سرپرست ہیں۔ اُن کی نگاہوں میں تمام مسلمان خواہ عربی ہوں یا
عجمی سب برابر ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات وہ فارس والوں کو عرب کے لوگوں پر فضیلت
دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ فارس کے لوگ شیعیان اہل بیت میں ممتاز ہیں۔ اب
آل علی نے حقوق خلافت آل عباس کو دے ڈالے جو نبی صلعم کے چچازاد بھائی ہیں۔
اس وقت بنی عباس میں امام ابراہیم سب سے بڑے اور بزرگ خاندان ہیں۔ اولاد علی
کے شیعہ جو ان ممالک میں تھے۔ اب وہ بنی عباس کے طرفدار ہو گئے ہیں۔ امام کا قیام اردن
متصل شام کے قریب شہر بلقاء کے ایک گاؤں "حمیمہ" نامی میں ہے۔ اور وہیں سے
وہ اپنے داعیوں کو ہر ملک میں ارسال فرما کر اپنے طرفداروں کی جماعت بڑھانے اور اُن سے
پیام و سلام کرتے ہیں۔ پچھلے سال انہوں نے مجھے تمام داعیوں کی سرداری پر مامور فرما کر
میرے تمام ساتھیوں کو میری اطاعت کا حکم دیا۔ اور مجھے خراسان اور اس کے ساتھ
دوسرے اُن ممالک کا حاکم مقرر فرمایا۔ جن کو میں آئندہ فتح کروں۔ اگرچہ میری کم عمری

کے باعث بڑے بڑے مُسن نقیبوں نے میری سرداری کو ناپسند کیا تھا کیونکہ ابھی میں
پورے بیس سال کا بھی نہیں ہوں۔ لیکن آخر وہ سب میرے ماتحت ہوگئے۔ اور خوشی کے
ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں۔ امام نے گزشتہ سال مجھکو رخصت کرتے ہوئے ایک
اہم وصیت بھی فرمائی ہے۔ اور وہی حکم میری اگلی پچھلی تمام کارروائیوں کی بنیاد ہے۔
اسی ہدایت کے مطابق میں امام کی دعوت شائع کرتا ہوں۔ اور آئندہ بھی کرتا رہونگا۔"

دہقان ابی مسلم کی گفتگو سُنکر اس کی متانت اور ہیبت سے دنگ بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے
دل میں کہتا تھا کہ یہ کم سن نوجوان کس غضب کا جلیل القدر واقع ہوا ہے۔ اور اس کی ہیبت
تاجدار کی ہیبت سے کم نہیں جب امام کی ہدایت کا ذکر آیا۔ تو وہ ہمہ تن گوش
بنکر اس کی سماعت کے لئے آمادہ ہوگیا۔ گلنار کی بھی عجیب حالت تھی۔ وہ سراپا چشم
وگوش بنی اس جوان رعنا کی باتیں سُنتی۔ اور اس کی ہر ایک ادا کو تاڑتی جاتی تھی۔ یہ
دوسری نوبت ہے کہ اس نے ابومسلم کو دیکھا ہے۔ اور گو پہلی ہی بار وہ اسے اپنا دل
دے بیٹھی تھی۔ لیکن اس مرتبہ تو اس کے ہر رگ وپے میں اس نوجوان کی تصویر اُتر آئی
ہے۔ اور وہ اپنا متاع ہوش وخرد اس کے حوالہ کر بیٹھی ہے۔

ابومسلم کو غریب گلنار کے محبت کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ اس نے جس کام کا بیڑا
اُٹھایا تھا۔ وہ اُسے عشق ومحبت کی طرف کب متوجہ ہونے دیتا تھا۔ اور وہ ہر وقت
اپنی کامیابی کی دھن میں لگے رہنے کے سوا دنیا کی کوئی بات خیال ہی میں نہ لاسکتا تھا
امام کی وصیت کا ذکر کرتے ہی ابومسلم نے ایک پرچہ کاغذ اپنی جیب سے نکالا اور
حاضرین سے کہا۔ "لیجئے سنئے میں اصل عربی زبان پڑھتا ہوں" پھر کاغذ کو کھولکر
حسب ذیل عبارت پڑھکر سنائی۔

"یا ابا عبدالرحمٰن انک رجل منا"
"اهل البیت فاحفظ وصیتی وانظر"
"الی هذا الحی من الیمن فاکرمهم وحل بین"
"اظهرهم فان الله لا یتم هذا الامر الا بهم"

اے ابا عبدالرحمٰن تو ہم اہل بیت میں کا ایک
شخص ہے۔ تو میری وصیت کا خیال رکھ،
یمن کے اس گروہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھ
اور اُنکو اپنا ساتھ بنا کیونکہ خدا انھی کے ہاتھوں

"وانظر الی ھذا الحی من ربیعہ فاتھمھم
فی امرھم وانظر الی ھذا الحی من مضر
فانھم العدو القریب الدار فاقتل من
شککت فی امرہ ومن کان فی امرہ شبھۃ
ومن وقع فی نفسک منہ شئی۔ وان استطعت
ان لا تدع بخراسان لساناً عربیاً فافعل
فایما غلام بلغ خمسۃ اشبار تتھمہ فاقتلہ"؎

تیرا کام پورا کر دیگا۔ ربیعہ کے گروہ کو متہم تصور کر اور ان کو
مشکوک سمجھ۔ مضر کے لوگ بڑے دشمن ہیں جسکی معاملہ
مجھکو شک ہو اسے قتل کر دے اور جس کی بابت ذرا
بھی شبہ ہو یا تیرے دل میں اسکی طرف سے میل آئے اسکو
قتل کر ڈال اگر تجھ سے ہو سکے تو خراسان کے ملک میں کوئی
عربی زبان بولنے والا باقی نہ رکھ جو لڑکا پانچ بالشت
کے قد تک پہنچا ہو جس پر تجھے ذرا بھی قابل الزام ہو اسے قتل کر دے۔

ابو مسلم نے فرمان امامت سنکر اسے لپیٹ کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور دہقان پر ایک غائر نگاہ ڈالی۔ دہقان اس سخت حکم کو سنکر سراپا لرز گیا تھا۔ اور گو وہ بنی امیہ سے ناخوش ہونے کے باعث امام کی اس ہدایت سے دل میں مسرور تھا۔ تاہم عباسیوں کے طرفداروں کی کمزوری اس کے نزدیک ان کی کامیابی کو درجہ یقین پر نہیں پہنچا سکی۔ اور وہ کرمانی کیساتھ قرابت کرنے کے خیال سے باز نہ آیا۔ اس نے اپنے دلی جذبات کو مخفی رکھکر بظاہر فرمان کی پسندیدگی عیاں کر کے کہا۔ "یہ بڑی سراپا حکمت ہدایت ہے۔ اہل عرب کو ذلیل کرنے کا حکم ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے اہل فارس جان و مال ہر چیز سے حاضر ہوں گے صرف دہقان لوگ کیا عام اہل فارس اس حکم کے دلدادہ ہوں گے اور آل عباس کی پرزور مدد کرنے پر آمادہ کیوں خالد! تم کیا خیال کرتے ہو؟"

خالد ایک چہل سالہ پختہ کار شخص تھا۔ وہ برمک (برامکہ کے جد اعلیٰ) کا فرزند تھا۔ برمک آتشکدہ نوبہار واقع شہر بلخ کا پیر مغاں تھا اور وہ اپنے قدیم دین کی پابندی سے تا مرگ باز نہ آیا۔ لیکن اس کا بیٹا خالد جو بڑا دلیر، مدبر، اور زیرک شخص تھا مشرف باسلام ہو کر بنی امیہ سے انتقام کشی کے لئے بنی عباس کے طرفداروں میں شامل ہو گیا۔ کیونکہ اس طرح اہل فارس کو پھر اپنا رسوخ بحال کرنے کی توقع تھی۔ اور ضرور تھا کہ جو حکومت ان کی کوششوں سے قائم ہو وہ ان کی سرپرستی بھی کرے۔ اس پختہ عمر شخص نے بسنت سالہ

؎ تاریخ طبری صفحہ (۲۷ ج ۱)

نوجوان ابی مسلم کی ماتحتی میں رہنے سے کوئی عذر نہیں کیا تھا۔ اور یہ اس کی دانشمندی کا
کا ایک ادنیٰ ثبوت تھا۔ اس لئے کہ امام ابراہیم کو راضی رکھنے کے لئے انہیں ابومسلم تو کیا کسی
اور کم سن بچہ کی اطاعت سے بھی عذر کرنا مناسب نہ تھا۔ غرض کام سے تھی۔ اور وہ بہر
حال ہوتا جاتا تھا۔ سلیمان بن کثیر نامی ایک مسن شخص نے ابی مسلم کی افسری کو ناپسند
کیا تھا۔ لیکن آخر اُسے دبکر امام کا حکم ماننا پڑا۔ ابومسلم بھی خالد کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور
ہر معاملہ میں اُس سے مشورہ لینا ضروری سمجھتا چنانچہ اس وقت دہقان سے ملنے آیا۔ تو
دوسرے رفیقوں میں سے اسی کو اپنی ہمراہی کے لئے منتخب کر کے ساتھ لایا تھا۔

دہقان نے خالد کی طرف متوجہ ہو کر فرمان کی بابت اُس کی رائے دریافت کی
تو وہ یہ کہنے لگا۔ "اہل فارس ایسے ہی [illegible] ہوں گے۔ تو یقیناً عباسی امام کی اعانت
سے جان بچا بیٹھیں گے۔ اس میں سراسر انہی کا نفع ہے۔ اہل بیت نبوی صلعم کی امداد میں جان
و مال سے دریغ نہ کرنے کا انجام دائمی عزت اور قید غلامی سے رہائی ملنا ہے۔ ورنہ جس حال
میں پڑے ہیں اسی میں ہمیشہ مبتلا رہینگے۔"

دہقان (ابومسلم کو خوش کرنے کے خیال سے) "اگر آپ کے ایسے زیرک اور انجام
بیں دلیروں کے ہوتے ہوئے شیعوں کو کامیابی حاصل نہ ہو تو سخت حیرت کا مقام ہوگا۔" مگر
دل میں یہی خیال ہے۔ کہ اُن کے بنائے کچھ نہ بنیگا اور [illegible] سے ناطہ کرنا لازمی ہے (ادی)

خالد۔ "جناب! صرف دلیری اور قوت سے یہ کام بننا دشوار ہے۔"

دہقان (یہ سمجھکر کہ خالد مالی امداد کا خواہاں ہے) "نہیں صاحب۔ ہم میں سے
ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ وہ آپ لوگوں کی مالی امداد بھی کرے۔ اور جب دعوت کے مخفی ہونے کی
حالت میں ہم نے آپ کی مدد سے پہلو تہی نہیں کیا۔ تو آپ اُس کا اظہار ہو جانے کے
بعد ہم کیونکر باہر ہو جائیں گے۔"

ابومسلم (اپنی گفتگو ختم کرنے کے لئے قطع کلام کر کے) "امام کا حکم پا کر میں خراسان
آیا۔ اور در پردہ امام کی دعوت پھیلاتا رہا۔ اس زمانہ میں جس قدر روپیہ فراہم ہوا کرتا تھا
پہنچانے اور تلامذہ احکام حاصل کرنے کے لئے میں امام کی خدمت میں بھی جایا کرتا تھا۔ اس

مطمئن ہو جاتا لیکن معشوقوں کی سنگدلی امر واقعی ہے۔ اس لئے گلنار اپنی کوشش میں مطلقاً کامیاب نہ ہو سکی ابی مسلم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اور اس نے دیکھا بھی تو سطح نظر چرا گیا۔ کہ بات آئی گئی ہو گئی۔ تاہم گلنار کا ستون تھام کر اٹھنا اور ابو مسلم کی طرف بار بار نگاہ ڈالنا تجربہ کار خالد کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ حیرت زدہ ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ اور تاڑ گیا۔ کہ یہ عورت ابو مسلم پہ مائل معلوم ہوتی ہے۔

ابو مسلم اپنی گفتگو ختم کر چکا۔ تو دہقان نے سوال کیا۔ "بنی عباس نے سیاہ رنگت کو اپنا شعار کیوں بنایا ہے؟ ہاں شاید وہ خاندان نبوت کے مقتول لوگوں کی علامت سوگ ہے۔ یا کچھ اور؟"

ابو مسلم۔ (جھکرا اور ساتھ کے لوگوں کو قناتات کے غلاف میں لپیٹ دینے کا اشارہ کر کے) "جناب! یہ سیاہ رنگ اہل بیت نبوت کا شعار اس لئے قرار پایا ہے۔ کہ نبی صلعم کا نشان فوج بھی سیاہ رنگ کا تھا۔ اور اسے "رایت عقاب" کہا جاتا تھا۔"

دہقان اور خالد بھی ابو مسلم کے بیٹھنے کے بعد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تھے لیکن گلنار ہنوز استادہ اور بار بار کن انکھیوں سے ابو مسلم کی صورت دیکھتی جاتی تھی۔ دہقان دل ہی دل میں اس خیال سے کانپ رہا تھا۔ کہ مبادا ابی مسلم کو اس کے دلی منشا پر آگاہی ہو جائے۔ تو وہ حسب ہدایت امام شک ہوتے ہی اس کی جان کا خواہاں بن جائے گا۔ تاہم بظاہر اس نے اپنا دل کڑا رکھا۔ اور بے پرواہی کی شان سے گویا ہوا۔ "اب مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ ضرور کامیاب ہوں گے۔ اور اہل فارس کے اچھے دن آ رہے ہیں۔ لیکن اس وقت بڑی ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ تمام دہقانوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ کیونکہ ہنوز ان کی بڑی تعداد آبائی دین آتش پرستی کی پابند ہے۔"

خالد۔ "دہقان لوگ مشرف باسلام ہو کر ہمیں مالی مدد دیں گے۔ تو ان کا

بفضل الٰہی آپ مدد کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس طرح وہ لوگ ایک خالص فارسی حکومت قائم کر سکینگے جو بہرحال اہل فارس کی گزشتہ عظمت کو بحال کر دیگی۔"

دہقان۔ "یہ میرا ذمہ ہے کہ تمام دہقان یا اُن کا بڑا حصہ مشرف باسلام ہوکر آپ کی اعانت کرینگے۔ اور روپیے کا تو کوئی توڑا نہیں۔" یہ کہکر دستک دی جس کے ساتھ ہی ایک غلام حاضر ہوا۔ اور دہقان نے اُسے حکم دیا کہ "جا میرے خزانچی کو بلا لا۔"

ابومسلم نے خزانچی کی طلبی سنی۔ تو وہ سمجھ گیا کہ دہقان حسب معمول کوئی معقول رقم دیگا۔ اور اُس نے نشان برداروں میں سے ایک شخص کی طرف دیکھکر اشاروں میں کچھ کہا۔ وہ شخص باہر چلا گیا۔ اور کچھ توقف کے بعد دو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ جن میں سے ایک شخص بڑا سا خالی تھیلا بغل میں دبائے تھا۔ اور دوسرا پستہ قامت موٹا تازہ آدمی ڈھیلی قبا پہنے۔ اور بڑا سا عمامہ باندھے تھا۔ جس کے پیچھے ایک غلام قلمدان لئے آرہا تھا۔ یہ لوگ دیوان خانہ میں آکر ایک طرف کھڑے ہو چکے تو ابومسلم قبا پوش الفربہ بخواہ مخواہ مرد آدمی سے مخاطب ہوکر بولا۔ "ابراہیم! تم تیار ہو۔ اور دہقان کا وہ عطیہ لیکر جمع کر لو جو یہ اہل بیت کی اعانت کے لئے دینا چاہتے ہیں۔"

دہقان کا خزانچی بھی اسی اثنا میں آگیا تھا۔ اور دہقان نے اس کے کان میں کچھ آہستہ سے کہا تھا جسے سنکر وہ فوراً واپس گیا۔ اور دوبارہ آیا تو اس کے ساتھ ایک غلام کئی ایک روپیوں کے توڑے لئے ہوئے تھا۔ اور بوجھ سے دبا جاتا تھا۔ غلام نے وہ سب توڑے دہقان کے سامنے رکھدئے۔ اور ابراہیم ابومسلم کا خزانچی ان کو شمار کرکے لینے کے واسطے بڑھا۔ یہ سب بیس توڑے سربمہر تھے۔ جن میں سے ہر ایک پر تحریر تھا "ایک ہزار دینار یوسفی"۔ ابراہیم نے اپنے ساتھی اور غلام کی مدد سے ان سب توڑوں کو اپنے پاس کے بڑے تھیلے میں رکھا۔ اور

اپنی جیب سے ایک بیاض حساب نکال کر اس میں رقم عطیہ درج کر لی۔ اس اثنا میں ابومسلم سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جیسے وہ کسی بات کو سوچ رہا ہے۔ اور حالت تفکر نے اس کے چہرہ پر عجب طرح کا رعب پیدا کر دیا تھا۔ وہ اپنے گرد و پیش کی تمام چیزوں سے اس وقت بیخبر بنا تھا۔ گلنار عرصہ تک اس امید میں کھڑی رہی کہ شاید اس کا بے مہر دلربا اس کی طرف نگاہ کرے۔ مگر آہ یہ مراد بر نہ آئی۔ اور بالآخر وہ تھک کر اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ تاہم دزدیدہ نگاہوں سے ابومسلم کی صورت دیکھی جاتی تھی۔ خالد برابر اس کیفیت کو تاڑتا رہا۔ اور اپنے دل میں اس گرفتار محبت کی حالت پر افسوس کرتا رہا۔ کہ آہ کمبخت نے دل بھی دیا تو ابومسلم کے ایسے شخص کو جسے عورتوں کی طرف مطلقاً التفات نہیں۔ اور جو اپنے اہم فرائض کی انجام دہی میں دنیا و مافیہا سے بیخبر بنا بیٹھا ہے۔ خالد نے باوجود گلنار کی حالت پر واقفیت حاصل کر لینے کے اپنی اس آگہی کو مخفی رکھا۔ اور اتنے ہی میں ابراہیم خزانچی روپیہ سنبھال کر چلنے کو تیار ہوا۔ دہقان نے دیکھا کہ اب ابومسلم بھی آرام کرنے کا خواہاں ہے۔ لہذا اس نے کہا۔ "جناب اگر آپ کو استراحت کرنا ہے۔ تو باغ کے گوشہ کا کمرہ آپ کے لئے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں جا کر آرام فرمائیے۔"

ابومسلم یہ سنکر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور لوگوں نے بھی اس کی تعظیم کے لئے قیام کرنے سے مفر نہ پایا۔ ابومسلم نے چلتے وقت کہا۔ "دو دن سے برابر سفر کرتے کرتے ایسا تھک گیا ہوں۔ کہ اب آرام کرنے کی خواہش یقیناً بھاری ہے۔" یہ کہکر واپس چلا۔ دہقان نے دیوان خانہ کے دروازہ تک اس کی مشایعت کی۔ اور پھر چند غلاموں کو حکم دیا۔ کہ امیر کو روشنی دکھا کر ان کے قیام گاہ تک پہنچا دو۔" اس کے بعد دہقان اپنی بیٹی کے پاس واپس آیا جو ایک ستون سے لگی ہوئی دل شکستہ کھڑی تھی۔ اور اب بجز ان باپ بیٹی کے وہاں کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ گلنار کی صورت پر حزن و ملال کے آثار دیکھکر دہقان نے خیال کیا۔ کہ اسے کردی کے بیٹے سے شادی کرنے کا خیال ستا رہا ہوگا۔ اور اب جو ابومسلم کی گفتگو سنکر اس کی درخواست مسترد کرنے کے درپے ہوگی۔ اس لئے اس نے ایما

بابا! ناحق گلنار کے کمرہ ہے۔ یہ کہکر وہ اُسے اس کے کمرہ کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہ اہلبیت کے طرفدار اس مرتبہ بھی حسب سابق ناکام ہی رہینگے۔

گلنار نے اپنے باپ کی اس گفتگو کا اصل مدعا سمجھکر "خوب! جب آپ کو انکی ناکامی کا اسقدر یقین ہے۔ تو پھر ان سے امداد کا وعدہ کیوں کرتے ہیں۔ اور ان کو روپیہ کس لئے دیتے ہیں؟"

دہقان نے مسکرا کر اور اپنی داڑھی دائیں ہاتھ سے تھام کے پست آواز میں "میری یہ کارروائی صرف بغرض احتیاط ہے۔ اگر میں اس سے بدسلوکی کروں تو جان و مال کی حفاظت مشکل ہو جائے گی خصوصاً امام ابراہیم کی ہدایت سنکر کیا مجال ہے کہ کوئی ابو مسلم کی اعانت سے باز رہے۔ اس کو جس پر ذرا بھی شبہ ہو جائے۔ اسے فوراً قتل کر دینا کوئی بات ہی نہیں۔ خیر میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ درحقیقت یہ لوگ ناکام ہی رہینگے۔ لیکن جن وجوہ کو تجھسے شام کے وقت بیان کر چکا ہوں۔ ان کے لحاظ سے مجھے کرمانی کی کامیابی یقینی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے بظاہر ان سے میل ملاپ رکھنا کوئی مضرت رساں بات نہیں۔ بلکہ اس سے ہمیں فائدہ ہی ہوگا۔ اور روپیہ دینے کی بابت تم خوب سمجھ رکھو کہ جو کچھ اس وقت ہم دیتے ہیں۔ اگر بات بن پڑی تو اس سے سیکڑوں حصہ زیادہ کما لینگے۔ پھر اس کی کیا پرواہ کریں"۔ اب یہ دونوں چلتے ہوئے گلنار کے کمرہ سے قریب آ گئے تھے۔ اور محل میں ہر طرف سناٹا چھایا تھا۔

دہقان کا سلسلہ کلام قطع ہو چکا تو گلنار نے جلکر کہا: سچ ہے۔ بابا جان! آپ ابو مسلم کو روپیہ دیکر اور بڑے بڑے وعدے کر کے اپنا طرفدار بناتے ہیں۔ اور گلنار کو کرمانی کی نذر کر کے اس سے تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں!! یہ کہکر سخت بےچین اور ملول ہو کے فوراً اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ اور جاتے ہی بستر پر گر پڑی۔ اس کا باپ بھی ساتھ ہی آگیا۔ اور اس نے اس کی گفتگو پر بالکل توجہ نہ کر کے کہنے لگا۔ گلنار! تو اس وقت بہت پریشان نظر آتی ہے۔ اچھا نظر بخدا رکھ اور سو جا۔ تیری سمجھداری سے امید

رکھتا ہوں۔ کہ جب تو امیر کرمانی کے پاس ہوگی۔ اور میں ابی مسلم کے ہمراہ رہوں گا۔
تو دونوں طرف سے ہمارا کام بنا رہیگا۔ اور ہر حالت میں ہمیں فائدہ ہی حاصل ہوگا۔
پیاری۔ اب تو سو رہو اور اپنا دل نہ کڑھاؤ۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ اور گلنار کی جلی کٹی بات
سنی ان سنی کر گیا۔ تنہائی میں گلنار کی حالت اور بگڑ چلی۔ وہ اپنی الجھنوں میں کچھ ایسی
پھنسی کہ مخلصی کی کوئی راہ نہیں نظر آتی تھی۔ اگر باپ کا کہنا مانتی ہے۔ تو دل اس کو
گوارا نہیں کرتا۔ اور دل کے مشورہ پر عمل کرے۔ تو اس کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔ آہ۔
اُسے معلوم ہو جاتا۔ کہ ابی مسلم بھی اس کا ویسا ہی دلدادہ ہے۔ جیسی یہ اسپر مٹی ہے۔
تو بھی اس کو باپ کی ناراضی کا خیال نہ آتا۔ اگرچہ وہ اس قدر دل چلی عورت نہ تھی۔
مگر وہاں تو اُسے اپنے دلربا کی طرف سے بجز سرد مہری کے اور کوئی حوصلہ بڑھانے
والی بات دکھائی ہی نہ دی۔ اس نے اپنے دل سے باتیں کر کے بہت یاد کیا۔ کہ آخر
اس مجلس میں کوئی بات یا کوئی حرکت اس کے محبوب نے ایسی کی ہے جس سے
کچھ اُمید پیدا ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ ادھر سے بجز اُسے مایوسی ہی ہوئی۔ تاہم پھر
محبت اس کو ناامید ہونے سے باز رکھتی تھی۔ اور ابو مسلم کی سرد مہری کو اس کی مشغولی
خاطر سے منسوب کراتی۔ اور آخر میں وہ کسی قدر چونک کر یہ تصور کرنے لگتی۔ نہیں نہیں
یہ سب غلط ہے۔ اگر اُسکے دل میں کچھ بھی محبت ہوتی۔ تو کبھی ہو نہیں سکتا تھا۔ کہ اس کا
اظہار نہ ہو جاتا۔

اسی حالت میں منٹوں کے گھنٹے بنکر گزر گئے۔ اور ہماری مہ جمال ہیروئن کو کسی
پہلو قرار نہ آیا۔ نیند کس کی آنکھوں میں آتی۔ اُن میں تو کسی کی تصویر خیالی پھر رہی تھی۔ کوئی
ہمدم و ہمراز بھی نہ تھا۔ جس سے راز دل کہکر کچھ بار غم ہلکا کیا جاتا۔ آہ۔ اگر اس وقت
ریحانہ یہاں ہوتی۔ تو اس سے درد دل کا کچھ علاج دریافت کرتی۔ اس خیال کے آتے
ہی کمرہ کے دروازہ پر کسی کے باہستگی تمام قدم رکھنے کی آہٹ ملی۔ اور گلنار نے اٹھکر
دروازہ کھول کے دیکھا تو ریحانہ کھڑی تھی۔

"ہائیں! ریحانہ! تو اس وقت کیوں آئی ہو۔" گلنار نے مسرت زدہ ہو کر کہا۔

"بی بی! مجھے آپ کی پریشانی خاطر کا خیال تھا۔ اس لئے چلی آئی تاکہ آپ کو دلاسا دے سکوں۔" ریحانہ نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ اور اب دونوں کمرہ کے اندر تھیں۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ اور گلنار نے پھر متحیر ہو کر سوال کیا۔

"تجھکو میری پریشانی کا علم کیونکر ہوا؟"

ریحانہ۔ (گلنار کو سینے سے لگا کر) "میری بانو! آپ مجھے اپنی طرف سے بےفکر جانتی ہیں؟ ہیں نہیں ہیں آپ کے حال سے غافل نہ تھی۔ اور خاصکر تازہ وارد مہمانوں کی آمد کے بعد۔"

گلنار۔ تو کیا تو نے بھی اُن کو دیکھا؟ تو نے ان کی باتیں سنیں؟

ریحانہ۔ حرف بحرف پردہ کے پیچھے سے اور ان کی تمام حرکتیں بھی دیکھی ہیں۔

گلنار۔ (بیخودی کے ساتھ) "کیا تو نے ابومسلم کو بھی دیکھا؟"

ریحانہ۔ "بوری! خاموش۔ آہستہ بات کہو دیوار ہم گوش دارد۔ میں نے اُسے بخوبی دیکھا اور آپ کو بھی۔" یہ جملہ ایک خاص لہجہ میں ادا کیا گیا جس سے گلنار اپنی جلد بازی پر جھینپ گئی۔ اور پھر یہ خیال کر کے کہ ریحانہ ہی اس کی ہمدم و ہمراز ہے کہنے لگی۔ "ریحانہ! سچ کہنا تیری نگاہ میں وہ کیسا ہے؟"

ریحانہ۔ "بڑا لائق۔ اور تمہارے قابل۔ مگر صبر کرو جلد بازی بری ہوتی ہے"

گلنار۔ "میں دیکھتی ہوں کہ تو نے دل کی بات معلوم کر لی"

ریحانہ۔ "جی مجھ سے کچھ چھپا نہیں رہا۔ لیکن یہ معاملہ بڑی حکمت سے کام لینے کے لائق ہے۔ اور اس راستہ میں سخت کانٹے بچھے ہیں"

گلنار۔ (بے چین ہو کر) "آہ۔ ریحانہ! میں کیا کروں؟ اس کمبخت دل نے مجھے دین و دنیا سے کھو دیا۔ نہ ہی کچھ تدبیر بتا۔ بابا جان مجھے کرمانی کے گھر بھیجنے کو سوچتے ہیں۔ اور میرا دل اس طرف سے نافر ہے"

ریحانہ۔ "اور ابومسلم پر دل آ گیا ہے؟" ہنس پڑتی ہے۔

گلنار نے یہ سنکر شرم سے سر جھکا لیا۔ گویا اس کی زبان حال کہتی تھی کہ ہاں ہیں

اس پر مائل ہوں۔ اور ریحانہ نے فوراً یہ سوال کر دیا۔
"کیا وہ بھی آپ سے محبت رکھتا ہے ؟"
گلنار نے نظر اٹھا کر ریحانہ کی طرف دیکھا! اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔
وہ ڈھلک کر رخساروں پر بہ آئے۔ اور اس سے کچھ کہا نہ گیا۔
ریحانہ ۔"جب نہ آپ کو معلوم ہے۔ اور نہ مجھے تو اس کے سوا چارہ کیا
ہے۔ کہ کسی ذریعہ سے اس مرد کا دل ٹٹولا جائے "
گلنار ۔ "مگر یہ عقدہ کون حل کر سکتا ہے ؟"
ریحانہ ۔ "کیا آپ ضحاک کو نہیں جانتیں ؟"
گلنار ۔ "وہ پاگل! اس معاملہ میں کچھ ہمارا کام کر سکے گا؟"
ریحانہ ۔ "جی! اگر وہ چاہے۔ تو بڑی خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام
دے سکتا ہے۔ اس کی ظاہری حالت اور مسخرہ پن کو نہ دیکھئے بڑا کائیاں ہے۔
اور نہایت کار آمد آدمی "
گلنار "مگر اس سے گفتگو کون کرے؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ بابا جان سے
جا کر نہ پھوڑ دے۔ پھر تو میں کہیں کی نہ رہوں گی "
ریحانہ "یہ میرا ذمہ ہے۔ مگر اس سے کام لینے کے لئے کچھ روپیہ چاہئے "
گلنار "میری خزانچن سے روپیہ جتنا چاہو لے لو۔ مگر کام سوچ سمجھ کر کرو "
ریحانہ "آپ مطمئن رہیں لیکن مہمانوں کا ٹھکانا کیا کل ہی روانہ ہو گئے۔ تو
بات نہ بن آئے گی۔ اس لئے روپیہ ابھی ملتا تو بہتر ہوتا "
گلنار یہ سنکر بستر سے اٹھی۔ اور اپنی صندوقچی سے ایک تھیلی اشرفیوں کی نکال کر
ریحانہ کے حوالہ کی "لو سر دست یہ پانچسو اشرفیاں ہیں۔ ان سے کام چلاؤ۔ پھر صبح کو
اور روپیہ مل جائے گا۔ یاد رکھو کہ میں تمہاری کارگزاری کو کبھی نہ بھولوں گی "
ریحانہ ۔(جاتے ہوئے) "آپ مطمئن رہیں " اور دبے پاؤں اپنے کمرہ کی طرف
چلی گئی۔ اور گلنار اس کے جانے کے بعد پھر اپنی کاوش دل کے پھندے میں پھنس گئی۔

تیسرا باب

تجسّس کا ڈھنگ

فتنہ پرداز جفا ساز ستمگر عیّار
ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر

ریحانہ گلنار کے کمرے سے نکلی ہی تھی۔ کہ اس کی نظر ضحاک پر پڑی۔ جیسے وہ قرار داد سابق کے مطابق اس کی طرف آ رہا ہے۔ ریحانہ اُسے دیکھکر جھجکی لیکن اُس نے اپنی گھبراہٹ کو پوشیدہ رکھکر ضحاک سے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اور اپنے کمرہ کی طرف گئی۔ جو باغ کے ایک گوشہ میں حویلی سے الگ واقع تھا۔ ضحاک سایہ کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔ اور دونوں کمرہ میں داخل ہو چکے تو دروازہ بند کر لیا گیا۔ ریحانہ ضحاک کی صورت دیکھکر ہنسی کے مارے لوٹی جاتی تھی۔ کیونکہ اس دراز قامت شخص کا عمامہ کمرہ میں جاتے وقت دروازہ کی بالائی چوکھٹ سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا تھا۔ اور اس کا چھلا ہوا کبیر کا ایسا سر برہنہ ہو کے ریحانہ کی حیرت و ہنسی کا باعث بنا تھا۔ ریحانہ اس سے سر گھٹانے کا سبب پوچھنے ہی کو تھی کہ ضحاک نے جھٹ پٹ عمامہ سر پر رکھ لیا اور یہ کہتا ہوا ریحانہ کی طرف بڑھا۔ ریحانہ معلوم ہوتا ہے تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟ مبارک مبارک یہ ہو نجھ چاٹ کر ہنسنے اور عمامہ درست کرنے میں مصروف ہو گیا پھر احمقانہ طریقہ سے مسکرانا۔ اور انگلیوں کے پوروں سے اپنے دانتوں کو ٹھکرانا رہا ریحانہ بھی اس کی حرکتوں سے بے اختیار ہنس پڑی۔ اور پھر کسی قدر روکھی صورت بنا کر کہنے لگی۔

"تمہاری خوش طبعی اور عالی ہمتی واقعی تحسین کے قابل ہے۔ اور خاص کر اگر تو میری ایک بات مانے جسے میں اب تجھ سے کہنا چاہتی ہوں۔ مگر یہ تو بتا۔ کہ آیا تو راز داری کر سکتا ہے

ضحاک ۔ (ہنستے ہوئے) میرے دل میں ہر ایک راز کی جگہ ہے۔ میں کئی درجوں میں بھیدوں کے رکھنے کا سامان کرتا ہوں۔ اور تمہیں شک ہو تو بتاؤ۔ میں وہ سب جگہیں کھول کر دکھا دوں۔

ریحانہ (ہنس کر) "مردودے! تو اپنی دل لگی سے باز نہیں آتا! ذرا غور سے سُن۔ اور کان پھیپھٹا ڈالی تجھے وثیقانہ گلنار کے سر کی قسم اب مذاق بند کر!"

ضحاک ۔ (منہ بنا کر اور متین صورت بنا کے) "فرمائیے میں بسر و چشم آپ کے احکام کی تعمیل کے لئے آمادہ ہوں۔"

ریحانہ ۔ "تو ان مہمانوں کو جانتا ہے جو آج ہمارے یہاں آئے ہیں؟"

ضحاک ۔ "بخوبی۔ مگر آپ کسے دریافت کرنا چاہتی ہیں؟ ابومسلم خراسانی کو جس کا باپ غیر معروف شخص تھا۔ یا خالد بن برمک مجوسی نوبہار کے متعلق کو۔ ورنہ ابراہیم یہودی کو جو ابی مسلم کا خزانچی ہے؟"

ریحانہ ۔ (ضحاک کی وسعت معلومات پر حیرت کی ہنسی ہنس کر اور ابومسلم کے باپ کا غیر مشہور ہونا سن کے متعجب ہو کر دریافت حال کی غرض سے) "یہ کیا کہا ابومسلم کا باپ گمنام شخص ہے۔ کیونکر؟"

ضحاک ۔ "یقین نہ ہو تو انہی سے پوچھ دیکھئے۔"

ریحانہ ۔ "جا بکی مرک! میں تجھکو جھٹلاتی کب ہوں۔ مگر ذرا تفصیل سے بیان کر یہ بات کیا ہے؟"

ضحاک ۔ (مسکرا کے۔ منہ بنا کے) "خود ابومسلم سے اس کا نسب دریافت کیا جائے تو وہ نہ بتا سکے گا۔ مگر میں بتاتا ہوں سنئے۔ اس شخص کا باپ فارس کا باشندہ مسلم یا عثمان نامی تھا (نام میں اختلاف ہے) مسلم کا دعویٰ تھا کہ وہ بزرجمہر حکیم کی نسل سے ہے جو ملک ایران کا نامور حکیم گذرا ہے۔ اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ معمولی درجہ کے لوگ عزت و دولت حاصل کر کے شرفاء کے طبقہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو اگر وہ عربی ہوں۔ تو ابوبکرؓ و عمرؓ۔ یا امام حسینؑ سے اپنا نسب ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور فارس کے رہنے والے ہوں۔ تو اپنی نسبت بزرجمہر، اردشیر، یا نوشیرواں عادل کی اولاد بتاتے ہیں۔ بہر حال ابو مسلم کا حال جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس کا باپ قریہ ماخوان کا رہنے والا تھا۔ اور یہ قریہ شہر مرو سے تین فرسخ کے فاصلہ پر ہے ابو مسلم کا باپ ماخوان اور کئی دوسرے قریوں کا مالک تھا۔ اور اکثر اوقات شہر کوفہ میں مویشی بغرض تجارت لیجایا کرتا۔ اس کے بعد اس نے حکومت بنی اُمیہ کے زمانہ میں عام دہقانوں کی طرح علاقہ فریدین کو ٹھیکہ پر لیا۔ اور چاہا کہ ان دیہات کی آمدنی وصول کر کے حکومت کا لگان ادا کرے۔ اور اپنا فائدہ بھی نکال لے لیکن جس وقت بیاجی خراج کا موسم آیا تو وہ قسط ادا کرنے سے عاجز ہو گیا۔ عامل نے اُسے گرفتار کر کے چند سپاہیوں کی نگرانی میں دربار کوفہ کی طرف روانہ کر دیا مسلم کے پاس ایک لونڈی اس کی بہت محبوبہ تھی۔ اور وہ اس وقت حاملہ تھی۔ مسلم نے اُسے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ راستہ میں مسلم کسی طرح محافظ سپاہیوں کو فریب دیکر مع اس لونڈی کے بھاگ نکلا۔ اور آذربائیجان کی طرف چلا اثنائے راہ میں جب اس کا گزر علاقہ فانق میں ہوا تو وہاں اپنے ایک دوست عیسیٰ بن معقل کے پاس اس لونڈی کو چھوڑ کر خود آذربائیجان پہنچا۔ اور وہیں فوت ہو گیا۔ لونڈی کے بطن سے مدت حمل پوری ہونے پر دمنبارک یہ ہمارے مہربان ابو مسلم دنیا میں تشریف لائے۔ ان کی آنکھیں کھلیں تو عیسیٰ کو اپنا باپ سمجھا اسی کے گھر پرورش پا کر سن تمیز کو پہنچے۔ اور پڑھ لکھ کر ہوشیار ہو گئے۔ عیسیٰ اور اس کا بھائی ادریس یہ دونوں بھی حکومت کی طرف سے وصول خراج کے ضامن اور ٹھیکہ دار تھے۔ اور اُن پر بھی ادائے قسط سرکاری میں دیر ہونے سے وہی آفت پڑی جو ابو مسلم کے باپ پر گزر چکی تھی۔ اصفہان کے عامل نے عیسیٰ اور ادریس کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کی بہت کچھ شکایت لکھ کر عراق کے حاکم خالد قسری کے پاس ارسال کی جس نے ان دونوں کو کوفہ میں طلب کر کے قید میں ڈال دیا۔ اپنی گرفتاری سے پہلے عیسیٰ اور ادریس نے ابو مسلم کو کسی کام کے لئے باہر بھیجا تھا۔ وہ اپنی کارگزاری سے فارغ ہو کر گھر آیا تو اپنے مربیوں کی گرفتاری کا حال سنا۔ ابو مسلم فوراً کوفہ چلا آیا

اور وہ زندان خانہ میں عیسٰی اور ادریس کی خبر گیری کے لئے جاتا تھا۔ اسی اثنا میں اتفاق
سے کوفہ میں بنی عباس کے نقیبوں کا ایک گروہ آگیا۔ جو درپردہ لوگوں کو عباسی گھرانے
کا طرفدار بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ ابومسلم بھی کسی طرح ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اور اس کی
عقلمندی ہوشیاری اور گفتگو سنکر وہ لوگ اس کے دلدادہ بن گئے۔ یہ بھی نقیبوں کی
غرض پر مطلع ہو کر ان میں مل گیا پھر انہی کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا۔ جہاں ان لوگوں
نے اسے امام ابراہیم کے حضور میں پیش کیا۔ اور امام بھی اس کی باتوں سے بہت
خوش ہوئے۔ چنانچہ اس کو اپنی خدمت میں لے لیا۔ ابومسلم دل وجان سے امام
کو راضی رکھنے میں کوشاں رہتا تھا۔ اور امام کے دل میں اس کی بہت کچھ جگہ ہو گئی تھی۔ اس
کے بعد امام کے طرفداروں کا وہ جتھا جو دعوت کے کام پر مامور تھا۔ دوبارہ ان کی خدمت
میں آیا۔ اور ان لوگوں نے خراسان کا انتظام نقابت درست رکھنے کے لئے امام سے
کوئی ہوشیار آدمی مانگا۔ امام نے فوراً ابی مسلم کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اور باوجود اس
کے کہ یہ ابھی کم عمر جوان ہے۔ اس کو سب نقیبوں کا افسر بنا کر اسے وہ ہدایتیں
فرمائیں جنہیں تم نے بھی سن لیا ہے۔ اب بتاؤ کہ وہ اپنے باپ کو کیسے جان سکتا ہے؟

ریحانہ کو یہ قصہ سنکر سخت حیرت ہوئی۔ مگر چونکہ وہ اس وقت ضروری معاملہ پر
بحث کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے ضحاک کو زیادہ سخن سازی کا موقع نہیں دیا
اور کہا۔ "آمنا وصدقنا۔ مگر اب تم کام کی بات سنو۔ اور بیکار باتیں رہنے دو۔ (ہاتھ
بڑھا کر ضحاک کو تھیلی دیتے ہوئے) لو یہ تمہاری بانو گلنار کا عطیہ ہے۔ اور میں تم کو
ایک بڑے پرپیچ معاملہ کے لئے پتا لگانے کی تکلیف دینا چاہتی ہوں۔"

ضحاک۔ (ہنستے ہوئے تھیلی اپنی جیب میں ڈال کر) "بسر وچشم فرمائیے
کیا حکم ہے؟"

ریحانہ۔ "تم تو جانتے ہی ہو کہ گلنار بانو یمنی امیر کرمانی کی بہو بننے
والی ہے۔ اور اس کا باپ بالکل آمادہ ہے۔ کہ اسے کرمانی کے بیٹے "علی" سے

ابن خلکان جلد ۱۔

بپاہ دے۔ لیکن اس وقت رات کو جو باتیں ہوئی ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خراسانی نوجوان کریانی کی تمام تیخی کرکری کر ڈالے گا۔ اور بساط سیاست کی بازی اسی کے ہاتھ رہے گی۔ اور میں نے اس کے اطوار سے یہ بھی تاڑا ہے۔ کہ وہ ہیر بانو پر مائل ہو گیا ہے۔ لیکن ان سے اپنی محبت کا اظہار کسی پہلو بھی ہونے نہیں دیا۔ تم سے یہ کام لینا ہے کہ اپنی دانشمندی سے کام لیکر کسی طرح اُس کا دل ٹٹولو۔ اور مجھے بتاؤ۔ کہ وہ کیا خیال رکھتا ہے۔ مگر خبردار کوئی تمہاری کارروائی سے واقف نہ ہونے پائے۔ اور اسی وقت یہ کام کر کے آؤ۔"

ضحاک۔ "اوہ! یہ کتنی بڑی بات ہے۔ ہم یہ بھی مان لیں۔ کہ وہ بانو پر مائل نہیں ہوا۔ تو میں اُسے اب مائل بنا دوں گا۔ کہو کیا کہتی ہو؟"

ریحانہ۔ (خوش ہو کر) "واہ۔ اگر ایسا کر سکو تو پھر تم مالا مال کر دیے جاؤ گے لیکن یہ راز بہت گہرا ہے۔ دیکھو اس کی بو تک نہ پھوٹنے پاتے۔"

ضحاک۔ (کچھ دیر تک سر جھکائے رہنے کے بعد متانت کے لہجہ میں) "تو لیجے اب میں چلا آپ دعا کریں کہ خدا مجھے کامیاب لائے۔"

ریحانہ۔ "خدا حافظ رہ جاؤ۔"

ضحاک۔ "ٹھہرو میں تمہارے آئینہ کے سامنے اپنا روپ تو بدل لوں۔ یہ کہہ کر دیا۔ ہنستے ہوئے آئینہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اپنا عمامہ کھول کر اُسے عجیب ڈھنگ سے باندھا جسے دیکھتے ہی لوگ ہنس پڑیں۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کے بالوں کو نوچ کر بالکل پریشان اور بد وضع بنا لیا جبّہ اُتار کے اُسے اُلٹا کیا اور گریبان پیچھے کی طرف پھیر کر پہن لیا جوتیاں اُتار کر کمر کی پیٹی میں گھرس لیں اور برہنہ پا گلوں کی طرح ہنستا اور منہ بناتا ہوا کمرہ سے نکل کر چل دیا۔

اب ہم جل کر ابی مسلم کی خبر لیتے ہیں۔ اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ آیا اُس پر بھی شکست کے بعد شب جشن کا فسوں چلا ہے۔ یا نہیں۔

جس وقت خادموں نے روشنی دکھا کر ابی مسلم اور خالد کو ان کے آرام کے لئے

مقرر کی گئی جگہ میں پہنچا دیا۔ تو ابی مسلم استراحت کی نیت سے اپنے کپڑے اتارنے اور ہتھیار کھولنے لگا۔ وہ اس وقت بالکل خاموش تھا۔ اور خالد گلنار کے حسن و جمال اور اس کی حرکتوں کا خیال کر کے ابی مسلم کی ہر ایک جنبش کو نہایت غور کے ساتھ دیکھتا جاتا تھا۔ تاکہ شاید یہ نوجوان بھی اس پریچہرہ عورت پر فریفتہ ہو گیا ہو۔ تو کسی نوع پر اُس کا ذکر کرے۔ مگر خالد کی تمام کوشش بے سود تھی۔ ابی مسلم نے کوئی لفظ گلنار کی بابت زبان سے نہیں نکالا۔ بلکہ وہ بدستور ساکت رہکر کپڑے اُتارتا رہا۔ خالد کو بھی سکوت کے سوا کوئی چارہ نظر آیا۔ اور اُس نے ابو مسلم کے کپڑے اتارنے میں اُسے مدد بھی دی۔ خالد ابی مسلم کی خاموشی سے متحیر نہیں ہوا۔ وہ بخوبی جانتا تھا۔ کہ یہ عجیب و غریب شخص بہت کم گفتگو کیا کرتا ہے۔ اور ہنسی تو بھول کر بھی اُس کے لبوں پر نہیں آتی۔

ابی مسلم کا خزانچی ابراہیم روپیہ لیکر ان دونوں کے کمروں سے کسی قدر فاصلہ پر دوسرے کمرہ میں ٹھہرا تھا۔ اور چونکہ اُس کے ساتھ خزانہ بھی تھا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے۔ کہ وہ اندر سے دروازہ بند کئے روپیوں کے سنبھال کر رکھنے پر مصروف رہا ہوگا۔ کیونکہ روپیہ کا خریطہ اُٹھا کر لانے والے غلام اور دوسرے ساتھی کو اُس نے فوراً واپس کر دیا تھا۔ اور اب تنہا وہی اپنے کمرہ میں رہ گیا تھا۔

گلنار کی حالت سنئے کہ ریحانہ ضحاک کو روانہ کرنے کے بعد اُس کے پاس گئی۔ تو وہ انتظار کی وجہ سے سخت بے چین اور بدحواس تھی۔ اور اپنے دل سے یوں باتیں کرتی جاتی تھی۔ "نہیں معلوم ریحانہ نے ضحاک کو بھیجا یا نہیں؟ اس نے ضرور بھیجا ہوگا۔ تو کیا ضحاک سنگدل ابی مسلم کو راستہ پہ لگا سکے گا نہیں وہ سنگدل نہیں ہے۔ وہ تو پیارے وطن کو آزادی دلانے کا اہم کام انجام دینے کی فکروں میں اس قدر غرق رہتا ہے۔ کہ کسی اور بات کا تصور اس کے دل و دماغ میں آہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ سنگدل اور ظالم نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ اُس کے دل پر میری محبت کا عکس پڑا ہو۔ اور وہ ضحاک سے اس راز کو ظاہر کرے

ہائے۔ یہ تو میرا خیال ہے۔ اس کی صحت اور ابی مسلم کے دل کی کیفیت کا پتا کیونکر
لگے؟" گلنار کے خیالات کا سلسلہ یہاں تک پہنچکر ٹوٹ گیا جس کی وجہ دروازہ پر
کسی کے دبے ہوئے قدموں کی آہٹ محسوس ہونا تھی۔ جس کے بعد ہی باہستگی
زنجیر در بھی کھڑکی اور گلنار نے فوراً اٹھکر دروازہ کھول دیا۔ ریحانہ کی صورت دیکھتے
ہی گلنار کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور اس نے دریافت کیا۔ "ریحانہ! کہو کیا کر آئیں؟"

ریحانہ۔ (لبوں پر انگلی رکھکر خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے نہایت پست آواز
میں) "بی بی! چپ بھی رہو" اور پھر صحن کی طرف کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن وہاں
کوئی صدا محسوس نہیں ہوئی تھی۔

گلنار۔ (ریحانہ کی حرکت سے متحیر ہوکر) "کیوں کیا ہے؟ تم اس طرح کھو چکی
کیوں ہو رہی ہو؟"

ریحانہ۔ (نہایت آہستہ سے) "بی بی! میں ادہر آتی تھی۔ کہ یکایک آپکے
بابا جان کی کھنکھارنے کی صدا دالان میں سنائی دی۔ جیسے وہ جاگتے اور میرے
پیچھے آرہے تھے۔ بس میری جان سن سے ہو گئی۔ اور میں جوتی اتار کے دم بند کئے
پنجوں پر چلتی بمشکل یہاں تک آئی۔"

گلنار۔ (کسی قدر ترش ہوکر) "اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات تھی۔ بابا جان
جاگتے تھے۔ اور تجھکو یہاں آتے دیکھ لیتے تو کیا قباحت ہو جاتی۔ ان باتوں کو جانے
دے۔ اور بتا کہ ضحاک کو بھیجدیا یا نہیں؟"

ریحانہ۔ (کچھ سنبھلکر) "ہاں بھیجا تو ہے۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ وہ کام بنا کے
واپس آئے گا۔ مگر بی بی! وہ تو بڑا سمجھدار اور سلیقہ کا آدمی ہے۔ اس کی ظاہری حالت
پہ نہ جاتے۔"

گلنار۔ (طنزاً) "او نہ عربی ہو کر سمجھدار بھی ہوتا۔ تو اپنے گھر کی حکومت
سے فائدہ نہ اٹھاتا۔ غلام کیوں بنتا؟ لیکن ہمیں کیا غرض وہ ہمارا کام کر دے۔ تو
بہت کچھ ہے۔"

ریحانہ۔ (سر ہلا کر گویا اپنی بات کی رائے پر صاد کرتی ہے) "آپ سچ فرماتی ہیں۔ لیکن مجھکو پورا یقین ہے۔ کہ وہ کام کر کے لوٹے گا۔ اور آپ دیکھ لینگی۔ کہ کیسا کام کا آدمی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے کمرہ میں جا کر اس کی واپسی کا انتظار کروں وہ وہیں آئے گا۔

گلنار۔ "میں مناسب سمجھتی ہوں۔ کہ تمہارے کمرہ میں خود بھی چلی چلوں۔ اگر تم اسے یہاں لائیں تو شاید اس میں کچھ قباحت ہو جائے۔ لہذا وہیں اس سے مل کر سب باتیں دریافت کر لینا مناسب ہوگا۔"

ریحانہ نے گلنار کی یہ رائے پسند کی۔ اور خاموشی اس کی حکم کی منتظر استادہ ہو رہی۔ گلنار بستر سے اُٹھی۔ روئی دار ہلکی رضائی سے سارا جسم لپیٹ لیا۔ سر سے کشمیری شال کا قیمتی رومال باندھا۔ اور سردی سے بچنے کا سامان کر کے ریحانہ کو آگے کر لیا۔ اور خود اس کے پیچھے روانہ ہو گئی۔ کمرہ سے نکل کر ہوا کے سرد جھونکوں کی صدا سننے اور ابر کے ٹکڑوں کو آسمان پر آتے دیکھنے سے گلنار کا غنچۂ خاطر شگفتہ ہو گیا اور اُس نے ریحانہ سے اپنی مسرت کا حال ظاہر کرنا چاہا۔ لیکن پھر چپ ہو گئی۔ یہاں تک کہ یہ دونوں اُس کمرہ میں پہنچ گئیں جو ریحانہ کی سکونت کے لئے مخصوص تھا۔ ریحانہ نے اپنے پلنگ کا بستر درست کر دیا۔ اور گلنار چراغ کی طرف رخ کر کے اس پر بیٹھ گئی۔ ہوا کے اثر سے چراغ کی لو جھلملاتی اور اپنی ماند روشنی گلنار کے رُخ آتشیں رنگ پر ڈالتی جاتی تھی۔ گلنار نے شال رومال سر سے اتار دیا۔ گرمی کے باعث اسکی نازک جلد کے نیچے خون کی چادر دوڑ گئی تھی۔ اور اس کا چہرہ برگ گل کی جگہ دانۂ انار سرخ کی طرح اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا۔ ریحانہ اس حسن ملائک فریب کو دیکھکر بیخود ہو گئی۔ اور بے اختیار گلنار کی پیشانی چوم کر کہنے لگی "سبحان الخالق۔ بھلا اس خراسانی (ابو مسلم) کی کیا مجال ہے جو اس حسن بیمثال پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ آج اس دلفریب صورت کا جواب اصفہان و ماوراء النہر کی سرزمین تو کہیں نہیں۔"

گلنار۔ (آہ سرد بھر کے کچھ سکوت کے بعد) "ریحانہ! میں تمہیں کہہ سکتی۔ کہ کیوں

اس وقت کمرہ سے نکلتے ہی راستہ میں میرا دل ایک خاص مسرت کے جوش سے بھر گیا تھا۔"

ریحانہ - (مسکراکر) " خدا آپ کا ہر دن آرام و مسرت کا دن رکھے مجھے بھی ایک طرح فرحت محسوس ہوئی تھی۔ اور اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہوا چلنے اور ابر آتے دیکھ کر دل کو مسرت ہوتی ہے۔ مجھ پر بارہا یہ عالم گذر رہا ہے۔ اور میرا تجربہ بھی بتاتا ہے۔ (پھر کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے) "اور اس تند ہوا کے باعث مسرت ہونے کا ایک اور سبب بھی میرے خیال میں آیا ہے۔"

گلنار - (شوق سے) "وہ کیا ہو کہ ڈالو!"

ریحانہ - " ہوائے تند کے بعد بارش ہوگی۔ اور راستوں میں کیچڑ ہو جائیگی اس لئے ہمارے مہمانوں کو کئی دن یہاں رہنا پڑے گا۔ آگے آپ خود سمجھ لیجئے"

ریحانہ کی اس گفتگو سے گلنار کو ہنسی آ ہی گئی۔ ورنہ اُس کا دل کچھ ایسا مرجھا گیا تھا۔ کہ کئی دنوں سے وہ متبسم نہیں ہو سکی تھی۔

ہم اُن کو تو ضحاک کی واپسی کا انتظار کرنے دیتے ہیں۔ اور خود اب ضحاک کی خبر لینے چلتے ہیں۔ کہ اُس نے ریحانہ کے پاس سے جا کر سراغ رسانی کی کیا تدبیر نکالی +

چوتھا باب

ابراہیم خزانچی اور ضحاک

کھل گیا جب راز تو پھر وہ سکنے سے فائدہ؟
کھل گئی چوری تو پھر کیا سوء جنا شاہ کو؟

ضحاک اپنا مسخرا آمیز روپ بدل کر آہستہ آہستہ [illegible] شوق پر ہنسات

ہوا فصیل کے اُس جانب جا پہنچا۔ جدھر مہمانوں کے ٹھہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ امر تو ناممکن تھا کہ وہ ابو مسلم کے پاس جاتا۔ اور اُس کے علاوہ ابو مسلم خوابگاہ میں داخل ہوچکا تھا۔ اور خالد سے بھی ملنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے ضحاک کی نکتہ رس طبیعت نے ابراہیم خزانچی کو تاکا۔ اور اُس کے ذریعہ سے کاربراری کرنا چاہا۔ ابراہیم کی بابت ضحاک کو یہ علم پہلے سے حاصل تھا۔ کہ وہ بڑا مکار اور لالچی شخص ہے۔ اور اس پر روپیہ کا افسون کارگر ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس نے یہ طریقہ نکالا کہ آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے آہستہ آہستہ چل کر ابراہیم کے کمرہ کے نزدیک گیا۔ اور کان لگا کر اُس کے اندر کی آہٹ لینے لگا۔ تاکہ معلوم کرسکے۔ آیا ابراہیم سوگیا ہے۔ یا جاگتا ہے۔ کمرہ کے اندر بالکل تاریکی تھی۔ اور دروازہ اندر سے بند تھا۔ یہ تمام باتیں بظاہر حال بتاتی تھیں۔ کہ ابراہیم سوگیا ہے۔ لیکن نہیں ضحاک کو کچھ آہٹ ملی۔ اور وہ آہٹ اس طرح کی تھی جیسے روپیوں کے تھیلے کھولئے۔ اور ان میں سے کچھ روپیہ نکالنے کی ہوسکتی ہے۔ ضحاک دیر تک سن گن لیتا رہا۔ اور جب اس پر ثابت ہوگیا۔ کہ ابراہیم بیدار اور کسی رازداری کے کام میں مصروف ہے۔ تو اس نے دروازہ سے کسی قدر ہٹ کر ایک گچ کے پختہ فرش پر اشرفیوں کی تھیلی اس زور سے ٹپک دی۔ کہ اس کی صدا رات کے سناٹے میں دور تک پہنچی اور روپیوں کی کھنکھناہٹ سنائی دی۔ ضحاک کی یہ کارروائی رائگاں نہیں گئی۔ بلکہ کچھ توقف کے بعد ابراہیم کے کمرہ کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور اُس کے اندر سے ابراہیم نے سر نکال کر باہر نگاہ دوڑائی۔

ابراہیم نے دیکھا کہ ضحاک اُس کے دروازہ سے چند قدم کے فاصلہ پر عجب ہیئت سے استادہ ہے۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھکر پشت کی جانب جھک گیا ہے۔ منہ آسمان کی طرف ہے۔ اور ابر کے ٹکڑوں کو چاند کی طرف بڑھتے دیکھ دیکھکر اُن کی سیر سے خوش ہوکر ہنسا دینے والی حرکتیں کرتا جاتا ہے۔ گویا وہ آسمان کے تارے گنتا ہے۔ یا چاند کی فلاسفی پر غور کر رہا ہے۔ ابراہیم نے ضحاک کی طرف دیر تک دیکھتے رہنے کے بجائے اس جگہ کو تاڑنا شروع کیا۔ جہاں روپیوں کے گرنے کی صدا محسوس ہوئی تھی۔ چاند

کی مصفا روشنی ہر چیز کو خوب واضح کرکے دکھا رہی تھی۔ اس لئے ابراہیم کو زیادہ غور نہیں کرنا پڑا۔ اور اس نے دیکھا کہ رنگین ریشمی کپڑے کی ایک تھیلی پختہ فرش پر ضحاک کے پاس ہی پڑی ہے۔ اس کے دل میں کمرہ سے نکل کر تھیلی اٹھا لینے کی گدگدی پیدا ہوئی مگر ساتھ ہی ضحاک کے خبردار ہونے کا خیال مانع بھی بن گیا۔ پھر اسے یاد آیا کہ یہ تو پاگل اور دیوانہ ہے۔ اگر اس میں سمجھ ہوتی تو روپیہ کی تھیلی اس طرح گرا کیوں دیتا۔ یہ تصور دماغ میں آتے ہی ابراہیم نے آہستہ آہستہ دو چار قدم بڑھائے۔ اور وہ تھیلی اٹھا کر کمرہ میں داخل ہونے کے لئے پلٹا ہی تھا۔ کہ یکایک دیوانہ ضحاک نے زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ اور ابراہیم کا بند بند کانپ گیا۔ قریب تھا کہ تھیلی اس کے ہاتھ سے گر پڑے۔ مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور یہ ظاہر کرکے کہ وہ کسی ضرورت کے لئے کمرہ سے نکلا تھا ضحاک کی طرف نظر پھیری۔ اسے دیکھا کہ ضحاک لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف آ رہا ہے۔ گویا وہ زمین کی اپنے قدموں سے پیمائش کرتا ہو۔ ابراہیم نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس وقت بالکل خالی الذہن ہے اور کچھ بھی نہیں جانتا ضحاک سے دریافت کیا "میاں! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ زمین کی پیمائش یا آسمان کے تاروں کا شمار؟"

ضحاک نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے "نہیں میں اپنا روپیہ ڈھونڈھتا ہوں میری ہمیانی کہیں گر گئی ہے اور خیال ہے کہ (چاند کی طرف اشارہ کرکے) یہاں گری ہوگی"

ابراہیم۔ (ہنس کر اور ضحاک کو واقعی احمق سمجھ کے روپوں کی تھیلی چھپا ڈالنے کے خیال سے) "ہاں ایسا ہو سکتا ہے" اور یہ کہہ کر اپنے کمرہ میں جانے کے لئے مڑا مگر ابھی وہ دروازہ میں داخل نہیں ہونے پایا تھا کہ ضحاک نے اس کی گردن ناپ لی۔ اور مقابل کے ساتھ کمرہ میں آ گھسا۔ ابراہیم نہایت پست قامت اور درجہ کا بزدل تھا۔ صورت دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کو فصیل سے نیچے جھونک دینا۔ مگر اس کی تو غرض ہی کچھ اور تھی اور ابراہیم بہادر بھی ہوتا اس وقت ضحاک کا کچھ نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ خاموش رہا تو آخر

اپنی رسوائی کا خوف تھا جس کی وجہ بھی بتا دینا ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابراہیم کا باپ یہودی تھا پھر وہ روپیہ کمانے کے لئے مسلمان ہو گیا۔ ابراہیم تخم تاثیر کی بنا پر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر لالچی اور زردوست واقع ہوا تھا خوشامد وچاپلوسی سے کام نکالنا اس کی عادت تھی۔ اتفاق وقت وہ کسی طرح عباسی نقیبوں سے مل گیا۔ اور ابو مسلم نے یہ سمجھ کر کہ حساب میں ابراہیم نہایت ہوشیار ہے اُسے اپنا خزانچی بنا لیا۔ اس سے میں ابراہیم خوب کما سکتا تھا چوری کر کے نہیں۔ بلکہ روپیہ کو بدل کے کیونکہ چوری کا تو اُسے شاذ و نادر ہی موقع ملتا تھا۔ مگر بقول مشہور چور چوری سے گیا۔ تو کیا ہیرا پھیری سے بھی گیا؟ ہتا دن میں اُس کی خوب چاندی رہتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ بنی اُمیہ کے عہد میں کئی طرح کے سنہری سکے مضروب ہوئے ان میں بعض بہت کھرے تھے۔ اور چند کھوٹے اور کم وزن بھی تھے۔ جب حجاج بن یوسف گورنر عراق نے جو سکے مضروب کئے۔ وہ وزن میں معمول سے کم تھے۔ ابن ہبیرہ حاکم عراق مقرر ہوا۔ تو اس نے کچھ عمدہ سکے مضروب کرائے۔ بعد ازاں خالد قسری کی امارت میں اور بھی اچھے سکے بنائے گئے۔ اور سب سے آخر میں یوسف بن عمر نے جو سکے مضروب کرائے۔ وہ بہت کھرے اور کامل الوزن تھے۔ اس طرح پر عہد بنی امیہ کے سکوں میں خالدیہ ہبیریہ اور یوسفیہ سکے بہت اچھے مانے جاتے تھے۔ اور حجاج کے بنوائے سکے کھوٹے کہلاتے۔ ابراہیم آمدنی کی رقمیں حساب میں پوری درج کیا کرتا۔ مگر وہ دیناروں کی قسم نہیں لکھتا تھا۔ اور عمدہ اشرفیاں خراب اشرفیوں سے بدل کر خوب مال مارا کرتا تھا۔ خزانہ کے ضمن میں اس کے خاص صندوق بھی ہوتے۔ اور ان میں گھٹیا سکے بھرے رہتے۔ اور موقع پا کر وہ ہتھ پھیری کر لیتا تھا۔ ضحاک اس کی حالت سے کسی قدر واقف تھا۔ مگر ابراہیم ضحاک کی نسبت بجز اس کے کہ وہ اُسے ایک دیوانہ اور مسخرہ تصور کر کے کچھ زیادہ علم نہ تھا۔

اس وقت ضحاک نے مخملی زین پر گرانے کے قبل کن سوئیاں لیکر ابراہیم کی کارروائی پوری طرح معلوم کر لی تھی۔ ابراہیم روپیوں کی تبدیلی میں مصروف تھا۔ اشد

اس حالت میں اُسے سانس لینے سے بھی خلجان ہونے لگتا تھا۔ ضحاک روپیوں کی جھنکار اُسے نہ سناتا تو وہ کبھی کمرے سے باہر نہ نکلتا۔

بہرحال اب ضحاک اُس کے ساتھ کمرہ کے اندر گھس آیا۔ تو ابراہیم کی جان نکل چلی۔ اُس نے سکوت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ شور وغل ہوتا۔ تو ابی مسلم اور خالد کے بیدار ہو جانے۔ اور اپنی خیانت کے کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ مگر کچھ توقف کے بعد اس نے مذاق کے طور پر ضحاک سے کہا "لو یہ تمہاری تھیلی آسمان سے میرے پاس آگئی اسے لیجاؤ۔"

ضحاک نے ابراہیم کو چھوڑ کر تھیلی کو انگلیوں کے سرے سے ٹٹولا اور پھر زمین پر پھینک دیا جس سے دوبارہ جھنکار پیدا ہوئی۔ اور ابراہیم نے بار دیگر اُسے اٹھا کر کہا "کیا یہ تمہاری تھیلی نہیں ہے؟"

ضحاک۔ (ہنستے ہوئے) "میں نہیں پہچانتا۔ مارے خدا کے لئے روشنی تو کر دے۔"

ابراہیم۔ "چلو چاندنی میں چل کر دیکھ لو" اور ضحاک کا ہاتھ تھام کر اُسے باہر کھینچ لیجانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ زمین میں پیر جمائے اس شان سے کھڑا تھا۔ کہ جنبش بھی نہ کھا سکا۔ اور ابراہیم نے پریشان ہو کر کہا "بھائی اگر یہ روپے کم سمجھتے ہو۔ تو میں انہیں اور بڑھا دوں گا۔"

ضحاک۔ (ابراہیم کی طرف دیکھنے کے لئے اس قدر جھک کر گویا سجدہ کرتا ہے) "مگر میں صرف یوسفی اشرفیاں لوں گا۔"

یہ سنکر ابراہیم کی جان فنا ہو چلی۔ اس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا۔ کمرہ میں کھلے ہوئے توڑے اور اشرفیاں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ عین کارروائی کی حالت میں ضحاک آگیا تھا۔ ابراہیم مجرم تھا۔ اور مجرم کی جو حالت ہوتی ہے۔ وہی اس پر بھی طاری تھی۔ وہ دل میں اس خیال سے کانپا جاتا تھا۔ کہ کہیں اس دیوانہ کو میری سیاہ کاری نہ معلوم ہو جائے۔ سچ ہے مجرم کا ضمیر اُسے خود پریشان رکھتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز

خطاکار کو اپنی کارروائی کی۔ مگر ان معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ضرب المثل بالکل ٹھیک ہے کہ "چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔" تاہم ابراہیم نے پھر سوچا کہ اس دیوانہ کو میری حالت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔ "ہاں۔ ہاں۔ تو یہ یوسفی ہی اشرفیاں ہیں۔"

ضحاک ۔ "کیا اب تک تم نے ان کو بدلا نہیں؟" اور ہنس پڑا۔

اب ابراہیم کو یقین آگیا۔ کہ اس دیوانہ کو میری حالت کا پورا علم ہے۔ اور شائد یہ بھید لینے ہی کے لئے آیا ہے۔ اس کا بند بند کانپ اٹھا۔ اور وہ سخت مشتعل ہوا۔ تاہم اس نے چاہا کہ مغالطہ دیکر ضحاک کو کمرہ سے باہر کر دے۔ اور جب اس ارادہ میں بھی کامیاب نہ ہوا تو لاچار ہو کر بولا۔ "اچھا کرم کیجئے۔ اور بیٹھ جائیے۔" ابراہیم کا مدعا تھا۔ کہ یہ میرے کہنے کے خلاف عمل کرے گا۔ اور یہاں سے دفع ہو جائے گا لیکن ضحاک اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔ اور ابراہیم کو بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔ ابراہیم کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ وہ کیا کرے۔ اس دیوانہ نے اُسے پاگل بنا دیا تھا۔ اور وہ خوف کے مارے اُس کی اطاعت کرتا جاتا تھا۔ تاکہ دیکھے وہ کرتا کیا ہے۔

کمرہ میں بالکل تاریکی تو تھی نہیں۔ دروازہ کھلا تھا۔ اور چاندنی اندر آ رہی تھی۔ اشرفیوں کے توڑے ذرا سے تامل میں دکھائی دیتے تھے۔ اور سارا راز فاش کر رہے تھے۔ ضحاک نے توڑیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں آپ کو اُن کے جمع کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔ کہو تو "یوسفیہ" کا لفظ ان کے اُوپر سے مٹا کر "حجاجیہ" لکھ دوں یہ کارروائی بد دیانتی ظاہر ہونے سے بہتر ہو گی۔"

ابراہیم کی اس صاف بیانی سے ہوش پران ہو گئے۔ تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہو چلے۔ اور وہ بے چین ہو کر کہنے لگا۔ "خدا کے لئے بتا بھی تو کون ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ بظاہر پاگل ہو یا مسخرہ لیکن دراصل تو بڑی گہری طبیعت کا شخص ہے صاف بتا تیرا کیا مدعا ہے؟"

ضحاک ۔ "میں ضحاک ہوں تو مجھے نہیں جانتا۔ دیکھ یہ میرا عمامہ ہے

یہ جُبّہ اور یہ جو تیاں ۔ تبا تو کہا جا رہا ہے ؟"

ابراہیم (خوشامد کرکے) " یار مذاق کو تو رہنے دو ۔ اور کھل کر بتا تو کون ہو؟ اور تو کہا جا رہا ہے ؟"

ضحّاک ۔ " میں ضحّاک ہوں مگر یاد رکھ کہ ہنساتے ہنساتے لوگوں کو رُلا بھی دیا کرتا ہوں ۔ تاہم تو اہل بیت کا خزانچی ہے ۔ اور تجھے نہ رُلاؤں گا ۔"

ابراہیم ۔ (پریشان ہوکر) " بھائی میں کہتا تو ہوں ۔ کہ کھل کے کہو کیا کہتے ہو ۔ میں تمہارے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں ۔"

ضحّاک ۔ (کسی قدر متین بنکر) " میری اصلی حالت سے تمہیں کوئی غرض نہ ہونی چاہئے ۔ میں تمہاری خطا پر پردہ ڈالوں گا ۔ مگر تم میرا ایک کام کر دو ۔"

اس سوال نے ابراہیم کے دل سے کسی قدر تردد کا بوجھ اُتار دیا ۔ اور وہ خوش ہوکر بولا ۔ " کہو کیا کہتے ہو ؟ میں تمہاری خدمت بسر و چشم بجا لاؤں گا ۔"

ضحّاک ۔ " تم ابی مسلم کے مزاج میں کچھ دخل رکھتے ہو ؟"

ابراہیم ۔ (پریشانی سے سر جھکا کر) " ابی مسلم اُن لوگوں ہی میں نہیں جن پر کسی کا کہنا سننا اثر کر سکے ۔ وہ بڑا جھلا اور سخت مزاج ہے ۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا ہے ۔ اور ہنسی کا تو وہ نام بھی نہیں جانتا ۔ باتیں اس قدر کم کرتا ہے ۔ کہ اس کے ساتھیوں کو اس کے حضور میں کچھ عرض کرتے خوف آتا ہے ۔ اور سب اُس سے دل میں ڈرتے رہتے ہیں ۔ کیونکہ وہ ذرا سا شبہ پیدا ہوتے ہی عمر اور قتل کا فیصلہ کر دیتا ہے ۔ کیا تم نے امام کا ہدایت نامہ نہیں سنا جو اس نے دہقان کو بڑھ کر سنایا تھا ۔ اور جس میں صاف اجازت ہے ۔ کہ جس کی نسبت شک کرے اُسے قتل کر دے ۔ بھلا تمہیں بتاؤ کہ ایسے شخص کے روبرو کون زبان کھول سکتا ہے ؟ تاہم تمہارا اُس سے کوئی کام ہو تو میں تا امکان خود اُس کے انجام دینے کی سعی کروں گا ۔"

ضحّاک ۔ " تم سچ کہتے ہو ۔ اس کے سوا اگر کوئی بات کہتے تو میں تم سے مشکوک ہو جاتا ۔ لو تمہیں امام کے نسبت ۔ ۔ ۔ اور صاحب اعلیٰ سمجھ ۔ ۔ ۔ مشہور ہیں

تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ بتاؤ کیا تم رازدار بن سکتے ہو؟"

ابراہیم۔ "بے خوف و خطر کہئے۔ کیا مجال کہ کبھی صندوق سینہ سے نکل کر لبوں تک بھی آ جائے۔"

ضحاک۔ "تم سے تو میں ڈرتا نہیں۔ تمہاری جان میری مٹھی میں ہے معمولی بات سمجھتا ہوں۔ کہ ابی مسلم کو تمہاری طرف سے مشکوک بنا دوں۔ اتنا ہی کافی ہے کہ دو تین اشرفیوں کا مسئلہ اُسے سنا دوں۔" پھر ایکا ایک ٹھٹھکا اور جوتیاں پہن کے سیدھا ہو گیا۔ ابراہیم کی جان غضب میں آگئی۔ وہ ڈر کے مارے کانپ گیا کہ مبادا اس پاگل کا جنون زور کرے۔ اور یہ ابھی امیر سے جا کر میری شکایت کر بیٹھے اس لئے وہ بھی ضحاک کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور اس کی دلجوئی کرتا ہوا کہنے لگا۔ "بھائی صاحب خیر تو ہے؟ تمہیں کیا تردد ہے؟ وہ راز تو بیان کرو۔"

ضحاک۔ "اُسے گھر میں بھول آیا ہوں۔ جا کر تلاش کر لاؤں۔" ہنستا ہے۔

ابراہیم ضحاک کی خاطر سے زہرخند کر کے اور اس کے جنون سے ڈر کر "بھائی! تمہیں خدا کی قسم اب مذاق کو تو بند کرو۔ اور صاف کہہ ڈالو میری جان تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تمہاری خدمت میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کر سکتا۔"

یہ سُن کر ضحاک باہر چلا۔ اور ابراہیم اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں کمرے سے نکل کر چاندنی روشنی میں پہنچ گئے۔ تو ضحاک نے پلٹ کے ابراہیم سے دریافت کیا۔ "کیا ابو مسلم سفر میں اپنے بی بی بچوں کو ساتھ رکھتا ہے؟"

ابراہیم۔ "کیا پوچھنا؟ یہ مدعا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کبھی سفر میں ساتھ لاتا ہی نہیں۔ وہ بیوی کو گھر میں رہنے دیتا ہے۔ اور اس قدر نگرانی میں کہ وہ دم بھر کو گھر سے نکل جائے۔ تو کیا مجال ہے۔ سوا اس کے محل میں کوئی غیر شخص جانے پاتا ہے۔ محل میں ایک روشندان باہر کی طرف بنا ہے۔ اس کی راہ سے تمام ضروری چیزیں اندر بیگمات کے لئے بھیج دی جاتی ہیں۔ اور میں نے سنا ہے۔ کہ جس دن اس نے شادی کی وہیں خیمہ پر اس کی بیوی سوار ہو کر اس کے محل تک آئی تھی۔ اُسے مرد ہوا اور

اس کا تمام ساز جلوا دیا۔ تاکہ اب اس پر کوئی دوسرا شخص سوار نہ ہو سکے۔"

ضحاک۔ (قطع کلام کر کے) "تم کہتے ہو کہ اُسے اپنی بیویوں کا بڑا خیال ہے جیسے اُس نے متعدد شادیاں کی ہیں؟

ابراہیم۔ "نہیں یہ بات نہیں۔ اس نے ایک ساتھ دو بیویاں کبھی گھر میں رکھی ہی نہیں۔ وہ تو شادی کرنے سے نفرت رکھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ شادی کرنا ایک قسم کا جنون ہے۔ اس لئے انسان کو ساری عمر میں ایک دفعہ پاگل بننا کافی ہے"(۱) بھلا جس شخص کے یہ خیالات ہوں وہ عورتوں کی کیا قدر کرے گا۔ مگر میں نے جمع کے لفظ کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا تو اس سے اس کے محل کی لونڈیاں اور حرمیں مراد ہیں۔ جو امیروں کے لوازم میں داخل ہیں۔"

ضحاک نے یہ بات سنی تو جیسے اس کی عقل ٹھکانے آگئی۔ اور وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ اور ابراہیم نے معلوم کر لیا کہ ضحاک کا یہ سوال بیکار نہ تھا چنانچہ اس نے ضحاک کے سکونِ طبع کو غنیمت سمجھ کر کہنا شروع کیا۔ "اس شخص کے عجیب و غریب حالات میں میں نے ایسا آدمی دیکھنا تو درکنار سنا بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی یہی عادتیں اس کے کامیابی کی باعث ہوں۔ کیونکہ نہ وہ کبھی ہنستا ہے۔ نہ زیادہ باتیں کرتا ہے۔ اور نہ تفریح خاطر سے اُسے کوئی مس ہے۔ بس ہر وقت اپنے کام کی فکروں میں غرق رہتا اور اپنی کامیابی کی تدابیر سوچا کرتا ہے۔"

ضحاک۔ "خیر اب ہم اصل راز پر پہنچ گئے۔ لو سنو۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ آج جس وقت ابو مسلم نے میری بانو دہقان کی بیٹی کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اُس سے شادی کرنے کا خواہشمند ہے لیکن وہ لڑکی دوسرے میر کے ساتھ مانگی ہوئی ہے۔ اس لئے اگر ابو مسلم فی الواقع اس سے شادی کرنا چاہے تو میں یہ کام بخوبی انجام کو پہنچا دوں گا۔ اور ادھر سے چھڑا کر ادھر شادی کرا دوں گا میرے اور تمہارے مابین یہی راز کی بات رہی۔ (زور دیکر) آیا تم تیار ہو؟"

(۱) ابن خلکان جلد ۱۔

ابراہیم۔ (مسکراکر) توبہ توبہ۔ تم نے میری جان آدھی کر ڈالی۔ اتنی سی بات کے لئے مجھے ڈرا کر بیدم بنا دیا۔ عجب آدمی ہو۔ ہاں تمہاری یہ بات میں نہیں مان سکتا کہ وہ دہقان کی بیٹی کو دیکھکر اس پر لٹو ہو گیا ابو مسلم کبھی عورت کی شکل تک نہیں دیکھتا۔ وہ بڑا غیور شخص اور نہائت خوددار ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہو تو مہربانی کرکے صاف صاف کہ ڈالو ۔"

ضحاک۔ (ابراہیم کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اور چونکہ وہ پست قامت تھا اسلئے جھک کے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے) "تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ دہقان زادی اسپر فریفتہ ہو گئی۔ اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ مانو کہ یہی ٹھیک ہے۔ تو اب کیا کیا جائے ؟"

ابراہیم۔ (دراز قامت ضحاک کو سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے) "ابی مسلم کو راضی بنانا لازمی ہے۔ اور یہ بڑی کھیر ہے۔ خاصکر ایسے معاملہ میں کیونکہ پھر تو تم اس کا شادی سے متنفر ہونا سن چکے ہو۔"

ضحاک۔ تو یہ نہ کہو کہ تمہیں اس کی منظوری کی امید نہیں ۔"

ابراہیم۔ "نہ امید ہے۔ اور نہ ناامیدی۔ مگر معاملہ کوشش اور احتیاط سے کام لینے کا ہے۔" ضحاک کی پیٹھ پکڑ کے۔ "سنو۔ تم بنتے تو پاگل ہو لیکن ہو مجھ سے بھی بڑھ کے سیانے میرے دل میں ایک تدبیر آئی ہے۔ شائد وہ چل جائے۔ یوں تو کوئی شخص اس سپہ سالار سے شادی کی بابت گفتگو کر نہیں سکتا۔ اور پھر اس وقت اور بھی یہ مشکل امر ہے۔ تاہم میری رائے میں اگر کسی ایسے طریقہ سے کام لیا جائے۔ جو اس کی توجہ کا باعث ہو تو امید ہے۔ کہ کچھ مفید پڑے۔ مثلاً ہم اس سے کہیں کہ دہقان کی بیٹی اہل بیت کی بڑی دوستدار۔ اور ان کی محبت میں مٹی ہوئی ہے۔ وہ شیعوں کی مدد کے لئے جان و مال سے حاضر ہے۔ اور آپ کی خدمت و اعانت کے لئے تیار۔ تو اس طرح کے وعدوں سے ہم ابی مسلم کی توجہ دہقانہ کی طرف مائل کر سکیں گے۔ پھر وہ اس سے ملے۔ اور کئی مرتبہ ملے۔ یہ ملاقات

میں شعبوں کی اعانت کرنے کی رغبت ظاہر کرے۔ اگر ابو مسلم کے خیال میں اس کی بات پہنچ گئی تو ممکن ہے کہ وہ اس سے خوش ہو کر شادی کرلے۔ ورنہ یہ میری رائے ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے" یہ کہکر اپنے کندھوں کو جنبش دی۔

ضحاک ۔" رائے تو بہت پیاری دی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ طرف ثانی سے اس پر عمل کرنے کا خیال ہو تو آیا تم وسیلہ بن سکتے ہو۔ اور اسے ابی مسلم سے ملا دوگے؟ گو دہقانہ اس بات کے لئے شاید ہی تیار ہو۔ تاہم میں تمہیں پکا کرنا چاہتا ہوں"

ابراہیم ۔" جہاں تک ممکن ہے۔ تمہاری خدمت سے دریغ نہ کروں گا"

یہاں تک جس قدر گفتگو ہوئی۔ اس کے اثنا میں ضحاک نے اپنی جون بدل رکھی تھی اور وہ پاگلوں کی سی حرکتوں کو چھوڑ کر متانت پر قائم رہا تھا۔ مگر ابراہیم کا آخری جملہ سنتے ہی اس نے پھر کایا پلٹ ہو کر وہی اگلی تمسخر آمیز صورت بنالی۔ اور اپنے جبہ کا دامن اٹھا کے ابراہیم کو اس کے نیچے ڈھانپ لیا جو اپنی پست قامتی کے باعث بالکل اس کے اندر لپٹ کر چھپ گیا۔ ابراہیم اس حرکت سے گھبرا کر اور جھجک کے الگ ہٹ گیا۔ اس کا عمامہ جبہ کی رگڑ سے اتر کر زمین پر آرہا تھا جسے ہنستے ہوئے اٹھانے لگا۔ اور ضحاک نے کہا۔" واللہ! تو بڑا اچھا۔ اور منکسر المزاج شخص ہے۔ کیونکہ امیر کا خزانچی ہو کر مجھ ایسے باولے غلام کی بیجا حرکتوں کا خیال نہیں کرتا۔ پھر اس سے زیادہ نیک مزاجی اور کیا ہوگی"

ابراہیم ۔" بھائی میں تم کو باولا تو سمجھتا نہیں۔ تم بڑی گہری طبیعت کے آدمی ہو۔ اور کیا اب تم اپنی ہمیانی نہ لوگے؟ لو یہ موجود ہے"

ضحاک ۔" نہیں یہ میری ہمیانی نہیں۔ یہ تو چاند سے گری تھی۔ اور تم نے پائی۔ اسے اپنے پاس رکھو۔ اور جب اپنا وعدہ پورا کر دکھاؤ گے۔ تو ایسی ایسی بہت سی تھیلیاں تم کو اور ملیں گی۔ جن کے پانے سے تم چوری اور بد دیانتی کے ساتھ درہموں کا تبادلہ کرنا چھوڑ دوگے۔ جس کی وجہ سے میرا جیسا باولا غلام بھی تم پر فورا پاتا ہے۔ (زور دیکر) آیا سمجھ شریف میں! ۔ السلام علیکم" یہ کہکر جو تیار

ہرگز پلک نہیں جھپکا سکتا۔" اور پھر قہقہہ لگایا۔ گلنار اور ریحانہ اس بات کو سنکر خوف
سے سہم گئیں۔ اور ریحانہ کو خیال ہوا۔ کہ واقعی دہقان جاگ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو۔
اُسے ہماری حالت معلوم ہو جائے۔ لہٰذا اس نے چراغ کو اس طرح ڈھک دیا۔ کہ
اس کی روشنی دروازہ کی درزوں سے باہر جانا بند ہوگئی۔ ریحانہ کی اس کارروائی
کے بعد ہی انہیں اگلی دفعات سے بھی بلند آواز میں ہنسنے کی صدا سنائی دی۔ اور
کوئی یہ کہنے لگا۔ "میرے آقا! میں آپ سے کہتا ہی جو تھا۔ کہ جس روشنی کو آپ نے
کمروں سے نکلتے خیال کیا۔ وہ دراصل بجلی کی چمک تھی۔ دیکھئے نہ اب وہ گم ہوگئی ہیں
تو سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ اس وقت سارے محل میں میرے اور حضور کے سوا کوئی
آدمی جاگتا نہیں۔ ہاں آپ اسی طرح بیدار رہے۔ تو پھر سب لوگ نیند کو خیرباد
کہکر جاگ اٹھیں گے۔ میں حضور کی خدمت میں آپ کے آرام فرمانے تک حاضر
ہوں۔ اور پھر مجھے بھی بستر پر جانا ہے۔ تنہائی میں آپ کی دلبستگی کا سامان
نہ ملے گا۔ بلکہ آپ کی مرضی ہوگی۔ تو باقی رات بھی جاگ ہی کر بسر کر دوں گا۔"
گلنار یہ بات سنکر دل میں کانپ گئی۔ اُسے خیال گزرا۔ کہ اس کا باپ
ریحانہ سے بدگمان ہو گیا ہے۔ اور اسی واسطے وہ اُس کے کمرہ سے نکلتی ہوئی
روشنی کا سبب معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاہم گلنار کو ضحاک کی بات بنا دینے سے
خوشی ہوئی۔ اور اب اُس نے پھر انتظار دیکھنا شروع کیا۔ بڑی دیر تک کچھ صدا نہ
سنائی دی جس سے گلنار اور ریحانہ کو یقین ہو گیا۔ کہ دہقان سو گیا ہے۔ اور
اب ضحاک آتا ہی ہوگا۔ گلنار کا دل فرطِ اشتیاق سے دھڑک رہا تھا۔ کبھی
خوشخبری آنے کے تصور سے اس کا چہرہ چمک اٹھتا۔ اور گاہے مایوسی بخش اطلاع
ملنے کے خیال سے وہ افسردہ خاطر ہو جاتی۔ آہ۔ یہ موقع اس کے لئے نہایت
نازک تھا۔ اور وہ اپنے خیالات میں ایسی محو تھی۔ کہ ضحاک کے قدموں کی آہٹ
ہوا کا شور، درختوں کی کھڑکھڑاہٹ اور [illegible] کی گڑگڑاہٹ کو ذرا بھی اُسے سنائی
نہیں دیتی تھی۔

ریحانہ وگلنار سناٹے کے عالم میں بُت بنی بیٹھی تھیں۔ کہ یکایک کسی نے آہستہ آہستہ زنجیر درکھڑکائی۔ اور یہ چونک اُٹھیں۔ ریحانہ نے لپک کر دروازہ کھولدیا جس کے کھُلتے ہی ضحاک اپنی مسخر آمیز وضع کے ساتھ پا برہنہ کمرہ میں آپہنچا۔ اس وقت ضحاک کی صورت دیکھکر ہنسی کا ضبط کرسکنا محال تھا مگر اس نے گلنار کو وہاں موجود دیکھا۔ تو جلد جلد اپنی داڑھی اور عمامہ کو سدھارنے لگا۔ اور مؤدب بن کر استادہ ہوگیا۔ ضحاک اس قدر دراز قامت تھا۔ کہ وہ اس وقت بھوت معلوم ہوتا تھا۔ اور پھر اس کی ہنسی کا سلسلہ نہ ٹوٹتا۔ اور بھی لوگوں کے ہنسانے کا سبب بن رہا تھا۔ گلنار اس کی ہیئت وحرکات دیکھکر باوجود رنج وتردد کے ہنس ہی پڑی۔ اور ضحاک نے کہا "بانو! مجھے معاف فرمائیے۔ میں آپ کے یہاں موجود ہونے سے بے خبر تھا۔ یہ سب خرابی اس کمبخت کی ہے۔" اور آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنے عمامہ کی طرف اور دوسرے سے ریحانہ کی جانب اشارہ کرگیا۔ گلنار اس کے اس ظریفانہ انداز سے کہ اس نے ریحانہ کی خفگی سے بچنے کا کتنا موزون ڈھنگ نکالا ہے۔ بے اختیار ہنس پڑی۔ اور ریحانہ نے بات ٹال کر کہا "ضحاک! تو مذاق کو نہ چھوڑے گا۔ کمبخت بانو کا لحاظ کر۔ اور جو کچھ کرآیا ہے پہلے اُسے سُنا۔ بانو تیری کارگزاری سے بہت خوش ہے۔"

ضحاک۔ (آہستہ سے) "مجھے کیا؟ تو دلہن کی شہ بالی ہے۔ دولہا تیرا تو ہو نہیں سکتا۔"

ریحانہ۔ "پاگل! ارے مذاق کو جانے دے۔ اور بات ٹھکانے کی بتا۔"

گلنار نے ضحاک کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور اس نے ادب سے بیٹھکر ساری سرگزشت سنادی۔ صرف ابی مسلم کے عورتوں سے نفرت کرنے کا حال نہیں کہا کیونکہ اس کے سننے سے گلنار کو صدمہ ہوتا۔ تاہم یہ کہدیا کہ ابو مسلم اتنا پُر رعب ہے کہ اس کے مقربین خاص تک اس سے شادی کے بارہ میں کچھ تذکرہ کرتے خوف کھاتے ہیں۔ ہاں اگر بانو خود اس سے ملیں۔ اور اس کے دل میں گھر بنائیں تو ممکن ہے

کہ وہ اس کے ہمراہ شادی کرنا منظور کرے۔ خاص کر جب اس کی اصل غرض میں مدد دینے کا وعدہ کیا جائے گا۔ تو کامیابی کی قطعی توقع ہے۔ ورنہ ابی مسلم ان دنوں بجز اپنے کام کی دُھن میں لگے رہنے کے اور کچھ بھی نہیں کرتا ہے“۔

گلنار اس گفتگو کو نہایت توجہ سے سُن رہی تھی۔ مگر جیسے ہی ضحاک اپنی تقریر ختم کر چکا۔ گلنار کی طبیعت پھر پژمردہ ہو گئی۔ آہ۔ اُسے امید تھی۔ کہ ضحاک ابو مسلم کے دل کا حال دریافت کر کے آئے گا۔ اور یہ پتا لگائے گا۔ کہ آیا وہ بھی گلنار کی محبت میں سرشار ہے یا نہیں۔ گلنار کی دلی کیفیت اس کے قیافہ سے بھی عیاں تھی۔ اور ریحانہ اس بات کو محسوس کر کے اپنی بانو کی اُمید بندھانے کے خیال سے کہنے لگی۔ ”مرحبا ضحاک! واقعی تم نے وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکتا۔ اور نہ اس سے زیادہ کوئی کر سکتا ہے“۔

ضحاک۔ ”ریحانہ! اپنی تعریف کو تو رکھ چھوڑو۔ میں نے کون ایسا کام کیا ہے جس کی اتنی قدر دانی کی جائے۔ ہاں میں نے آگے کام کر سکنے کے لئے راہ بنا لی ہے۔ اور گلنار بانو کو ایک رائے دیتا ہوں۔ اگر وہ اس پر عمل کرنا پسند کریں گے۔ تو پھر میری کوشش کا تخم برگ و بار لا سکے گا“۔

گلنار۔ ”امید پاکی“ تم اپنی رائے بیان کرو“۔

ضحاک۔ ”پہلے تو آپ ابی مسلم سے ملنے کا سامان کیجئے۔ اور ایسا ہو کہ آپ کی دوبدو گفتگو ہو“۔

یہ سُننا تھا۔ کہ گلنار شرم سے عرق عرق ہو گئی۔ آہ۔ اُس کے دل میں یہ تصور بندھا کہ وہ ابی مسلم کے ساتھ خلوت میں موجود ہو گی۔ حالانکہ اب تک اس نے کبھی غیر مردوں سے بات نہیں کی ہے۔ باپ یا محل کے ملازموں کی بات ہی اور تھی۔ پھر یہ دھیان آیا کہ یہ کارروائی اس کی شان کے خلاف ہے۔ اور طرہ برین اس کا باپ بھی اس خفیہ ملاقات کا خیال سُن کر سخت ناخوش ہو گا۔ غرضیکہ خودداری کا خیال اس پر غالب آیا۔ اور پاس آبرو کو ہاتھ سے دینا گوارا نہ ہوا چنانچہ

اُس نے نفی میں اپنا سر ہلایا گویا زبان حال سے کہا۔ "نہیں مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا"
ضحاک نے دوبارہ اس امر کا خیال دلانے سے اقرار کرتے ہوئے کہا "اگرچہ محبت انسان کو خلاف وضع کام کرنے پر بھی آمادہ بنا دیتی ہے۔ لیکن بانو کی نسبت میں اس طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔ ابو مسلم کون ایسا عرش کا تارا ہے۔ جس کے واسطے بانو اپنی بات پر تیار ہو"
ریحانہ ۔ (اس خوف سے بات کاٹ کر کہ ضحاک کہیں ابی مسلم کے نسبت کا حال نہ کہدے) "خیر۔ اب یہ بات تو آئی ہوئی ہے۔ کچھ اور تدبیر سوچو"
ضحاک ۔ (باہر کان لگا۔ جہاں اس وقت رِم جھم بارش ہو رہی تھی۔ اور بادل گرج کر قلب دہلائے دیتا تھا) "اے لیجیے بارانِ رحمت کیسی خوب وقت سے نازل ہوا۔ راستوں کا طے کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور مہانوں کو خواہ مخواہ دو تین دن یہیں رہنا پڑے گا۔ اس عرصہ میں یہ کارروائی ہو سکتی ہے۔ کہ بانو ابو مسلم کو کوئی ہدیہ بھیجکر اس سے شناسائی پیدا کریں"
گلنار ۔ (اس رائے کو پسند کر کے) "ہاں تحفہ کی نوعیت کیا ہو۔ اور کس تقریب سے اُسے پیش کیا جائے؟ خوب سوچکر جواب دینا"
ضحاک ۔ "خوب سوچ لیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ان دنوں ابی مسلم کی تمام تر توجہ عباسی امام کی دعوت منتشر کرنے۔ اور اس کی حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں منحصر ہے۔ لہٰذا اسی سلسلہ میں بطور اعانت کوئی تحفہ پیش کر کے اس پر ظاہر کیا جائے کہ مجھکو شیعوں سے ولی الفت اور اہل بیت کے ساتھ بیحد محبت ہے"
گلنار ۔ "تحفہ کیا ہو؟ روپیہ؟"
ضحاک ۔ "روپیہ یا کوئی اور چیز بھی پھر ہم دیکھیں گے۔ اس کا کیا ذکر ہے۔ اللہ آگے جیسا راستہ ملے گا۔ اس پر چلیں گے"
گلنار یہ سنکر ریحانہ سے مشورہ کرنے کے لئے ادھر ملتفت ہوئی۔ اور ضحاک اس کا رخ دیکھ کر سمجھ گیا کہ بانو تخلیہ چاہتی ہے۔ لہٰذا وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا "اب رات

لگا تار ہی تاکہ شاید دو مقصود کے ہاتھ آنے کی کوئی تدبیر ذہن میں آجائے۔ اسے صاف نظر آتا تھا کہ جس سخت منزل کو وہ طے کرنا چاہتا ہے۔ اس میں دوری راہ کے سوا صدہا آفتوں۔ اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ابو مسلم بڑا بیدار مغز حریف تھا۔ اور آئندہ نتائج کی نسبت بدگمانی رکھنے والا شخص تھا۔ اس کا دل حوادث ایام کی افتاد سے کبھی غافل اور بے خطر نہیں ہوتا تھا۔ ممکنات کو فرض کرنے۔ اور ناکامیابی سے بچنے کے طریقوں پر غور کرتے رہنے سے دل اکتا گیا۔ تو بستر سے اٹھا۔ اور کمرہ کی چھوٹی کھڑکی کھول کر باہر نظر دوڑائی۔ اس وقت بارش بند ہو چکی تھی۔ اور صبح کا سفید ڈورا افق مشرق سے نمایاں ہو رہا تھا۔ تمام خام اور ناہموار راستے اور تمام تالاب حد نظر تک پانی اور کیچڑ سے بھرے دکھائی دیتے تھے۔ اس نظارہ نے ابو مسلم کے دل پر سخت تردد کا بوجھ ڈال دیا۔ وہ خیال کرنے لگا۔ کہ دو تین دن فضول دیر لگے گی۔ اور راستوں کے قابل گزر ہونے تک یوں ہی بیکار پڑا رہنا پڑے گا۔ اس کے دل میں آئی کہ چل کر خالد کو جگائے اور اس سے اپنی پریشانی بیان کرے۔ وہ چلا۔ اور ہنوز خالد کے کمرہ میں گیا بھی نہ تھا۔ کہ خالد خود ہی گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا۔ اس کے اندر سے نکلا۔ وہ ابو مسلم ہی سے ملنے آرہا تھا۔ ابو مسلم اس کی صورت دیکھتے ہی بولا۔ "خالد!" "ارشاد جناب!" خالد نے ادب سے کہا۔

ابو مسلم۔ "کل ہم نے جس مخبر کو روانہ کیا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں وہ سب باتوں کا پتا لگا سکے گا؟"

خالد۔ "وہ بڑا باہمت شخص ہے۔ غالباً اس نے تمام باتیں معلوم کر لی ہوں گی اور اس کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو یہ پانی برس جانے کی وجہ سے کیونکہ ایسی حالت میں راستہ طے کرنا دشوار ہوتا ہے۔"

ابو مسلم۔ "میں اس کے انتظار میں پریشان ہوں۔ مرو کے دشمنوں کا حال معلوم ہو جاتا تو پھر ہم اس سے بچنے کی کچھ تدبیر کرتے۔"

خالد۔ "اسی فکر نے رات بھر مجھے بھی پلک نہیں جھپکنے دی۔ تاہم جاسوس

کی بابت مجھکو اعتماد ہے۔ وہ آپ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور نصر بن
سیار سے تو اس کو دلی عداوت ہے۔

ابومسلم: "خیر ہمارے کیمپ میں نصر کا تو ایک بھی دوست نہ نکلے گا لیکن
مجھے جس بات کا اندیشہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کرمانی بڑا چلتا پرزہ اور دانا شخص ہے
مبادا وہ ہماری جماعت کو توڑ دے۔ میں نے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ وہ شہر مرو پر
قابض ہو گیا۔ اور نصر کو وہاں سے نکال چکا ہے۔"

ان میں یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ کمرہ کے اندر چند غلام آگ کی دہکتی ہوئی
انگیٹھی لئے آ پہنچے۔ اور اُسے ایک گوشہ میں رکھ کر اس پر کچھ خوشبو وغیرہ والی
چیزیں ڈال دیں۔ بخور سے تمام کمرہ مہک اٹھا۔ اور کچھ دیر میں آگ کی وجہ سے
ایک طرح کی گرمی بھی محسوس ہوئی۔ ابومسلم کو گرمی اور بخور سے مسرت حاصل
ہوئی۔ وہ ایک صاف ستھری مسند پر بیٹھ گیا۔ سیاہ ریشمی کپڑے کی روئی دار دُلائی
اوڑھ لی۔ اور جبہ تبدیل کر لیا۔ بڑے قرینہ سے عمامہ سر پر لپیٹ لیا۔ پھر خالد کو اپنے پاس
بیٹھ جانے کو کہا۔ اسے یاد آ گیا۔ کہ اب تک نماز فجر نہیں پڑھی
گئی ہے۔ ابومسلم نے اٹھ کر نماز صبح پڑھی۔ اور اس سے فارغ ہو کر جاسوس
کے اب تک نہ آنے کی بابت پھر غور کرنے لگے۔ انہوں نے جاسوس کو اسی گاؤں
کو بھیج دیا تھا۔ اب آفتاب طلوع ہو چلا۔ اور خادم ناشتہ کا کھانا اور چائے
لیکر حاضر ہوئے۔ ابومسلم اور خالد نے کھانے سے فراغت کی۔ ہاتھ دھوئے اور
بیٹھ گئے۔ ابومسلم کی عادت خاموشی ان میں بہت کم باتیں ہونے کا موقع دیتی
تھی۔ ہاں جب انتظار کی بیتابی سے دل گھبرا اٹھتا تو دو ایک باتیں کر کے دل کا
بوجھ ہلکا کر لیتے۔ اسی طرح دوپہر کا وقت قریب آ گیا۔ اور جاسوس اب تک واپس
نہیں آیا۔ ابومسلم کا تردد بڑھتا جاتا تھا۔ کہ یکایک اس کا ایک خادم کمرہ میں آیا
اور اس نے کچھ عرض کرنے کا اشارہ کیا۔ ابومسلم نے پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟"
خادم: "ایک شخص آیا ہے ملنا چاہتا ہے۔"

پذیری کے سوا کوئی اور خیال دل میں لیکر آسکے "آپ کی جنبش لب بجام موت اور آپ کی نگاہ غضب قضائے مبرم ہے۔ براہ کرم اور خدا کے لئے شگفتہ رو ہو جئے ورنہ میں تو خوف ہی سے مرجاؤں گا۔" اور یہ کہکر تھرانے لگا۔ ضحاک کی یہ حرکت بناوٹ پر مبنی رہی ہو۔ یا واقعی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو مسلم تھا ہی اسا رعب دار کہ کسی شخص کو اُس کے روبرو تاب سخن نہیں ہوتی تھی۔ بہرحال ابو مسلم نے بتکلف اپنا چہرہ بشاش بنا لیا۔ گو ہنوز غصہ فرو ہو جانے کی یا مطمئن ہونے کی کوئی علامت اس کے قیافہ سے عیاں نہیں ہوئی تھی۔ ابو مسلم نے تلوار کو لیکر ہاتھ سے اُسے الٹ پلٹ کے اچھی طرح دیکھا۔ اور ضحاک جو اب تک کھڑا تھا۔ اس سے کہا "بیٹھ جا۔" ضحاک ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ لیکن اس کی نظر داہنے بائیں گردش کر رہی تھی۔ اور ابو مسلم نے سوال کیا۔ "تو کون ہے؟ مجھے تو عربی معلوم ہوتا ہے؟"

ضحاک :- (دوبارہ کانپ کر) "تو کیا امام کی وصیت سے مجھکو حصہ ملیگا؟"

اگرچہ ابو مسلم کا ہنسنا ایک شاذ و نادر امر تھا لیکن ضحاک کی حرکتوں اور اس کی ہیئت دیکھکر وہ بھی ہنسی کو روک نہیں سکا۔ اور اُس نے کہا "امام کی ہدایت ہر ایک عربی پر جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ امام خود عربی ہیں۔ اس لئے تم مطمئن رہو۔ اور اپنی غرض بیان کرو۔"

ضحاک :- (دروازہ کی جانب خوف سے نظر دوڑا کر) "میں حضور سے التجا کرتا ہوں کہ جو باتیں اس وقت کہوں وہ میرے اور آپ کے سوا کسی پر ظاہر نہ ہوں۔ میں آپ سے ایک نادر کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ مگر اُس کا پرده فاش ہوگا۔ تو میرے لئے خرابی ہے۔"

ابو مسلم :- "تم بے فکر ہو ہم تمہاری راز داری کریں گے۔"

ضحاک :- "تو سنئے! میری بانو گلنار۔ کیا آپ اسے جانتے ہیں؟"

ابو مسلم :- (ذرا خاموش رہکر) "ہاں اس مکان کے مالک دہقان کی لڑکی تو نہیں؟"

ضحاک :- "وہی - وہی میرا خیال ہے، کہ آپ اسے پہچانتے ہیں گزشتہ رات جس وقت آپ اس کے باپ سے ملے ہیں۔ تو وہ بھی وہاں موجود تھی۔ آپ کی ہمیت اور وطن دوستی پر اس کا دل لوٹ ہو گیا۔ اور جس کام کا آپ نے ارادہ کیا ہے۔ وہ اس کی بہت مداح ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ اُس کے باپ نے آپ کی مالی اعانت کی ہے۔ تو اُس نے خود بھی اپنی گرہ سے کچھ رقم نذر کرنی چاہی۔ اور اس خریطہ میں اس کا نذرانہ موجود ہے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو یہاں تک کہ اس کے باپ کو بھی۔ اور وہ اس کارروائی سے صرف امیر ابی مسلم کی رضامندی چاہتی ہے۔ پھر یہ مرصع تلوار بھی اس نے یادگار تحفہ کے طور پر پیش کی ہے۔ یہ تلوار بڑی پرانی اور نہایت مبارک ہے۔ اور اس کو اپنے پاس رکھنے والا دشمن پر ضرور فتحیاب ہوتا ہے۔"

ابو مسلم نے دوبارہ تلوار کو دیکھا۔ اور اُسے اٹھا کر غلاف سے نکال لیا۔ تلوار کا پھل بہت صاف و مجلا تھا۔ اور اس کے جوہر نہایت خوشنما تھے۔ تلوار کی آب و تاب دیکھکر ابو مسلم نے کہا "یہ تو زہر میں بجھی معلوم ہوتی ہے؟"

ضحاک :- "ہاں ایسی ہی ہوگی۔ بانو بھی مجھ سے کہتی تھی۔ کہ اس کا زخم جسکے لگ جاتا ہے۔ وہ کتنا ہی اوچھا زخم کیوں نہ آئے فوراً مر جاتا ہے۔"

ابو مسلم :- "تو پھر یہ بڑا قیمتی تحفہ ہے آگے کہو؟"

ضحاک :- "اب ایک بات مجھے اور کہنی ہے جس کو میں اپنی بانو سے بھی مخفی رکھنا پسند کرتا ہوں۔ امیر مجھ سے اس بات کا وعدہ کریں تو عرض کروں ورنہ چاہیے آپ مجھکو اسی تلوار سے ابھی قتل کر ڈالیئے۔ اور میری زندگی کا خاتمہ کر دیجئے تو بھی میں کچھ پرواہ نہ کروں گا۔"

ابو مسلم :- (ضحاک کی گفتگو اور اُس کے مطلب ادا کرنے کے طریقہ سے متحیر۔ اور اس کی خوش طبعی سے مسرور ہو کر) "کہو جو دل میں آئے کہو۔ تمہارے لئے کسی قسم کا خوف نہیں۔"

ضحاک۔ "تو کیا آپ وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ میری گستاخی سے ناراض نہ ہوں گے؟"

ابومسلم۔ "کہہ تو دیا کہ مت ڈرو۔"

ضحاک۔ "میری بات بے مثل روزگار حسینہ ہے۔ خراسان کا کوئی امیر اور دہقان ایسا نہیں۔ جو اس کی ایک نظرِ لطف کا آرزومند نہ رہتا ہو۔ مگر وہ کسی کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ کرمانی امیرِ عرب جس کی فوج شہرِ مرو کا محاصرہ کئے ہے اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ شادی کرنے کا پیام بھیجا۔ اور دہقان راضی بھی ہو گیا۔ لیکن بانو کا دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ باپ کی اطاعت کر کے وہ کرمانی کے گھر چلی جائے گی۔ لیکن اس کا جسم وہاں جائے گا۔ اور دل کہیں اور۔ کیونکہ اس کا دل ایسے شخص پر آیا ہے۔ جو کرمانی کے فرزند۔ اور خراسان کے تمام معززین سے بھی کہیں زیادہ باوقعت ہے۔ کیا حضور مجھے اجازت دیتے ہیں۔ کہ میں اس شخص کا نام بھی لے لوں؟"

ابومسلم سمجھ گیا۔ کہ ضحاک گلنار کے اس پر فریفتہ ہونے کا ذکر کر رہا ہے اور وہ خود بھی اس معاملہ سے بیخبر نہ تھا۔ لیکن اُس نے کہا "ہاں اُس کا نام لیلے مگر اس شرط سے کہ وہ اسی کمرہ میں ہو۔"

ضحاک۔ "تو گویا آپ مجھکو منع فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو اسی کمرہ میں ہے۔ لیکن میں نہیں ہوں۔" یہ کہکر ہنسنے لگا۔ اور ابومسلم بھی بے اختیار ہنسکر بولا "ظالم تیرے اندازِ بیان نے مجھے بیحد خوش بنایا ہے۔ تو بڑا خوش طبع ہے۔"

ضحاک۔ "جنابِ عالی! آپ کی خوشی سے مجھے کیا ملا۔ میں تو آپ کا نام لیتے بھی ڈرتا ہوں؟"

ابومسلم۔ "میں تو تجھ سے کہہ چکا ہوں۔ کہ بیخطر رہ۔ مجھے تیری گستاخیوں پر غصہ نہیں آسکتا۔ کیونکہ بظاہر حال تو میرے حالات سے بہت کم واقف ہے۔"

ضحاک۔ "جنابِ والا! آپ کا جو خیال ہے۔ وہ بجا ہے۔ لیکن میں بہت زیادہ

آپ کے مزاج اور حالات کا واقف کار ہوں۔ اور اسی وجہ سے میں اپنے اس پیام کا یہ مدعا نہیں قرار دیتا۔ کہ آپ پر ایسا بار ڈالوں جس کا برداشت کرنا ناگوارِ خاطر ہو۔ مگر چونکہ میں پیام بھیجنے والی سے یہ وعدہ کر چکا ہوں۔ کہ امیر ابو مسلم کو اس کی طرف ملتفت بنا دوں گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ اس سے صرف التفات کا اظہار کریں۔ گو اوپری ہی دل سے سہی۔ پھر میں امام کے علم بردار سے یہ بھی عرض کرتا ہوں۔ کہ اس کی ایک نظرِ توجہ دلدادہ نوجوان لڑکی کو اس کے ہاتھ میں ایک بیجان آلہ کی طرح دیدے گی۔ اور وہ اس سے بڑے بڑے کام لے سکے گا۔ خواہ اس عورت کا مقام کرمانی کا کمپ بنے یا امیر نصر بن سیار کا ایوان کیونکہ ان مقامات میں بہکر وہ اور بھی خوبی سے آپ کی خدمت کر سکے گی۔ اگرچہ آپ سے ابو مسلم سے جس امر کی توقع ہے۔ وہ ایک سودائے خام اور تصور ناتمام ہے۔ اب آگے امیر خود زیرک و دانا ہیں میں کیا عرض کروں۔"

ابو مسلم نے یہ گفتگو سنکر سر جھکا لیا۔ وہ دل میں ضحاک کی باتوں کو ہر پہلو سے جانچتا رہا۔ اور جب خوب غور کر چکا۔ تو اسے معلوم ہو گیا۔ کہ اس شخص کی بات خیر خواہی اور معاملہ فہمی سے خالی نہیں۔ مگر اس نے اس بارہ میں ضحاک سے زیادہ گفتگو کرنا پسند نہ کیا۔ اور تلوار کو مسند کے پیچھے رکھکر دروازہ کی جانب دیکھنے لگا۔ ضحاک سمجھ گیا۔ کہ وہ اسے رخصت کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس نے استادہ ہو کر کہا "جناب پنی خزانچی کو حکم دیں کہ وہ ان توڑوں کو لیکر جمع کر لے" اور خریطہ کی طرف جو آتشدان کے نزدیک رکھا تھا۔

ابو مسلم نے دستک دی۔ اور حاجب (دربان) حاضر ہوا۔ اس کو حکم دیا کہ خزانچی کو بلا لائے۔ دربان چند منٹوں میں ابراہیم کو ساتھ لیکر آگیا۔ اور ابراہیم نے ضحاک کو ابو مسلم کے پاس موجود دیکھا۔ تو اس کا خون خشک ہونے لگا۔ لیکن اسی حالت میں ابو مسلم کا یہ حکم امیر کے دشمن ہو دیجئے۔ اس شخص سے جو رقم ملی ہے سینے ہاں را ... رو ... پائچہ میں [illegible] جمع کر لے۔"

ابراہیم ضحاک کی طرف ملتفت ہوا جس نے خریطہ کھول کر اس کے اندر سے دس
بھر توڑے نکالے۔ اور ابراہیم سے کہا "یہ دس توڑے ہیں۔ اور ہر ایک توڑہ میں ایک ہزار
دینار یوسفی ہیں" یوسفی کا لفظ زور دیکر اور بڑھا کر ادا کیا۔

ابراہیم ضحاک کا مدعا سمجھ گیا۔ اور اس کو مذاق کرتے خیال کر کے توڑوں کو اٹھا لیا۔
اور دریافت کیا "یہ کس کی جانب سے ہیں؟"

ابومسلم (ضحاک سے) "کہدے کہ میری جانب سے بس"

یہ سنتے ہی ابراہیم توڑے اٹھا کر چلتا بنا۔ اور وہ اپنے دل میں ضحاک کے پھندے
سے صاف نکل آنے کا یقین مشکل کر سکا۔ اور ابراہیم کے جانے کے بعد ضحاک بھی ابومسلم
سے دست بوس ہو کر واپس گیا۔

ساتواں باب

تدبیر کار

خوف کیا کثرت دشمن کا کہ تدبیر و ہنر
ایک ہتھیار ہی سو تیغ و سپر پر فائق

ضحاک چلا گیا۔ تو کچھ عرصہ تک ابومسلم اس کی باتوں کو سوچتا رہا۔ اُسے معلوم ہو گیا
تھا کہ یہ شخص پاگل دیوانہ نہیں۔ بلکہ اس کی یہ حالت مصنوعی ہے اور درحقیقت یہ
کوئی بہت بڑی رازداری کا اور اہم کام انجام دینے کے درپے ہے۔ پھر اُسے گلنار
اور اُس کے اپنے اوپر معشوق ہونے کا خیال آیا۔ ابومسلم پہلے بھی اس کے میلانِ خاطر
کو تاڑ چکا تھا مگر اس نے حسب عادت اس پر کچھ التفات نہیں کیا تھا۔ تاہم اس
وقت ضحاک کا سمجھانا کہ وہ گلنار کے عشق کو غنیمت سمجھ کر اس سے اپنے دشوار کام
میں مدد لے۔ ابومسلم کے دل میں اثر کر گیا تھا۔ اور وہ انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا۔

کہ یکایک کوئی غلام آگ پر بچوڑ ڈالنے کے لئے کمرہ میں آیا۔ اور ابو مسلم کو خالد کا دھیان آگیا چنانچہ اس نے غلام سے دریافت کیا۔ امیر خالد کہاں ہیں؟"

جناب! وہ باغیں ایک آدمی سے کچھ باتیں کرتے ہیں جو ابھی باہر آیا ہے۔"

ابو مسلم "دونوں کو جلد بلائے۔" اُسے یقین ہو گیا تھا کہ جاسوس آگیا ہے۔ جس کے انتظار میں ہم کل سے بےچین تھے۔

بہت ہی کم وقفہ میں جس کو دو منٹ سے زائد نہ کہنا چاہئے۔ امیر خالد اور اس کے ساتھ ہی قاصد کمرہ میں آ گئے۔ قاصد ہنوز لباس سفری میں ملبوس تھا۔ بارش کی وجہ سے راہ میں اس کے کپڑے بھیگ کر خراب ہو رہے تھے۔ اور جابجا عبا کے دامنوں پر کیچڑ کی چھینٹیں پڑی تھیں۔ اس نے ابو مسلم کا سامنا ہوتے ہی ادب کے ساتھ سلام کیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔ ابو مسلم نے کہا "معلوم ہوتا ہے۔ تم دیر سے یہاں آگئے تھے؟"

"جی ہاں کوئی ایک گھنٹہ ہوا ہے۔" قاصد نے کہا۔

ابو مسلم "پھر اتنی دیر تک کیوں ٹھہرے رہے؟ اور فوراً کیوں نہ ہمارے پاس آئے؟"

"انتظار اجازت کر رہا تھا۔"

ابو مسلم (خالد کی طرف دیکھکر) "مخبر کو اجازت لینے کی ضرورت کیا ہے۔ یہ تو جس وقت چاہے آسکتا ہے؟" خالد نے اس خیال کی تائید کی اور فوراً دربان کو باہر جانے کا اشارہ ہوا جس کے بعد کمرہ کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ اور ابو مسلم نے مخبر سے سوال کیا "کہو مرو کی کیا خبر لائے ہو؟"

"میں نے اسے سخت محاصرہ کی حالت میں چھوڑا ہے۔ دشمن چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کئے ہیں۔"

ابو مسلم "ہاں۔ ہاں۔ کرمانی اس کا محاصرہ کئے ہے؟"

جاسوس "ایک کرمانی ہی نہیں شیبان خارجی بھی نصر بن سیّار کے مقابلہ پر تلا ہے۔ اور کرمانی کا دست و بازو بنا ہے۔ مگر یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے

صاف نہیں۔ خود غرضی سروں پر سوار ہے۔ اور سارا کھیل بگاڑتی جاتی ہے۔"

خالد۔ (حیرت سے) "ایں! یہ کیا؟ میں نے تو سنا تھا۔ کہ کرمانی شہر پر قابض ہو گیا۔ اور اس نے نصر کو وہاں سے نکال دیا۔"

جاسوس۔ "آپ سچ فرماتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ تھا۔ مگر وہ زیادہ عرصہ تک شہر میں نہیں رہ سکا۔ لیکن آپ ان باتوں کو یوں نہ سمجھ سکیں گے۔ میں کسی قدر تفصیلی حالات عرض کرتا ہوں۔"

ابومسلم۔ "کہو۔ مگر بدنما اختصار سے کام نہ لینا۔ بلکہ اچھی طرح مفصل بات کہنا۔"

جاسوس۔ "جناب والا۔ آپ اس امر سے ناواقف نہیں۔ کہ کئی سال سے بنی اُمیہ کی حکومت سخت کمزور ہو رہی ہے۔ صرف خلافت کی دھاک اور دین کی عزت اُن کی سلطنت کو کسی قدر تھامے ہوئے ہے۔ ورنہ اب ان میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ مروان بن محمد کے خلیفہ ہوتے ہی اُس کے گھرانے میں نا اتفاقیوں کا زور اتنا بڑھا کہ بہت سے لوگوں نے اس کی بیعت توڑ دی۔ اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اس بات کو دیکھ کر اوروں کو بھی خلیفہ سے منحرف ہونے کی جرأت ہوئی۔ اور گروہ بندیوں کی آفت جو کچھ دنوں سے بند ہو گئی تھی۔ پھر نمایاں ہو چلی۔ یکایک چاروں طرف سے باغیوں نے اٹھ کے خلافت کے بوسیدہ ایوان پر دست درازی شروع کر کے اس کی بنیادیں متزلزل کر ڈالیں۔ اور خارجی یا دیگر جماعتوں کے لوگ جن کو اپنے لئے حکومت حاصل کرنے کی طمع دامنگیر تھی سب اپنی اپنی جگہ جنبش میں آ گئے۔ انہیں میں ایک باغی یہ کرمانی بھی ہے۔ جناب والا! اس کرمانی اور نصر بن سیار حاکم مرو کا قصہ قابل ذکر ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں؟"

ابومسلم۔ "ضرور۔ کیونکہ تفصیلی حالات کا علم ہی تو ہم کو اپنی کارروائی کا راستہ سمجھا سکتا ہے۔"

جاسوس۔ "اب سے دس سال قبل جس وقت اسد بن عبداللہ حاکم خراسان فوت ہوا تھا۔ تو اس وقت ہشام بن عبدالملک خلیفہ نے اپنے مشیروں سے رائے

لی تھی۔ کہ اب کسے اس ملک کا گورنر متعین کرے۔ کچھ لوگوں نے ہشام کو رائے دی
کہ کرمانی بڑا دانا اور مدبر ہے۔ اُسے حکومت خراسان پر متعین کرنا مناسب ہوگا۔ مگر
ہشام کو اس مشورہ سے موافقت کرنا خوش نہ آیا۔ اور اس نے دریافت کیا۔ "کرمانی
کا اصلی نام کیا ہے؟" مشیر نے کہا۔ "جدیع بن علی" ہشام نے جواب دیا۔ "نہیں میں
اُسے نہیں چاہتا"۔ کیونکہ ہشام اُس کے نام ہی سے بدشگونی کے آثار عیاں پاتا تھا۔
پھر مشیروں نے یکے بعد دیگرے کئی نامور امیروں کے نام پیش کئے۔ اور آخر نصر بن
سیار موجودہ حاکم خراسان اس خدمت کے لئے چنا گیا۔ کرمانی کے دل میں یہیں سے
نصر کی عداوت کا بیج بویا گیا۔ اور جب خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے فوت ہونے
پر مسند خلافت کے حصول میں خاندان مروان کے لوگ باہم جھگڑ پڑے۔ اور ہر ایک
صاحب طاقت اپنے لئے حصول سلطنت کی سعی میں منہمک ہوا تو کرمانی اس موقع
سے فائدہ اٹھا کر نصر بن سیار کی مخالفت میں سرگرم بنا۔ حضور اس بات سے
ناواقف نہ ہوں گے۔ کہ سلطنت اور حکومت کے طلبگاروں کو سب سے پہلے طرفداروں کی
زبردست جماعت بہم کرنی لازم ہوتی ہے۔ اس لئے کرمانی جس کا ظاہری نام بتاتا
ہوں۔ کہ وہ ملک فارس کے شہروں کرمان کا باشندہ ہے۔ مگر درحقیقت وہ کرمان میں
پیدا ہونے کے باعث اس لقب سے ملقب اور عربی الاصل یمن کے قبیلہ آزد کا شخص تھا۔
اپنے ملکی بھائیوں یعنی یمن کے عربوں سے طلبگار اعانت ہوا۔ اہل یمن اُس کے پشت
و پناہ بن گئے۔ اور نصر بن سیار کے مقابلہ میں آنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ نصر بن سیار
اور اُس کے تمام جنبہ دار خاندان مضر کے عربی لوگ تھے جو ملک حجاز میں سکونت رکھتے ہیں
اور یمنی اور مضری عربوں کی چشمک قدیم زمانہ سے اب تک زوروں پر چلی آتی ہے۔ اور
افسوس ہے۔ کہ یہی نااتفاقی۔ اور خود پسندی عنقریب عام طور پر اہل عرب کی شوکت
و قوت کو میٹ کر رہے گی۔ خاص ملک خراسان کے عرب باشندے بھی کچھ یمنی اور
بعض مضری نسل سے ہونے کی وجہ سے باہم نااتفاقی رکھتے تھے۔ اور اُن کی گروہ بندیاں
زوروں پر تھیں۔ اسی اثنا میں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک۔۔ فوت ہوا جس کا حال

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ اور مذکورہ بالا دونوں گروہوں میں سے ایک کسی مروانی شاہزادہ کے لئے مروان بن محمد کے علاوہ خلافت حاصل کرنے کو اٹھا۔ تو خراسان کے یمنی اور مضری عربوں میں بھی اس کارروائی کا اثر پہنچا۔ اور وہ بھی اوپر بیان کئے ہوئے سبب سے باہم اختلاف رکھنے لگے۔ نصر بن سیار نے ان کے آپس میں موافقت کرانے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کی کوئی تدبیر نہ چلی تو آخرکار اس نے مجبور ہو کر ان کے وظائف بند کر دیئے۔ کچھ دنوں بعد جبکہ ایک دن نصر بن سیار مسجد میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے اٹھکر اس سے اپنے وظائف کا مطالبہ کیا۔ اور نصر نے انہیں ڈانٹ کر کہا خبردار! جو تم نے سرکشی کی۔ دیکھو اطاعت اور اتفاق کو ہاتھ سے نہ دو ورنہ برباد ہوگے نصر کی یہ بات لوگوں میں برانگیختگی پیدا ہونے کی باعث ہوئی۔ اور شورش کے آثار نمایاں ہو چلے۔ اس پر نصر کو اور غصہ آیا۔ اور اس نے اہل عرب کو جمع کر کے ان کے سامنے ایسی پُر مغز تقریر کی جو سب لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گئی۔ اور آج تک وہ اس کے الفاظ یاد کر کے انہیں دُہرایا کرتے ہیں۔ نصر نے کہا ”میں تم کو ہرگز وظائف نہیں دے سکتا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے سیلِ بلا کی زد میں کھڑے ہو جو تم کو بربادی کے گڑھے میں جا ڈالے گی۔ اور تمہاری طبیعتیں فتنہ و شرارت کے جوش سے بھری ہیں۔ تم بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو کر گلی کوچوں میں پڑے نظر آؤگے۔ تمہاری عجیب حالت ہے جہاں کسی حاکم کو حکومت کرتے زیادہ دن گزرے۔ اور تم نے انقلاب کے لیے شور و شر مچایا۔ خراسان والو! یاد رکھو کہ تم جب تک متفق ہو اسی وقت تک دشمنوں کے گلے میں خاردار طوق بنے ہو۔ خبردار جو تم میں اختلاف ہوا۔ دو شخصوں کی مخالفت بھی تمہارے حق میں زہر ہوگی۔ نہ کر دو حاکموں کی۔ تم فساد کا تخم بوتے ہو۔ خدا جانتا ہے کہ میں تم سے سخت عاجز ہوں۔ بجز زندگی کے دن پورے کرنے کے چارہ نہیں۔ ورنہ تمہاری حالت کبھی قابلِ اطمینان نہیں دیکھی گئی۔ خدا سے ڈرو! ہوش کی دوا کرو! اور اپنی قوت نہ توڑو! ورنہ تم جانو اور تمہارا کام۔

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو ۔۔۔ اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو

کرمانی کو بھی یہ خبر ملی جس کو نصر نے پہلے کسی عہدہ سے معزول کر دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ والوں سے مشورہ کر کے نصر کی مخالفت پر تُل بیٹھا۔ اور شہر مرو کے یمنی عربوں سے اپنے ساتھ مل جانے کی تحریک کرنے لگا۔ نصر بن سیّار کے ایک مقرب خاص نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ مضری قبائل کے عرب نصر پر ہمیشہ زور ڈالتے تھے۔ کہ وہ کرمانی کو گرفتار کر لے یا قتل کر ڈالے۔ مگر نصر اسباب کو مانتا نہ تھا۔ بارہا کہتے سنتے سہا اس نے یہی جواب دیا۔ کہ میں اس سے ناطہ داری کروں گا۔ اپنی لڑکیاں اس کے بیٹوں سے اور اس کی بیٹیاں اپنے لڑکوں سے بیاہ لوں گا۔ پھر بھی اس کے ہم قوم اصرار کرتے رہے تو اس نے کہا۔ اچھا میں کرمانی کو ایک لاکھ درہم دوں گا۔ اور چونکہ وہ سخت کنجوس ہے۔ اپنے ساتھیوں کو اس میں سے کچھ نہ دیگا۔ لہٰذا وہ اُسے چھوڑ کر الگ ہو جائینگے۔ نصر کے ہم قوموں نے اسباب کو بھی پسند نہیں کیا۔ اور کہا "اس طرح وہ اور صاحب قوت ہو جائے گا۔ غرضیکہ بہت کچھ بحث و مباحثہ کے بعد آخر میں لوگوں نے نصر سے کہا۔ "سنئے صاحب! کرمانی وہ شخص ہے۔ کہ اگر حصول حکومت کے لئے عیسائی یا یہودی بننے کو کہا جائے۔ تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے گا۔" پھر تو نصر نے اپنے ساتھیوں کے اصرار سے تنگ آ کر کرمانی کو بلوا بھیجا۔ قبیلہ ازد کے لوگ اُسے نصر کے پاس جانے سے روکنے لگے۔ مگر کرمانی چلا آیا۔ اور اُسے کسی طرح کا خوف و خطرہ نہ تھا۔ کرمانی نصر کے دربار میں آ گیا۔ تو نصر نے اس سے سوال کیا "کیوں کرمانی! یوسف بن عمر کا خط تمہارے قتل کر دینے کے بارہ میں آیا تو میں نے یہ کہہ کر کہ صاحب! کیا کرتے ہو وہ خراسان کا معزز فرد اور یکتا شہسوار ہے" تمہاری جان نہیں بچائی؟"

کرمانی: "بیشک آپ سچ کہتے ہیں۔"

نصر: "اور کیا میں نے تمہارے ذمہ کا ندجرمانہ اور تاوان کی رقم خود ادا کر کے پھر اسے لوگوں کے وظائف میں سے منہا نہیں لیا؟"

کرمانی: "یہ بھی بجا ہے۔"

نصر: "پھر میں نے تیرے فرزند علی کو تیری قوم کی ناراضی سے نہیں بچایا؟"

کرمانی: اس میں بھی آپ حق بجانب ہیں۔"

نصر: "پھر کیا وجہ ہے کہ تم میرے ان سلوکوں کے معاوضہ میں فساد برپا کرنا اور میری حکومت کو برباد کرنا چاہتے ہو؟"

کرمانی: "امیر نے جتنی باتیں فرمائیں سب بجا اور درست ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اس سے بھی بڑھکر میرے ساتھ سلوک کئے ہیں۔ اور میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اور اسد بن عبداللہ کے زمانہ میں جو کام میں نے کئے ہیں، وہ بھی آپکو ذہن سے اترے نہ ہوں گے۔ امیر! آپ خود غور فرمائیں۔ اور میری نسبت ایسا خیال دل میں نہ لائیں، میں ہرگز مفسد نہیں بننا چاہتا۔

اس گفتگو کے بعد نصر نے کرمانی کو پٹوا کر مرو کے مشہور قلعہ کہنہ دژ میں قید کر دیا۔ علاوہ قبیلہ ازد کے لوگوں نے کرمانی کے بارہ میں نصر سے سفارش بھی کی لیکن اس نے صرف یہ کہکر ٹال دیا: "میں قسم کھا چکا ہوں کہ اسے رہا نہ کروں گا۔ مگر میرا خیال اس سے برائی کرنے کا نہیں۔ ہاں تم کو اس بات کا خوف ہو تو اس کے ساتھ رہنے کے لئے کوئی آدمی منتخب کرو، میں اسے کرمانی کے پاس رہنے کی اجازت دوں گا۔" ازد والوں نے یزید نحوی کو پیش کیا۔ اور وہ کرمانی کی رفاقت میں نظر بند کر دیا گیا۔ مگر کرمانی کی گرفتاری کا زمانہ دراز نہ ہو سکا۔ کیونکہ قبیلہ نسف کے کسی آدمی نے اس کے کنبہ والوں سے کرمانی کو رہائی دلانے کی ایسی تدبیر بتائی۔ کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اسے قلعہ سے نکال لائے۔ تدبیر یہ تھی کہ قلعہ میں جو نہر پانی کی جاتی تھی۔ اس کا دہانہ کشادہ کر دیا۔ اور کرمانی کو دیوار کے بدرو میں سے نکال لایا۔ کرمانی اس طرح بیڑیاں پیروں میں پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ اور اب وہ نصر کا جانی دشمن بن گیا۔ نصر کو کرمانی کے زندہ رہنے دینے پر پشیمانی ہوئی۔ لیکن بے وقت۔ اس کے بعد لوگوں نے بیچ میں پڑ کر دونوں کی مصالحت کرا دی۔ اور نصر نے اسے امان دلوا دی۔ دل میں تو نصر اس سے صاف نہ تھا لیکن ظاہرداری کے لئے اس سے اچھی طرح پیش آتا۔ کرمانی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے آتا تو ہزار ڈیڑھ ہزار کی جمعیت کے اقتدا اور مقصورہ سے

"جناب! اسی حرث کا خیال تھا۔ کہ وہ سیاہ نشانوں والا ہے" یہ کہہ کر ابو مسلم نے خالد کی طرف حیرت آمیز نظر ڈالی۔ اور جاسوس نے کہنا شروع کیا "مگر نصر کو اس کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا چنانچہ نصر نے حرث بن سریج سے کہلا بھیجا۔ کہ اگر تو دمشق کی شہر پناہیں ڈھا سکنے کا خیال رکھتا ہے۔ تو پانچسو آدمی ایکسو اونٹ اور حسبِ ضرورت روپیہ اور سامان جنگ لیکر بنی امیہ کی سلطنت پر حملہ آور ہو۔ اگر تو فی الواقع سیاہ نشانوں والا ہوگا۔ تو میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ ورنہ تو خود بھی مرے گا۔ اور اپنے ساتھ اپنے سارے کنبہ کو لے ڈالے گا۔" حرث نے نصر کے اس پیام کا جواب یہ کہلا بھیجا "بیشک تمہارا کہنا درست ہے۔ مگر میرے ساتھی اسباب پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اور نہ انہوں نے اس کا معاہدہ کیا ہے" نصر نے یہ سنکر پیام دیا "پھر جب وہ لوگ تیرے ہم خیال نہیں۔ تو خدا کے لئے بیس ہزار ربیعہ اور یمنی کے قبائل کے آدمیوں کو ہلاکت میں نہ ڈال اور چپکا بیٹھ رہ"

ابو مسلم۔ (جاسوس کی بات کاٹ کر سر ہلاتے ہوئے) "ہاں! وہ سیاہ نشانوں کے مالکوں سے ڈراتے ہیں؟ بہتر ہے۔ اب عنقریب انہیں ایسے ہی لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔ کیونکہ سیاہ نشانوں کے مالک کسی حکم میں ورنگ و تذبذب نہیں رکھنے اور مصائب سے نہیں ڈرنے۔ بلکہ شک ہوتے ہی مشکوک شخص کو راہِ فنا دکھا دیتے ہیں"

اور خاموش رہا۔

جاسوس۔ (سلسلۂ کلام جاری رکھ کر) "نصر کی باتیں حرث بن سریج کو اکو ارادہ سے باز نہ رکھ سکیں۔ تو نصر نے چاہا کہ اسے کرمانی سے لڑوا دے۔ اور یہ سوچکر اسے پیام بھیجا "اچھا اگر تو اپنے قول میں صادق ہے۔ تو پہلے کرمانی سے نبٹ لے اور اگر تو اس کو قتل کر ڈالے گا۔ تو مجھے اپنا مطیع سمجھ" حرث نے یہ بھی نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ حرث نے نصر کو اس قدر دبا لیا۔ کہ اس کی تعریف کے گیت شہر مرو کے بازاروں میں گائے جانے لگے۔ مسجدوں میں اس کا چرچا ہوا۔ اور خود نصر کے قصر حکومت کے دروازہ پر اس کی توصیف بیان ہونے لگی۔ حرث کے مداح لوگوں کو اس سے بیعت

کرنے کی ترغیب دلا رہے تھے۔ لیکن جب اس بات کا زور حد سے بڑھ گیا۔ تو لوگ بگڑ چلے۔ اور فریقین میں جنگ ہو پڑی۔ نصر نے ضرورت کے لحاظ سے کرمانی کو اپنی مدد کا پیام دیا۔ کرمانی ایسا کب تھا جو اس کی بات مانتا۔ اب معرکہ کی صورت معجون مرکب کی ہوگئی۔ نصر، حرث۔ اور کرمانی تینوں میں سے ہر ایک دو باقی فریقوں سے لڑتا تھا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ نصر شہر مرو کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور کرمانی شہر پر قابض بن گیا حرث نے کرمانی کو بازی لیجاتے دیکھا۔ تو پیام بھیجا کہ ہم دونوں باہمی مشورہ سے ملک پر حکومت کریں گے۔ اور مل کو رہیں گے۔ کرمانی اس بات پر راضی نہ ہوا۔ اور اب اس کی حرث سے معرکہ آرائی ہو پڑی حرث کو شکست ملی۔ وہ میدان جنگ میں مقتول ہوا۔ اور اس کی قوت پراگندہ ہوگئی یمن کے قبائل سب کرمانی کے ساتھ مل گئے۔ اور نصر کے طرفدار مضری قبائل کو زیر بنا کر اس پر بیحد سختیاں کیں۔ اُن کے گھر کھود ڈالے۔ اور بکثرت لوگوں کو انتقام لینے کے طور پر قتل کر دیا حرث خود بھی مضری خاندان سے تھا۔

ابو مسلم ۔ خیر۔ معلوم ہوا۔ کہ اس وقت کرمانی شہر پر قابض ہے۔ مگر نصر کہاں گیا؟"

جاسوس "جی نہیں۔ کرمانی بھی زیادہ دنوں تک شہر پر مسلط نہ رہ سکا۔ حرث کے قتل ہوتے ہی مضری قبائل کو پھر غیرت آئی۔ اور انہوں نے متفق ہو کر نصر کو اپنا سرغنا بنا لیا۔ خود نصر کے ساتھی اور حرث کے ہمراہی مضری عربوں کے ملجانے سے نصر کی جمعیت پھر زبردست ہوگئی۔ اور اس نے شہر کو کرمانی کے ہاتھوں سے واگزار کروا لیا۔ اور اب کرمانی شہر سے باہر کیمپ ڈالے پڑا ہے۔"

ابو مسلم " گویا کرمانی شہر کو محاصرہ میں لئے ہے بھلا

جاسوس " اور نہ اکیلا کرمانی؟

ابو مسلم "پھر اس کے ساتھ اور کون ہے؟ شاید تو "سفیان" خارجی کا ذکر کرنا چاہتا ہے؟"

جاسوس " ہاں جناب! اس کو آپ بخوبی تصور فرمائیگا۔ وہ خارجی

لوگوں کا سا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس لئے نصر جو مروان کا عامل ہے۔ اس کے حق میں وہ
بھی سخت دشمن ہے۔ اور کرمانی کے ساتھ مل گیا ہے۔ کیونکہ خارجی لوگوں کے مروان
کی خلافت کو صحیح نہ ماننے کے علاوہ شیبان یمنی عربوں سے نسبت رکھتا ہے۔
اور اس لئے وہ نصر کا مخالف اور کرمانی کا دست و بازو ہے۔"

خالد۔ (جاسوس کا قطع کلام کرکے ابو مسلم سے فارسی زبان میں) "امیر نیکخواہ!
بخیال من اینها از دعوت ما مخالفت نخواهند کرد، ما یان چه می خواهیم؟ همیں کہ مروان
را از خلافت دور بکنیم۔"

ابو مسلم۔ "ہر چہ باشد من اینها را از لذت تدبیر و کاروانی واقف می سازم
دمی نمائم کہ بچہ طور دشمناں را برہم زنند" پھر جاسوس کی طرف متوجہ ہو کر "ہاں جی!
تو اس وقت مرو کا شہر کرمانی اور شیبان خارجی دو شخصوں کے محاصرہ میں ہے؟"

جاسوس۔ "ہاں جناب! اور ان میں بظاہر خوب دوستی ہے۔"

ابو مسلم۔ "تم نے دونوں کی فوجوں کی تعداد بھی معلوم کی؟"

جاسوس۔ "پوری طرح تو نہیں۔ لیکن یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ سات آٹھ ہزار
زائد آدمی دونوں کے ساتھ نہ ہوں گے۔"

اس بات کو سنکر ابو مسلم نے [illegible] پہلو بدلا۔ گویا وہ اٹھنا چاہتا ہے۔ [illegible]
جاسوس اس کی مراد سمجھ کر کمرہ سے باہر نکل گیا۔ اور خلوت ہو جانے پر ابو مسلم نے
خالد کو مخاطب بنا کے کہا۔ "اب ہم کو تین دشمنوں سے مقابلہ کا سامان کرنا لازم ہے۔
کرمانی، شیبان، اور نصر۔"

خالد نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اور ابو مسلم اس کے قیافہ سے اس کی دلی حالت
کا اندازہ کرکے بولا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنی بے سرو سامانی کے لحاظ سے ان
تین زبردست دشمنوں کا مقابلہ کرنا محال تصور کرتے ہو۔ خیر ٹھہرو تم دیکھ لوگے۔ کہ کس
طرح دو دن میں سینکڑوں اور ہزاروں آدمی تمہارے زیر نشان آکر جمع ہو جاتے
ہیں۔ [illegible] کیا حالت ہے؟ دیکھنا تو۔" یہ کہکر اٹھا۔ اور خالد کو ساتھ لئے کمرہ کی

نزدیک جا ٹھہرا صحن گلشن اور گرد و پیش کے منظر پر نگاہ ڈالنے سے ابو مسلم کو معلوم ہو گیا کہ آفتاب خوب تیزی کے ساتھ چمک رہا ہے۔ دھوپ نکھر کر نکلی ہے مطلع صاف ہے۔ اور پانی جلد جلد سوکھتا جاتا ہے۔ یہ حالت مشاہدہ کرکے ابو مسلم بہت مسرور ہوا۔ اور خالد سے کہنے لگا "اب تو ہم چاہیں آج ہی رات کو سفر شروع کر دیں"

خالد "اگر امیر مناسب سمجھیں۔ تو آج کی رات یہیں بسر کرکے کل صبح کو روانہ ہوں۔ یہ بہتر ہوگا"

ابو مسلم "کیا مضائقہ ہے یوں ہی سہی۔ مگر میری رائے میں یہ کام ابھی کر ڈالنا انسب ہے کہ بڑے نقیبوں کو بلوا کر انہیں اپنے ارادہ کی اطلاع دے دیں اور ان سے مشورہ بھی کر لیں۔ تاکہ طریقہ عمل ابھی سے قرار پا جائے۔ اور مرو کے سامنے پہنچنے سے پہلے ہم اپنی کارروائی کا بڑا حصہ مکمل کر چکے ہوں نہیں اس وقت روپے اور آدمیوں دونوں کی سخت ضرورت ہے۔ گو مجھکو اس کا یقین ہے۔ کہ خراسان کے تمام دہقان دل سے ہماری مدد کریں گے۔ اور وہ اہل عرب کی طرح باہم پھوٹ نہیں رکھتے جس سے کام خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ وہ بالاتفاق تمام جملہ عرب والوں سے ان کی بدسلوکیوں کا انتقام لینے کو تیار ہیں"

خالد "آپ کی رائے سراسر بجا ہے۔ اس کے ساتھ میرا خیال ہے۔ کہ ہم یہیں سے دہقانوں کے ساتھ خط و کتابت آغاز کر دیں۔ اُن سے کمک طلب کریں۔ اور اپنے یہاں سے اُٹھنے کے قبل داعیوں کو ملک میں پھیلا دیں۔ تاکہ ہم مرو کی طرف روانہ ہوں۔ تو راستہ ہی سے ہمارے پاس کمک آنے کا سلسلہ آغاز ہو جائے اور وہاں پہنچکر ہماری جمعیت انشاءاللہ مکمل ہو چکے"

ابو مسلم "نہیں اس جگہ سے کوئی کارروائی شروع کرنا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگلی منزل پر قیام کرکے یہ سب تدبیریں عمل میں لاؤں گا۔ یہاں سے چل کر ہمارا قیام سب سے قریب کے گاؤں میں ہوگا۔ اور اسی غرض سے وہاں بہت کم عرصہ ٹھہر کر پھر تم سفینج کو جائیں گے۔ اور اپنے مہربان سلیمان بن کثیر کے مہمان ہوں گے کیونکہ ان کا قریہ بالکل

شہر مرو کے سامنے واقع ہے۔"

خالد کو سلیمان بن کثیر کا نام سنتے ہی یاد آ گیا۔ کہ ابی مسلم کا دل اس شخص کی طرف سے صاف نہیں۔ کیونکہ اس نے ابی مسلم کی افسری ماننے سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ وہ ہنوز ناتجربہ کار نوجوان ہے۔ اور میں معمر آزمودہ کار۔ لیکن دوسرے داعی نے جس کا نام ابوداؤد تھا۔ باقی لوگوں کو ابومسلم کے افسران لینے پر آمادہ کر لیا۔ اور سلیمان بن کثیر کو خاموش ہو رہنا پڑا۔ اسی وقت سے ابومسلم دل میں سلیمان کی طرف سے کھٹکتا اور ابوداؤد کی بہت کچھ قدر کرتا رہتا تھا۔ تاہم ابومسلم نے بظاہر سلیمان کی عزت و حرمت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ کیونکہ سلیمان اہل بیت کی خیر خواہی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کر چکا تھا۔ اور جب ابومسلم کا وجود بھی نہ تھا۔ اس وقت ابتدائے دعوت اس نے کی تھی۔ اور بڑی بڑی آفتیں اس راستہ میں جھیل چکا تھا۔ بہرحال خالد کو بھی یہ واقعات یاد آ گئے۔ اور اس نے اس خوف سے کہ مبادا ابومسلم اس کے دل کا راز معلوم کرکے ادھر سے انجان بن کر جلد تر جواب دیدیا۔ "امیر والا جاہ! آپ کا خیال بہت مناسب ہے۔ اب ہم چلنے کی تیاریاں کریں۔ اور کل صبح یہاں سے نزدیک تر قریہ میں جا ٹھہرینگے جو میرے یاد میں "فنین" ہے۔"

ابومسلم:۔ ہاں یہی یہی۔ اچھا اب نقیبوں سے کہلا بھیجو کہ صبح کو چلنے کے لئے تیار ہیں۔ اور ہاں! چلنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ ہم اپنے میزبان دہقان سے رخصت ہو لیں۔ اور اس سے کہدیں کہ وہ اپنے دوستوں یعنی مضافات مرو کے دہقانوں سے خط کتابت کرکے انہیں مال اور آدمیوں سے ہماری اعانت کا خیال دلائے۔"

خالد اس رائے کو پسند کرنے کا اشارہ کرکے چلا گیا۔ اور ابومسلم پھر تنہائی میں اس اہم کام کی تدبیریں سوچنے میں مصروف ہوا۔

پھر جو کچھ کرنا ہے وہ کریں گے۔"
گلنار طوعاً و کرہاً اٹھی۔ ریحانہ نے منہ ہاتھ دھلا کر لباس تبدیل کرایا۔ خوشبو سے
اس کے کپڑے بسائے۔ پھر بالوں کو آراستہ کر کے گوندھا۔ گلنار اس اثنا میں بالکل
بت بنی بیٹھی رہی۔ وہ نہیں معلوم کن خیالات کے دریا میں غوطے کھا رہی تھی۔ اور
ریحانہ اس کو بنا سنوار کے فارغ ہو گئی۔ تو آئینہ اس کے سامنے لا رکھا۔ اور کہا "ذرا
اپنا مکھڑا تو دیکھئے اور لونڈی کی آنکھوں میں خاک ڈالئے۔"

گلنار۔ (آئینہ کی طرف سے منہ پھیر کر) "جا بجی! مجھکو کیوں دھوکا دیتی ہے
ریحانہ! اگر میں خوبصورت ہوتی تو یہ روز بد دیکھنا کیوں نصیب ہوتا؟" یہ کہہ کے
رنج و الم سے گلوگرفتہ ہو کر رہ گئی۔"

ریحانہ۔ بانو! آپ ایسی ناامید کیوں ہوئی جاتی ہیں۔ ذرا دل کو ڈھارس
دیجئے۔ اور چلئے کھانے کے کمرہ میں تشریف لے چلئے۔" یہ کہکر گلنار کا بازو تھام لیا
اور اسے لیکر روانہ ہوئی۔ راستہ میں گلنار کی نگاہیں ضحاک کو تلاش کرنے میں
مصروف تھیں۔ کہ پھر ریحانہ کی یہ بات گوش زد ہوئی۔ "دیکھئے آقائے نعمت آپکی
روبرو کرائی کا کچھ ذکر فرمائیں تو آپ انکار نہ کیجئے گا۔ آہا خیال شریف ہیں؟"
گلنار نے ہاں کہنے کے طور پر سر ہلا دیا۔ اور اب یہ دونوں برآمدہ سے گزر کے
کھانے کے کمرہ میں پہنچ گئیں۔ کمرہ میں دسترخوان پر نعمت ہائے گوناگون چنی ہوئی تھیں
مگر آدمی کوئی نہ تھا۔ گلنار ایک گوشہ پر جا بیٹھی۔ وہ اس وقت بالکل ساکت اور کسی کی آمد
کے لئے گوش بر آواز تھی۔ ریحانہ گلنار کے حرکات و سکنات کو بغور تاڑتی جاتی۔ اور
اس کا دھیان بانٹنے کی فکر کر رہی تھی۔ یکایک اس نے ایک خوشنما سیب اٹھا کر گلنار
کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھایا۔ "واہ۔ اس کا رنگ بانو کے رخسار نازک سے کتنا مشابہ ہے"
گلنار سیب کو ناچار لیکر الٹ پلٹ رہی تھی کہ ساتھ ہی اس کا کچھ حصہ دانتوں سے کاٹ کر چبانا
چاہتی ہی تھی۔ کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی صدا کانوں میں پڑی۔ اور وہ جوں کی توں ساکت
و بے حس ہو کر بیٹھی رہ گئی۔ ریحانہ نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ضحاک کی ہنسی کی

سے کہ ایک خادم اس کے روبرو سے نا ٔ سے سنبھال لیا۔ اور اس نے ریحانہ کی طرف ایسی نگاہ
سے دیکھا جس میں ضحاک سے وضاحت دریافت حالات کی ہدایت پائی جاتی تھی۔

ریحانہ۔ (ضحاک سے) "ہاں تو اس نے تم سے کیا کہا؟ کیا تم نے اُسے باؤ کی
جانب مائل بھی پایا ہے؟"

ضحاک۔ (ریحانہ سے) "میں نے عرض تو کیا کہ باؤ سے کسی حصہ بڑھ کر دوان کا
دلدادہ ہے۔ میں تو اس کی خوش مذاقی پر حیرت سے مبہوت ہو گیا ہوں۔ اللہ اللہ!
ابومسلم نے اس حسن بے مثال کی کتنی معقول قدر کی ہے؟" یہ کہہ کر زمین کی طرف سر جھکا کے
دیکھنے لگا۔ گویا وہ ترسا گیا ہے۔ اور گلنار پر بھی حیا غالب آگئی۔ تاہم ضحاک کی
خدمتگزاری کا تصور کر کے اُس نے اس کی یہ جسارت معاف کر دی۔ اور خاموش بیٹھی رہی

ریحانہ۔ "ارے! اب اشارے کنائے تو بند کر اور صاف صاف حال کہہ۔
ابومسلم نے تجھ سے کیا کہا؟"

ضحاک۔ (چبا چبا کر باتیں کرتے ہوئے) "مجھ سے کہا۔ مجھ سے کہا۔ میں
اس کی باتیں جوں کی توں تو کہنا نہیں چاہتا۔ مگر اتنا ضرور سمجھ گیا ہوں کہ اُسے باؤ
کی شراب محبت نے سرشار بنا دیا ہے۔ اور گل کی محبت میں اس نے بخوف افشائے
راز اپنی حالت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ تقاضائے غیرت دہقان پر اس بات کو
ظاہر کرنے سے ڈرتا ہے۔ اور اس میں ایک ایسا راز ہے جس نے میری جان بلا میں
ڈال دی۔"

ریحانہ۔ "آخر وہ راز ہم بھی تو سنیں؟"

ضحاک خاموش رہ گیا۔ اور تیوری چڑھا کر دروازہ کی طرف پھیرا گویا۔ وہ اپنی
جلد بازی پر نادم ہے۔ اور اس بات کو غلطی سے کہہ گیا ہے۔ اور ریحانہ اس کی یہ کیفیت
دیکھ کر یہ کہنے لگی۔ "یہ کیا؟ تو چلا کہاں؟ کیا تجھ سے اپنی خدمتگزاری پر ندامت
ہوئی ہے؟ یہ بات کیا ہے؟"

ضحاک کھڑا ہو کر اپنا عمامہ سنبھالنے لگا۔ اس نے اپنا منہ گلنار کی طرف کر لیا جیسے

نہ بنے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ اور سوچ سمجھ کر قابل تسلی اور قطعی جواب دیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ابومسلم کی خواہش لوہے کے چنے ہیں۔ مگر یہ بھی مدنظر رہے۔ کہ اس کے ملنے کی کوئی راہ ہے تو یہی۔ کیونکہ وہ اپنی رائے کا بڑا پکا اور اپنی ہٹ کا پورا شخص ہے۔"

گلنار ۔ (ابومسلم کی خواہش صاف لفظوں میں سننے کے خیال سے) "میں ابھی تیرا مطلب بخوبی نہیں سمجھی۔ تو اس کی گفتگو مجھے حرف بحرف کیوں نہیں سناتا؟"

ضحاک ۔ "بانو! وقت کم ہے۔ اور بیان طویل۔ مگر سنئے میں اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ (تھوڑی کھجلاتے ہوئے) ابومسلم نے اپنے دل میں طے کر لیا ہے کہ جب تک اس جنگ سے فراغت نہ کرے گا۔ وہ کوئی شادی نہ کرے گا۔ آپ سے اس کو محبت ضرور ہے۔ اور جنگ کی کامیابی کے دو پہلو ہیں۔ ہر صورت میں اسے کرمانی اور نصر بن سیار کو مغلوب بنانا لازم ہے۔ اور ان پر غالب آنے کیواسطے ہو سکتا ہے۔ کہ وہ زندہ اس کے قبضہ میں آجائیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ انہیں قتل کرا دینے کی ضرورت پڑے۔ آخری صورت میں جبکہ آپ ان میں سے کسی ایک کے گھر میں ہونگی تو آپ کو اس کے قتل میں ابومسلم کی مدد کرنی چاہیئے۔ ورنہ آپ جانیں۔ اور آپکا کام اب آپ اچھی طرح سوچ کر اس کا جواب دیں۔" گلنار یہ سنتے ہی بالکل کھوئی گئی۔ فوراً کیا کچھ دیر میں بھی بلا کسی رازدار کی مشورت کے اس سے اس بات کا جواب بن آنا مشکل تھا۔ اس لئے وہ خیال کرنے لگی۔ کہ گو رازداری کا وعدہ کر لیا ہے تاہم ریحانہ کی صلاح بغیر اس کا جواب نہ دے۔ اور اس لئے اسنے ضحاک کو رخصت کر دیا۔ اور خود اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ تاکہ تنہائی میں خیالات کو مجتمع کر کے پھر آکر مسئلہ پر غور کرے لیکن چونکہ بغیر کسی مشیر کار کے وہ تنہا اس امر کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کمرہ میں جا کر اس کا دروازہ صرف بند کر لیا۔ کنڈی نہیں لگائی۔ اور بستر پر لیٹ کر ریحانہ کی راہ دیکھنے لگی۔ تاکہ وہ آجائے تو اس سے کوئی صلاح دریافت کرے گلنار انہی خیالات کی ادھیڑ بن میں دیر تک تنہا پڑی رہی۔ تو رات کی بیخوابی نے اسے سُلا دیا۔ ریحانہ آئی تھی۔ اور اسے آرام میں پا کر پھر واپس گئی۔ ریحانہ کے دل میں تھی

ابو مسلم کے باہم مل سکنے کے مابین حائل ہونے والی تھیں۔ اور یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں تھا۔ کیونکہ جس وقت انسان کے دل میں کوئی جوش آجاتا ہے۔ تو اس کی حالت پاگلوں سے کم نہیں ہوتی۔ اور وہ اندیشہ انجام سے بے پروا بنجاتا۔ اور اپنے آپ کو تمام خطروں سے محفوظ پاتا ہے خصوصاً عشق وہ مرحلا ہے۔ کہ اگر عقل کا قدم درمیان ہو تو عاشق جو کچھ نہ کرگزرے وہ کم ہے۔ اور باوجود اس کے کہ عقل جوش الفت کو اعتدال کے پہلو پر چلتی ہے۔ پھر بھی بہت سے دانا اور ہوش فکر لوگوں کو حالت جوش میں خلاف ننگ وناموس کاموں کے مرتکب ہونے والے پایا جاتا ہے جس سے وہ ابدالآباد تک بدنام وانگشت نما رہے ہیں۔ حالانکہ اگر ایک ساعت کے لئے وہ اپنے بیجا جوش کو دبا سکتے تو ہرگز ایسی رسوائی میں مبتلا نہ ہوتے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ انسانوں سے جس قدر جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ اور انجام کار وہ انہیں طرح طرح کی دقتوں میں ڈالتے ہیں ان سبھوں کا منشا یہی غفلت اور ہیجان طبع ہے۔ اس لئے گلنار کا اپنے محبوب کی خوشنودی مزاج کے لئے ایسا سخت اور سفاکانہ کام کرنے پر تیار ہوجانا جیسا کہ قتل ہے۔ کچھ بعید اور دشوار امر نہ تھا۔ اور اس بارہ میں اُسے مستعد بنانے کے لئے محض ابو مسلم کی ایک نظر لطف کافی تھی جس نے مہ جمال گلنار کے دل وجگر کو برمائر رکھدیا۔ اور اس کے ہوش وخرد کو چھین لیا تھا۔ گلنار کے قلب کی جو حالت ہوئی ہو ہم اس کو مفصل حال بیان نہیں کرسکتے۔ لیکن بظاہر اس نے اپنے آپ کو بہت سنبھال رکھا تھا۔ اور کسی طرح حاضرین پر اپنی حالت تنگی طبع کا حال کھلنے نہیں دیا۔

ابو مسلم نے خالد کی گفتگو سن کر کہا۔ "ہاں۔ ہمارے واسطے اسی قدر بہت ہے۔ کہ مملکت خراسان کے دہقان لوگ ہم سے گماں نیک رکھیں ان کی رضامندی ہمارا حوصلہ بڑھا دے گی۔ اور ہم عربی سپاہ کی کثرت سے ہرگز خائف نہ رہیں گے۔ کیونکہ ان دنوں اس کا ستارۂ اقبال ڈوب رہا ہے۔

دہقان ۔ دل میں ا۔ ہے یہ تعمیم تو سارے عربوں کو ایک ہی لاٹھی ہانکنے کے لئے ہے۔ حالانکہ کرمانی کا حومینی عربوں کا سرگروہ ہے۔ امام کی مرضی کے موجب

کرکے دونوں طرف سرخروئی رہے تاکہ انہیں میں سے جو غالب آئے۔ اسی کے ساتھ مل کر اپنا کام نکالے۔ وہ دل سے ابومسلم کی طرفداری کرنے پر ہرگز آمادہ نہ تھا۔ اور اس نے جو کچھ کیا یہ سب فریب کی کارروائی تھی چنانچہ اس نے پھر ابومسلم سے کہا "اگر چہ کرمانی بنی اُمیہ کے مقابلہ میں برسرِ بغاوت آنے کی حیثیت سے بالکل ہمارے حجرے میں داخل ہے۔ اس کے سپاہی سب یمنی عرب ہیں جن کو قطعاً مضری عربوں سے عداوت ہے اور مضر والے سب کے سب بنی اُمیہ کے دست و بازو ہیں پھر بھی کرمانی کا نام ہمیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ وہ دراصل عرب ہے۔ اور ہمیں اس سے یہ خوف ضرور ہے کہ بحالت کامیابی وہ اپنی حکومت میں ہماری بہتری کی کوئی شکل نہ نکلنے دے۔ مگر آپ تو ہمارے بھائی ہیں اور ہم آپ کے بھائی اس لئے آپ کی حکومت خود ہماری حکومت ہوگی۔ اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ کہ دعوت عربی خلیفہ کے نام سے ہے کیونکہ ہماری عام [illegible] کا خیال کرکے وہ ہمارا سرپرست رہے گا۔ اور پھر طرہ یہ ہے اس کا یہ حکم کہ خراسان سے عربوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ نہایت قابل قدر ہے۔ اور اس کو میں اس زبان سے سن چکا ہوں جو آپ کے پاس موجود ہے۔"

گلنار اپنے باپ کی یہ گفتگو سن کر دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے باپ نے کرمانی سے رفاقت قائم کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اور اس کے چہرہ پر بشاشت برس رہی تھی۔ اگر کہیں وہ بھی سرِ گفتگو ہوتی تو ضرور تھا۔ اس کا راز مخفی نہ رہ سکتا لیکن وہ تو اس کی خاموشی پردہ داری کر گئی۔ اور کام کرنے [illegible]

ابومسلم بڈھے دہقان کی باتوں میں نہ آیا۔ وہ غضب کا آدمی تھا۔ اور اس قدر زیرک اور پُرفن کہ گرگ باراں دیدہ دہقان کا افسون اس پر کارگر ہونا محال تھا۔ ابومسلم کا گمان کسی شخص کی نسبت نیک ہوتا ہی نہ تھا۔ اس لئے اس نے کسی کو اپنا معتمد اور راز دار نہیں بنایا تھا۔ بلکہ وہ ہر شخص سے کھٹکتا رہتا۔ اور جو آدمی اس کے حق میں کارآمد اور مفید نہ ہوتا۔ اسے وہ کبھی قابل قدر نہیں تصور کرتا تھا۔ ابومسلم نے تمام آدمیوں کو اپنے خیال کے مطابق سمجھ رکھا تھا۔ کیونکہ انسانوں کی فطرت [illegible]

خود غرضی داخل ہے۔ اور ان کا کوئی کام اپنے کسی فائدہ سے ہرگز خالی نہیں ہوتا۔
گو بظاہر وہ اس بات کو عیان نہ کریں تاہم دل میں اپنا نفع دیکھے بغیر وہ کوئی کام نہیں
کرتے۔ بغیر خواہی ملک سلطنت جمہوری کی طرفداری۔ اور اسی طرح کے دوسرے مفید
خلائق کاموں کا بھی اصلی باعث اپنا ہی کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ انسان کا ہر ایک
چھوٹا یا بڑا کام بامید منفعت ہوتا ہے۔ خواہ وہ نفع جلد حاصل ہو۔ یا بدیر یہاں تک
کہ عبادت الٰہی بھی اپنے ہی فائدہ کی غرض سے کی جاتی ہے۔ یہی حالت انسان
کے ہر ایک اخلاقی یا مادی کام کی ہے۔ اگر کسی کو اس بات سے انکار ہو تو سمجھ لینا
چاہیئے۔ کہ وہ دھوکے میں پڑا ہے یا ان معمولی فہم و ادراک والوں میں سے ہے
جن کا کوئی خاص خیال یا ذاتی رائے نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک بھیڑ چال ہے۔ جس پر
سب مل کر چلے جاتے ہیں لیکن خاص خاص سر برآوردہ لیڈروں کے اعمال و افعال
کبھی فوائد سے خالی نہ ہوں گے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے۔ کہ ان میں سے بعض لوگ
محض ذاتی فوائد پر نظر کرنے والے ہوں گے۔ خواہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ
کر سکیں۔ اور ایسے لوگ برے ہوتے ہیں۔ مگر بعض ایسے عالی ظرف ہوتے ہیں۔ کہ اپنے
فائدہ کی کوشش میں دوسرے کا نقصان نہیں چاہتے۔ بلکہ اوروں کو بھی اپنے ساتھ
فائدہ دلانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ پہلی قسم کے بالکل خود غرض
انسانوں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں۔ جن کو اپنا بھلا ہونے کی صورت میں اپنے
قریب سے قریب رشتہ دار یا دوست کی گردن کٹوا دینا بھی گراں نہیں گزرتا۔ اور ایسے
ہی لوگوں کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے۔ نیز انہی لوگوں میں سے زیادہ تعداد کے
اشخاص بڑے بڑے نامور اور عالی حوصلہ انسان ہو گزرے ہیں۔ اور ابو مسلم کو بھی اسی
زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ پرلے درجہ کا سخت بیباک اور محض اپنے حصول مدعا
کا یار تھا۔ اس کی غرض کیا تھی؟ یہ کہ وہ اپنی دعوت میں کامیاب ہو۔ اور اس بارہ
میں اُسے اپنے حقیقی بھائی کی خلل اندازی کا خیال آتا۔ تو وہ اُسے بھی بے تامل قتل کر دیتا
پھر اور کسی کی کیا ہستی تھی۔ اور امام کی ہدایت کہ جس پر شک ہو اُسے فوراً قتل کر دیا

سونے پر سہاگہ بن رہی تھی۔ غرضیکہ ابومسلم کسی شخص کی نسبت نیک گمان رکھنا جانتا نہ تھا۔ دہقان کے وعدوں کو سن کر اُس نے اوپرے دل سے اُن کی تصدیق کر دی۔ تاکہ دہقان کا حوصلہ نہ پست ہو۔ اور وہ دیگر دہامین کو اس کی اعانت پر آمادہ بنانے سے غافل نہ ہو۔ ورنہ دل میں اُسے ہرگز یقین نہ تھا۔ کہ دہقان سچا ہے۔ خاص کر گلنار کی شادی کرمانی کے فرزند سے کر دینا۔ اس بات کی بڑی زبردست دلیل تھی۔ کہ اگر دہقان کو اہلِ عرب کی بربادی کا زمانہ نزدیک ہونے کا شوق ہوتا۔ تو وہ اپنی جگر پارہ اُن کے امیرزادہ کے ساتھ کیوں منسوب کرتا۔ پھر ابومسلم کو اپنی موجودہ ظاہری حالت سے دوسروں کو جو خیال پیدا ہوتا تھا۔ اس کا بھی پوری طرح علم تھا۔ غرضیکہ انہی تصورات میں اُلجھکر وہ یکایک چونک اُٹھا۔ اور جیسے کوئی بھولی بات یاد کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سب لوگوں کو ساتھ دینا پڑا۔ اور ابومسلم دہقان سے مخاطب ہو کر بولا۔ "جناب! خدا حافظ۔ ہم آج رات تک اور آپ کے مہمان ہیں۔ اور صبح نور کے تڑکے یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس وقت آپ اور آپ کے ملازم سب سوتے ہوں گے۔ ان کو تکلیف دینا عبث ہے۔ اب آپ مہربانی کر کے اپنے وعدوں کو فراموش نہ کیجئے گا کیونکہ ہم لوگ اپنے خراسانی بھائیوں اور اہلِ فارس ہی کے واسطے جانبازی پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری مدد نہ کی۔ تو پھر کام کس طرح چلے گا"۔

دہقان:- "صاحب! آپ بے فکر رہیں۔ میں اپنی پوری قوت دہقانانِ خراسان کو آپ کا مددگار بنانے میں صرف کر دوں گا"۔

خالد:- "اگر آپ یہ کریں گے۔ تو اپنے ہی ملک و قوم کی بھلائی چاہیں گے"۔

ابومسلم نے پشت پھیر کر چلنے سے قبل ایک آخری نگاہ غلط انداز گلنار پر ڈالی جو ہمہ تن چشم بنی اسی کی ہر ایک حرکت کو دیکھنے میں محو تھی۔ اس مرتبہ گلنار نے ابومسلم سے آنکھیں چار ہوتے ہی یہ خیال کیا۔ کہ ابومسلم اس سے نہایت بشاشت کے ساتھ نظروں ہی نظروں میں جلد ملنے کا وعدہ کر گیا ہے آہ۔۔ لہٰذا وہ گلنار اور بھی مر مٹی اور اُسے یہ معلوم ہوا کہ ابومسلم خود تو جاتا ہی ہے۔ مگر اس کا دل بھی اسی کے ساتھ جا رہا ہے۔ اگر گلنار

کو اس وقت اپنے والد کی باتیں سن کر یہ وہم پیدا ہو گیا ہوتا کہ اس کے باپ نے کرمانی کی مذمت اور ابومسلم کی تعریف محض اس لئے کی ہے۔ کہ اب وہ اس کو کرمانی کے فرزند سے منسوب نہ کرے گا۔ تو ممکن تھا کہ وہ ابومسلم کی واپسی سے کسی اچانک صدمہ کے باعث بیتاب ہو جاتی۔ لیکن اب یہ خیال اس کی روح پروری کرتا رہا کہ چلو کرمانی کے یہاں جانے سے تو نجات مل گئی۔ مگر افسوس وہ زیادہ دیر تک اس خیال سے بھی مسرور نہ ہو سکی کیونکہ چند لمحوں کے بعد اس کا باپ مہمانوں کی رخصت سے فارغ ہو کر آگیا اور گلنار جو خلوت میں باپ کی زبان سے کوئی مطمئن کرنے والی بات سننے کی منتظر کھڑی تھی۔ اس کے پاس آکر اور اس کے داہنے کندھے پر ہاتھ رکھ کے واپسی میں ابومسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا: "تم نے سیکڑوں بار ایسی ہی حوصلہ دلانے والی باتیں کہی ہوں گی مگر کر کے ایک دفعہ بھی نہ دکھایا۔"

گلنار:۔ (یہ سمجھ کر کہ اس کا باپ ابی مسلم کی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ مگر بظاہر بچاس بن کے) "بابا جان! یہ کون لوگ ہیں؟"

دہقان:۔ "یہی اہل بیت نبی صلعم جب سے بنی اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی ہے۔ اس وقت سے روز اہل بیت کے نئے نئے داعی ان ممالک میں آیا کرتے ہیں۔ وہ بھی حسب سابق اس ابومسلم کی مدد کی اسی طرح ہمیشہ ان کی مالی اور جسمانی مدد کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب نتیجہ یہی کہ بنی امیہ نے اس امام کو قتل کر دیا۔ اور اب دوسرا امام ہوا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس دفعہ دعوت کا رخ اولاد بنت رسول صلعم سے پھیر کر ان کے چچیرے بھائی جو بنی عباسؓ کی طرف کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ اس دعوت کا سرسبز ہونا مشکل ہے پوچھو کیوں؟ اس لئے کہ آل ابی طالب سے دعوت کو آل عباسؓ میں منتقل کرانا بنو ابی طالب کی ناراضی کا موجب ہو گا جو اس کام کے بانی مبانی تھے۔ اور خراسان والے اگر سوا کسی اور کو کبھی مان نہیں سکتے۔ اور اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ اس معزز ذی (ابومسلم) کے خیال میں سلطنت بنی اُمیہ ایسی بودی اور کمزور ہو گئی ہے کہ منتشر پچھتر آدمیوں کی جمعیت سے۔ اس کی بنیادیں کھود پھینکے گا۔"

گلنار کی اس وقت عجیب حالت تھی۔ باپ کی گفتگو کا ایک ایک لفظ نشتر کی طرح اس کی دلخراشی کرتا جاتا تھا۔ اور اس کے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ڈری کہ مبادا اس کے باپ پر یہ حالت کھل جائے۔ اس لئے جلد جلد اپنے بالوں کو درست کرتی ہوئی اس سے الگ ہو گئی اور اپنا دل سنبھال کر بولی۔ "واہ میں نے آپ کو اس کی تعریف کرتے اور اُسے مدد کا وعدہ دیتے سنا ہے۔"

دہقان۔ (ہنستے ہوئے) "تو اس میں میرا کیا بگڑ گیا۔ عداوت اور مخالفت کرنے کی جگہ اگر ایسے کج رائے اور سفاک شخص سے ہم اچھا برتاؤ نہ کریں تو ضرور ہے کہ موقع پا کر وہ ہمیں خوب ستائے۔ اور میں ابھی سے قطعی طور پر اس کی ناکامی کا خیال بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ معاملہ میرے خیال کے بالکل برعکس ہو جائے۔ اس وقت یہی خوش سلوکی ہمارے کام آئے گی۔ اور ابو مسلم ہم کو اپنا طرفدار مان کر ہمیں اذیت نہ دے گا لیکن کرانی کا پہلو غالب رہا تو اُس کے محل میں تیرا موجود ہونا مجھے کامیاب بنا سکے گا۔" کھانسی آجانے سے کچھ دیر کے لئے چپ ہو کر پھر بات پوری کرتے ہوئے۔ "رہا نصر بن سیار اس کا تخت بیڑا کہیں نہیں لگ سکتا۔ غرضیکہ سلطنت امویہ ضرور برباد ہو کر رہے گی۔ اور ویسی ہی طوائف الملوکی میں بٹ جائے گی جس طرح سکندر اعظم کی باعظمت مملکت کے حصے ہو گئے تھے جن میں سے بگمان غالب خراسان کا ملک کرمانی کے زیر اثر آئے گا۔ اور یہی سوچ کر میں نے اُسے راضی رکھنے کی پیش بندی کی ہے کیونکہ مقتضائے عقل یہی ہے کہ آدمی اپنا انجام آگے ہی سے سوچ رکھے۔" پھر جیسے وہ بیگانہ کی بات یاد کر کے کہ گلنار سے زیادہ تر کرمانی کا ذکر نہ چھیڑے اس بات کو ٹال گیا۔ اور بولا "اچھا اب اور کچھ کھانا کھانے کا وقت آگیا ہے۔" یہ کہکر آگے آگے خود اور اس کے پیچھے گلنار دونوں کھانے کے کمرہ میں گئے جہاں انواع و اقسام کے پرتکلف کھانے دسترخوان پر چنے تھے۔ اور میووں کی طشتریاں جابجا قرینے سے لگی تھیں۔ دہقان لوگ یوں بھی بڑی شان و شوکت سے رہنے کے عادی تھے۔ اور پھر ان میں حسن کی مالی حالت سب سے بہتر ہو اس کا کیا کہنا۔ اور دہقان مرو ملک خراسان میں

سب سے بڑا علاقہ دار نہایت متمول اور با اثر شخص تھا گلنار مجبوراً دسترخوان پر بیٹھ گئی اور برائے نام کھانے میں مصروف تھی۔ ورنہ اس کے دماغ میں تو ابی مسلم کی وہ تصویر پھر رہی تھی جو سیاہ لباس پہنے ہوئے دیوان خانہ سے جاتے وقت اس پر آخری نگاہ کرنے کی حالت میں منعکس ہوئی تھی۔ آہ یہ تصور کہ صبح کو ابو مسلم بغیر ملے ہوئے چلا جائے گا۔ گلنار کا کلیجہ مسل رہا تھا اُسے خیال آیا کہ اب اپنے محبوب سے ملاقات حاصل ہونا خدا جانے کب نصیب ہو۔ اور وہ فوراً الم سے اس کی آنکھیں پر نم ہو گئیں لقمہ حلق میں پھنس گیا اور یہ بھی اچھا ہوا۔ ورنہ اُس کے بے وقت اور بلا وجہ اشکبار ہونے سے کام بگڑ جاتا۔ گلنار نے جلدی ہی خادم سے پانی کا گلاس لیکر دو تین گھونٹ پی لئے۔ اور پھر چند لگ جانے کی وجہ سے طبیعت خراب ہو جانے کا بہانہ بنا کر اپنے کمرہ میں چلی گئی تاکہ ریحانہ سے تنہائی میں اپنا درد دل کہہ سکے۔ اور ریحانہ وہاں اس کی منتظر تھی۔ اب ہم انکو یہاں مشورہ کرتا چھوڑ کر ابو مسلم کی خبر لینے چلتے ہیں تاکہ دیکھیں وہ آئندہ کیا کرتا ہے۔

نواں باب

اظہار دعوت اور کامیابی

لاکھ سمجھائیں اسے غیر تو کیا ہوتا ہے
بگڑی ہی بنجاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

ابو مسلم وہقان سے مل کر اور رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پر آیا تو اس نے خالد بن برمک سے کہا۔ اب تمام بڑے بڑے نقیبوں کو بلوا کر اُن سے کہدینا چاہئے۔ کہ سفر کے لئے تیار ہو جائیں پچھلی شب ہی سے کوچ ہونا چاہئے۔ تاکہ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہم لوگ فنین جا پہنچیں۔ خالد نے فوراً خادموں کو بھیجا ان نقیبوں کو طلب کر لیا۔ یہ تو ابی مسلم کے ماتحت چالیس سے زائد نقیب اور داعی تھے لیکن بارہ شخص ان میں رئیس

اور خاص عزت رکھتے تھے۔ کیونکہ محمد بن علی امام ابراہیم کے والد نے سنہ ۱۰۰ھ میں دعوت کا سلسلہ آغاز کرنے وقت پہلے انہی لوگوں کو اپنا معتمد بنایا۔ اور ان سے یہ اہم رازداری کا کام لیا تھا۔ اس زمانہ میں ابومسلم کا وجود بھی نہ تھا۔ اور اس کی امارت تو کجا۔ ان معزز لوگوں میں زیادہ ترمینی عرب بھت اور بڑے دبر سپہ سالار تھے۔ سلیمان بن کثیر جو اس وقت سفیدنج میں مقیم تھا۔ اور جس کے پاس ابومسلم مع اپنی جماعت کے جانا چاہتا تھا۔ اور ابوالحکم عیسیٰ بن اعین جو فنین میں رہتا تھا۔ اور پہلے ابومسلم کی جماعت اسی کی مہمان بننے والی تھی۔ یہ دونوں سب سے اگلے حامیان تحریک عباسیہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور اس وقت ابومسلم کے پاس حسب ذیل نقباء شریک دسترخوان تھے قحطبہ بن شبیب طائی لاہز بن قریظ تمیمی ابوداؤد جس کا ذکر پہلے آچکا ہے نصر بن صبیح تمیمی شریک بن غضی تمیمی اور عبدالرحمٰن بن سلیم۔ (۱) یہ سب عربی النسل تھے۔ اور فارس کے لوگوں میں سے خالد بن برمک اور ابوعون خراسانی صرف دو شخص شریک جلسہ تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر یہ سب بآرام بیٹھ گئے۔ تو ابومسلم نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔ صاحبو! ہم صبح کو "فنین" کی طرف روانہ ہونا چاہتے ہیں۔ وہاں ہم اپنے عزیز بھائی ابی الحکم عیسیٰ ابن اعین نقیب کے مہمان بنیں گے۔ اور اس بات پر باہمی مشورہ سے غور کریں گے۔ کہ آیا اپنے افسروں کو اطراف ملک میں شیعہ جماعت کے پاس روانہ کریں یا نہیں؟ آپ لوگ بہت سویرے کوچ کے لئے تیار ہو جائیے۔ اپنے ہمراہی خادموں کو اسی وقت سے اسباب وغیرہ تیار رکھنے کی تاکید کر دیجئے۔ فجر کی نماز اول وقت ادا کر کے ہمارا سفر آغاز ہو جائے گا۔ اور توقع ہے۔ کہ دوپہر ہونے سے قبل فنین پہنچ جائیں گے۔"

کچھ دیر تک اس بارہ میں باہم اور گفتگو ہوئی جس کے بعد سب اپنے اپنے خیموں کو چلے گئے۔ اور سفر کی تیاریاں مکمل کر کے تڑکے ہی کوچ کر دیا۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ اور راستے خشک ہو چلے تھے۔ اس لئے سفر میں کسی وقت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ اور دوپہر

سے پہلے جبکہ دھوپ تیزی کے ساتھ چمک کر اجسام کو گرمی پہنچا رہی تھی۔ یہ قافلہ موضع
"فنین" میں جا پہنچا۔ ابومسلم اور اس کے وہ خاص لوگ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے عیسیٰ
بن اعین کے گھر گئے۔ اور باقی لوگ بستی کے باہر خیمے لگا کر اتر پڑے۔ ابومسلم شعبان ۱۲۹ھ
کے آغاز میں فنین پہنچا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی ایک جلسہ نقباء کے اطراف ملک میں بھیجنے
اور اظہار دعوت کر کے جنگ آزماؤں کی جماعتیں بہم پہنچانے کا مشورہ کرنے کی غرض
سے منعقد ہوا۔ جلسہ میں بڑے بڑے دراز و سفید ریش صاحب وجاہت
اور معمر لوگ جمع تھے اور ابومسلم ابھی بالکل بچہ معلوم ہوتا تھا تاہم امام کی صداقت
کا اعتقاد انہیں اس نوجوان کی فرمان پذیری سے کسی قسم کا عار نہیں آنے دیتا تھا
اور وہ نہایت سچائی کے ساتھ ابومسلم کے احکام کی تعمیل پر آمادہ تھے۔ بہت کچھ
بحث و مباحثہ کے بعد رائے قرار پاگئی کہ اظہار دعوت کا کام آغاز کر دیا جائے
ابومسلم نے نقیبوں کو حسب ذیل علاقوں میں اس تفصیل کے ساتھ تقسیم کیا طخارستان
سے بلخ کے پرے تک جتنا ملک تھا۔ اس میں ابو داؤد اور عیسیٰ ابن اعین کو مرو
رود و خصوص شہر مرو کے علاوہ تھا اس صوبہ میں نصر بن صبیح اور شریک بن غضبی کو،
علاقہ کوہستان طالقان میں عبدالرحمن بن سلیم کو۔ اور خوارزم کے ملک میں جہم بن
عطیہ کو اس کے علاوہ دوسرے نقیبوں کو اور دوسری سمتوں میں ارسال کر دیا۔ اور سب کو
یہ بات بخوبی سمجھادی کہ جب تک پچیس رمضان المبارک کو اپنے اپنے مقام پر دعوت
کا اظہار کرنا لیکن اگر قبل از وقت دشمن تم کو کسی طرح ستانے یا تکلیف دینے کی عجلت
کرے تو تمہارے لئے بھی حفاظت خود اختیاری کرنا۔ اور دشمنان خدا سے شمشیر لیکر
مقابلہ کرنا مباح ہے۔ اور جس کو دشمن کے مقابلہ میں مشغول رہنے کے باعث وقت مقررہ
پر اظہار دعوت کا موقع نہ مل سکے۔ اس کے لئے وقت کے بعد اپنا کام شروع کرنے میں کچھ
مضائقہ نہیں ہو سکتا۔ پھر انہیں استقلال اور ثابت قدمی کی ہدایت کر کے جلسہ برخاست کیا۔
ابومسلم یکم رمضان تک یہیں مقیم رہا۔ اور پھر دوسری رمضان کو یہاں سے چل کر سفیذنج
پہنچ گیا۔ جس جگہ سلیمان بن کثیر خزاعی کا قیام رہتا تھا۔ اور اس قریہ سے شہر مرو کا سواد [illegible]

نظر آتا تھا کیونکہ یہ قریہ پہاڑوں سے گھرے ہوئے ایک وسیع الاہموار میدان میں واقع تھا۔ میدان کے اندر قریہ اور شہر کے مابین بلکہ اس کی سرحدوں تک میں کہیں پہاڑ کا نشان تھا اور اس قطعہ ارضی کی زمین نرم اور ریتلی تھی۔(۱)

ابو مسلم سفید بخ میں پہنچا تو سلیمان بن کثیر نے بڑے تپاک کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اور اُسے اپنے گھر میں لا کر رکھا۔ خالد اور ابو مسلم سلیمان کے مکان پر رہے۔ اور باقی جماعت خیموں میں ٹھہر کر اظہار دعوت کے لئے مقررہ دن یعنی رمضان کی چھبیسویں تاریخ کا انتظار دیکھنے میں مصروف ہوئی۔ ابو مسلم نے سفید بخ میں آنے کے دوسرے ہی دن ایک بلند ٹیلہ پر جہاں سے شہر مرو اور اُس کے گرد و پیش کے میدان کا منظر نہایت صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایستادہ ہو کر موقع کو تاڑنا شروع کیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ شہر کے گرد خام فصیل تعمیر ہے۔ اور وسط شہر میں ایک عظیم الشان عمارت دکھائی دیتی ہے جس کو کُہنہ تر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس شہر کا مشہور اور قلب قلعہ ہے جو بجائے خود ایک بڑا شہر تصور کیا جا سکتا ہے۔ ابو مسلم نے قلعہ کو دیکھ کر کہا۔ "اُف۔ اتنا بڑا اور عالیشان قلعہ! میں تو اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں"

سلیمان بن کثیر:۔ "اور یہ معلوم کر کے غالباً آپ کی حیرت دوچند ہو جائے گی کہ اس قلعہ میں جس نہر کے ذریعہ سے پانی لایا گیا ہے۔ وہ بہت اونچے پلوں کے ایسے دروں پر بنا کر لائی گئی ہے پھر اس کے کناروں پر خربزوں کی قالیزیں اور سبزیوں کی باڑیاں بنی ہیں۔ وہاں ایک مرتبہ میں سیر کے لئے گیا۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کسی باغ میں چل رہا ہوں"

ابو مسلم:۔ "شہر پناہ سے باہر کے میدان میں مختلف نشانوں کے خیمے دیکھ کر کیا کرمانی اور شیبان کی فوجیں یہی ہیں؟"

سلیمان:۔ "جی ہاں یہی ہیں۔ اور دونوں نصر بن سیار کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ لیکن کی فوجی قوت بہت زبردست ہے"

(۱) اصطخری۔

ابو مسلم۔ "تم نے تو کچھ اس لہجہ سے یہ بات کہی ہے۔ کہ گویا دشمن کی زیادتی اور اپنی کمی سے ڈرتے ہو۔ صبر کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہیں اپنی کثرت کا حال جلد تر معلوم ہو جائے گا۔ کیوں تم اس بارہ میں کیا کہتے ہو؟ آیا ہم اپنے داعیوں کو شہر مرو کے آس پاس والے قریوں میں پھیلاویں۔ اور اس میں ہمیں اُمید کامیابی ہو سکتی ہے؟"

سلیمان۔ "امیر! بڑی اچھی بات ہے۔ آپ ابھی اس کا انتظام کیجئے۔ دیہات کے رہنے والے عرب سپاہیوں کی دست درازیوں سے تنگ آگئے ہیں۔ ان کو عجمی یا مستعرب عربوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور سب کو عرب ہی تصور کرتے اور ان کے ظلم سے نالاں ہیں۔ دیہات والے تہ دل سے اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ اہل عرب سے ان کے فارسی بھائی ہزار درجہ بہتر ہیں۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ ہمارے داعیوں کو کامیابی ہو۔ اور گاؤں کے لوگ ہماری بات مان لیں۔"

ابو مسلم نے فوراً داعیوں کی ایک جماعت قرب جوار کے قریوں میں پھیلا دی۔ اور انہیں ہدایت کر دی کہ لوگوں کو ابو مسلم خراسانی کے زیر نشان ابراہیم امام کی پیروی کی طرف بلائیں۔ اس کارروائی کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اور ایک ہی رات میں ساٹھ قریوں کے رہنے والے ابی مسلم کے پاس حاضر ہو گئے۔[1] پھر تو یہ سلسلہ اظہار دعوت کئی ایک دن تک برابر جاری رہا۔ کہ جوق در جوق آدمی آتے اور امام ابراہیم کی امداد کا خیال ظاہر کرتے۔ ابو مسلم خفیہ طور پر اُن سے مل کر انہیں واپس بھیج دیتا۔ اور اظہار دعوے کا دن ٹھہرا دیا گیا۔ جس کی علامت یہ مقرر کی گئی تھی۔ کہ آگ روشن ہوتے دیکھ کر سب تیار ہو کے آجائیں۔ آخر سنہ ۱۲۹ھ رمضان کی چھبیسویں شب بھی آگئی۔ اور ابو مسلم نے قریہ سفیذنج کے میدان میں ایک باضابطہ جلسہ کیا۔ تمام بڑے بڑے داعی اور نقیب شریک بزم تھے۔ اظہار دعوت کی پہلی علامت یہ تھی کہ ابی مسلم کے پاس جو امام کا عطا کردہ نشان "ظل" اور جھنڈا "سحاب" تھی۔ اُن کو چھڑوں پر لگا کر استادہ کر دیا گیا۔ نشان کی چھڑ چودہ گز اور جھنڈے کی پانچ گز کی تیرہ گز لمبی تھی۔ یہ کارروائی نقیبوں اور دیگر ہم خیال لوگوں کے بھرے جلسہ میں

[1] الطبری ج ۲

ہو گئی۔ اور جماعت پر جماعت شیعوں کی آکر شریک ہونے لگی سفیدنج کے قلعہ و دیہی جو تھوڑے
عرصہ میں نہایت مستحکم حصّی کی نیا بڑیوں سے آراستہ کر لیا گیا۔ اور آبادی کے گرد کچے
وغیرہ بنا کر بخوبی اس کی ناکہ بندیاں کر دیں۔ عید الفطر کے دن ابومسلم نے سلیمان بن کثیر
کو امام جماعت بنایا۔ اور خود مع تمام شیعوں کے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ وسط کمپ میں
ممبر نصب کر دیا گیا۔ اور ابومسلم کی ہدایت سے امام نے پہلے بغیر اذان اور اقامت
کے نماز پڑھائی پھر خطبہ خوانی کی۔ بنو امیہ کا دستور یہ تھا۔ کہ وہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے
تھے۔ ازاں بعد اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے۔ سلیمان ابن کثیر نے ابومسلم کے
ایما سے پہلی رکعت میں چھ پے درپے تکبیریں کہیں اس کے بعد قرأت کی اور ساتویں تکبیر
رکوع کی تھی۔ دوسری رکعت میں پانچ متواتر تکبیروں کے بعد قرأت کی۔ اور چھٹی تکبیر میں
رکوع کیا۔ اور خطبہ کو تکبیر سے آغاز کرکے قرآن کی تلاوت پر تمام کیا۔ حالانکہ بنو امیہ نماز
عید کی پہلی رکعت میں چار اور دوسری میں تین تکبیریں کہا کرتے تھے۔ سلیمان نماز پڑھا
چکا تو ابومسلم اور شیعہ لوگ سب کے سب دسترخوان پر جا بیٹھے جو ان کے لئے پہلے سے
تیار تھا۔ (۱)

سلیمان نے دسترخوان ایک وسیع خیمہ کے اندر کمپ کے ایک پہلو میں بچھوایا تھا۔
تمام لوگ ہشاش بشاش بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوئے۔ لیکن ابومسلم صدر
مقام میں حسب عادت ساکت اور متفکر بنا بیٹھا تھا۔ اور آہستہ آہستہ نوالے اٹھاتے
ہوئے دروازہ کے باہر حد نظر تک وسیع ہونے والے میدان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
جیسے کوئی چیز نگاہ کو روکنے والی نہ تھی۔ اور جس کے دور ترین کنارہ پر آسمان سرپوش
کی طرح جھکا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ امیروں اور نقیبوں کی جماعت اس کے دائیں
بائیں بیٹھی تھی۔ اور سب ابومسلم کے رعب سے دم بخود تھے۔ البتہ ان میں سے چند آتی ہوئی
آئندہ عظیم الشان لڑائی کی بابت کچھ غور بھی کرتے جاتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہوتے
ہوتے دو پہر دن ڈھل گیا تھا۔ اور سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چلے تھے۔

(۱) طبری ج ۳

ابو مسلم کو اپنی جمعیت کی فکر دل کے سوا اس وقت کوئی اور کام نہ تھا۔ کیونکہ گو ظہور دعوت کی اس قدر قلیل مدت میں اس کے پاس بہت کچھ آدمی فراہم ہو گئے تھے پھر بھی نصر بن سیار کی محصور اور کرمانی اور شیبان خارجی کی محاصر فوجوں کے مجموعہ کو دیکھتے اسکی جماعت بہت کم تھی۔ خالد بن برمک ابو مسلم کا نفس ناطقہ تھا۔ اور ہر وقت سایہ کیطرح اس کے ساتھ رہتا چنانچہ کھانے کے خیمہ سے کبھی یہ دونوں ساتھ ہی نکلے اور کمب کے گوشہ کی طرف ایک اونچی سی جگہ کو چلے۔ بلندی سے ابو مسلم نے اپنی فوج اور بے ہودہ سموں کی سپاہ پر نظر ڈالی جس کے بعد وہ اپنے مشیر اور مخلص دوست خالد کی طرف متوجہ ہوا۔ اور عمامہ کو پشت سر کیجانب کھسکاتے ہوئے مسکرانے لگا۔

ابو مسلم کا تبسم ہونا ایک غیر معمولی امر تھا۔ اور شاذ و نادر ہی اس کے چہرہ پر کبھی شگفتگی کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ خالد نے اس وقت اُسے بشاش دیکھا۔ تو وہ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو گیا تاکہ سنے کیا حکم ملتا ہے۔ اور ابو مسلم نے کہا "کیا تجکو ہماری کمی اور بے سر و سامانی اور دشمن کی زیادتی اور آراستگی سے خوف نہیں آتا؟"

خالد (شگفتہ ہو کر) "جبکہ آپ ہمارے امیر ہیں۔ تو ہمیں کسی بات کا خوف نہیں ہو سکتا۔ میں تو آج اس قدر کثیر اپنے شیعوں کی جمعیت دیکھکر مسرت سے باغ باغ ہو رہا ہوں۔ کیونکہ ابھی تو ہمیں اپنا نشان بلند کئے ہوئے کتنے دن گزرے ہیں؟"

ابو مسلم۔ (قطع کلام کر کے) "تم سچ کہتے ہو۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ غلبہ صرف تعداد کی زیادتی پر موقوف نہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس کا دار و مدار تدبیر اور اتحاد پر ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارے دشمن شمار و سامان میں ہم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ لیکن اُن کی پھوٹ اور باہمی عداوت انہیں اس سے پہلے ہی غارت کر کے رکھدے گی کہ ہم اُن پر حملہ آور ہوں۔ اور اس طرح ہم کو کچھ زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہل یمن کرمانی کے ساتھ ہیں۔ اور بنی مضر نصر بن سیار کے طرفدار پھر اندونوں کی بربادی کے لئے شیبان کے زیر نشان خارجی لوگوں کا گروہ الگ موجود ہے۔

میں بہت جلد ان کا انجام تمہیں دکھا دوں گا۔" ابو مسلم یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ دور
سے افق پر ایک غبار سا اٹھتا نظر آیا۔ اور ابو مسلم اس کی جانب مسرت کی نگاہوں سے
بغور دیکھنے لگا۔ اتنے میں خالد نے کہا۔ "شائد یہ بھی ہمارے شیعوں کی کوئی جماعت
آتی ہے؟"

ابو مسلم۔ (کچھ دیر جواب میں تامل اور تحقیق گرد پر غور کر کے) "سیاہ نشان تو نظر
نہیں آتے نہیں یہ ہمارے ہم خیال لوگ نہیں ہیں" ابو مسلم اور خالد کو زیادہ عرصہ تک
انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اور غبار کا ساعت بساعت قریب آتے جانا۔ اور ہوا کا دامن
گرد چاک کر دینا۔ ان کے سامنے یہ عجیب منظر نمایاں کر گیا۔ کہ عظیم الجثہ سفید ہاتھی پر ایک
مکلف عماری کسی ہوئی ہے جس کے زرکار ریشمی پردے لٹکتے ہوئے ہیں اور اس کے اندر
بیٹھنے والے کو نگاہوں سے چھپا رہے ہیں۔ ہاتھی کے ساتھ ایک مسلح سواروں کے حلقہ میں
ہیں جو حفاظت اور جلوسی کی غرض سے ساتھ ہیں۔ اور ان کے پیچھے سینکڑوں اونٹوں
اور خچروں پر خیمہ و خرگاہ۔ فرش و فروش برتنوں اور کپڑوں وغیرہ کے صندوق بار ہیں
جو سامان جہیز معلوم دیتے تھے۔ ہاتھی کا ساز گنگا جمنی جڑاؤ بنا ہے جس پر آفتاب کی
چمک پڑنے سے نگاہ نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاتھی کے آگے آگے ایک دراز قامت شخص عمامہ باندھے
اور عبا اوڑھے آ رہا ہے۔ اس شخص کو ابو مسلم ایک ہی نگاہ میں پہچان گیا۔ کہ [illegible]
تو ضحاک ہے۔ اور پھر اُسے گلنار کا سارا قصہ یاد آیا جس کی نسبت کرمانی کے فرزند [illegible]
تھی اور اب اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اس خیال سے حیرت میں آ گیا۔ کہ [illegible]
یہ تو میرے یہاں رخصت کر کے بھیجدی گئی۔ یہ کیا بات ہے؟ ابو مسلم یہ سوچ ہی رہا [illegible]
کہ ضحاک لپک کر اس کے سامنے آ پہنچا۔ اور ادب کے ساتھ سلام کر کے اس [illegible]
ہونے کے لئے جھکا۔ لیکن ابو مسلم اُسے روکتے ہوئے کہنے لگا۔ "تو کیا حیا ہمار[illegible]

ضحاک۔ (ہنس کر نہایت پست آواز میں) "ڈرئیے نہیں وہ آپ کی بیو[illegible]
بنے گی۔" (پھر بلند آواز سے) "کیا یہ کیمپ ابی علی کرمانی کا نہیں؟"

خالد۔ (ڈانٹ کر) "احمق۔ کیا تجھے یہ سیاہ نشان بھی نہیں سوجھتے!"

ضحاک ۔ (حیرت ظاہر کرکے) "توبہ ۔ توبہ ۔ ہم راستہ بھول گئے ۔ میرا خیال تھا کہ وہ کمپ کرانی کا ہے" ہاتھ سے اس جانب اشارہ کرکے سر جھکائے ۔ اور گدی کھجلاتا خاموش کھڑا رہ گیا ۔

خالد ۔ "ہاں وہی ہے ۔

ابومسلم کو معلوم ہو گیا ۔ کہ ضحاک کا آنا خالی از علت نہیں ۔ لہٰذا وہ خالد سے الگ ہو کر تنہائی میں چلا ۔ اور ضحاک اس کے ساتھ ہو گیا ۔ کچھ دور جاکر ضحاک نے کہا "جناب ! وہ بیچاری کرانی کے بیٹے کے گھر بجبر ا روانہ کر دی گئی ہے راستے میں اس نے مجھ سے کہا کہ کسی بہانہ سے اُسے آپ کی شکل دکھا دوں ۔ لہٰذا میں ادہر ہو کر نکل آیا اس کا دل ۔ ۔ دکھنا کرکہ "آپ عماری کی طرف دیکھیں گے ۔ تو وہ پردہ کی اوٹ سے آپ کو دیکھ رہی ہوگی ۔ لہٰذا آپ بھی اُس کی جانب ایک نظر ڈال دیں "تب چلنے لگا ۔

ابومسلم نے عماری کی طرف نگاہ اٹھائی جواب اس سے پچاس قدم کے فاصلہ پر تھی ۔ اور اُسے ایک چہرہ پردہ سے نکلا ہوا نظر آیا ۔ جسے ہم چاند سے مشابہ کہیں تو یہ اس کے حق میں ظلم ہوگا ۔ کیونکہ چاند ایک بے رونق اور بے جان سطح ہے ۔ اور اس چہرہ میں سوچ بچار کی کا اثر ہے ۔ آہ ۔ اگر ابومسلم چوٹ کھایا ہوا دل رکھتا ہوتا ۔ تو وہ کبھی اس ماہ وش دلدادہ عورت کے ولی جوش کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھتا لیکن یہاں تو یہ سنگ دل عقل اور چالبازی کے سوا جس سے عزت و ناموری حاصل کر سکے ۔ اور کسی بات کی پرواہ ہی نہیں کرتا تھا ۔ اور عورتوں کی محبت اس کے خمیر تک میں داخل نہ تھی ۔ ہمارا خیال ہے ۔ کہ شاعروں نے معشوقوں کو بُت اور سنگ دل مانا ہے ۔ تو یہ مجاز نہیں ۔ بلکہ حقیقت ہے ۔ اور گو دیگر موقعوں پر اس کی عمدہ مثال نہ مل سکے گی اس جگہ تو صاف صاف ہمارے خیال کی صداقت ہو رہی ہے ۔

اللہ میرے صنم یہ کس چیز کے بنے ہیں
پتھر لپیٹ [illegible] جاتے ہیں آگ نہ برسا ہے

خالد نے مڑکر دیکھا۔ واقعی شہر سے بکثرت سواروں کے لئے دستے بنی اُمیہ کے نشان اٹھاتے ہوئے نکل کر بڑھا جا رہے تھے۔ اور دوسری جانب سے کرمانی کی سیاہ اپنے پھریرے اُڑاتی بڑھ رہی تھی۔ آناً فاناً طرفین کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔ اور پہلے تیر باری کے ذریعہ سے دور کی جنگ شروع ہوگئی۔ اب ابومسلم بھی خالد کی طرف آرہا تھا۔ اور اُس نے بھی میدان جنگ کا تماشا دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ خالد سے نگاہ چار ہوتے ہی وہ مسرور ہوکر کہنے لگا۔ "ہاں اب کام کا موقع آگیا"

خالد ۔ "جناب عالی! کیا ہم بھی حملہ کی تیاری کریں؟"

ابومسلم ۔ "خبردار۔ ایسا کبھی نہ کرنا۔ آج تو ہم چپکے بیٹھے رہیں گے۔ اور اس لڑائی کا انجام ملاحظہ کریں گے۔"

خالد ۔ "کیا وجہ ہے۔ کہ ہم نصر بن سیار کا کرمانی سے معرکہ آرا ہونا غنیمت سمجھ کر شہر پر حملہ نہ کردیں۔ شہر اس وقت محافظ سپاہ سے خالی ہے۔ اور ہم اس پر بخوبی قبضہ کرلیں گے۔"

ابومسلم ۔ (حقارت سے) "کہیں ہوا نہ ہو۔ صاحب ہم شہر پر حملہ کریں گے تو خوف ہے۔ کہ وہ دونوں دشمن باہم مل کر ہماری خبر لینے کو تیار ہو جائیں گے۔ بہر حال ہمارا کل تک صبر کرنا ضروری ہے۔" اس قدر گفتگو کے بعد یہ دونوں سلیمان بن کثیر کے مکان پر پہنچے جہاں تمام بڑے بڑے نقیب جمع تھے۔ اور خالد ہی کی طرح حملہ کردینے کا خیال رکھتے تھے۔ ابومسلم سے انہوں نے رائے دریافت کی تو اس نے جنگ کی مخالفت اور صبر کی ہدایت کی۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہوکر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ تاہم ان کے دلوں میں جنگ کی گدگدی اُٹھتی تھی۔ اور وہ جلد حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھے۔ شام ہوئی۔ اور دونوں جنگ آزما کرلشکر اپنی اپنی جگہ پر واپس بھی گئے۔ مگر ابومسلم کے ماتحت نقیبوں کا یہی خیال رہا۔ کہ ابی مسلم اس وقت لڑائی سے باز رہ کر سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ اور ابومسلم بالکل خاموش تھا۔ رات کی تاریکی غالب ہونے پر ابومسلم نے تمام نقیبوں کو جو کسی کے ساتھ منتخب

سر کرنے کا حکم دیا۔ اور سلیمان بن کثیر اور خالد کو تنہائی میں مشورہ کی غرض سے بلایا
ابھی وہ ان لوگوں سے کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ اور
جب اُسے اندر بلایا گیا۔ تو ایک سوار کسی شخص کو گرفتار کیے ہوئے اندر داخل ہوا
جس نے کہا "یہ آدمی ہمارے لشکر میں آگیا تھا۔ اور بوجہ اجنبی ہونے کے ہم نے
اس کو گرفتار کر لیا ہے" ابومسلم شمع کی روشنی میں گرفتار شخص کو دیکھتے ہی پہچان
گیا کہ یہ تو ضحاک ہے۔ اور اس نے حیرت سے کہا۔ ضحاک!

ضحاک:- "جناب عالی! غلام حاضر ہے"

ابومسلم نے اس کی رہائی کا حکم دیا۔ اور جب ضحاک کی مشکیں کھول دی گئیں
اس سے آنے کی وجہ دریافت کی جس کے جواب میں ضحاک نے کہا "میں کچھ
باتیں تنہائی میں سنئے گا؟"

ابومسلم نے اُسے تنہائی کا طالب سمجھ کر خالد اور سلیمان سے دوسرے کمرہ
میں چلے جانے کا اشارہ کیا۔ اور خلوت ہوگئی۔ تو ابومسلم نے ضحاک سے اشارہ
کہا "کہو کیا کہتے ہو"

ضحاک:- (دوزانو ہو کر اور جھک کر) "جناب عالی! آپ مجھے اس بات
کی اجازت عطا فرمائیں۔ کہ میں آج کے دن آپ کے صبر و سکون کرنے کی تعریف
کروں مجھے سخت خوف تھا کہ مبادا آپ دشمن کو مصروف جنگ دیکھ کر خود بھی
میدان میں نکل آئیں"

ابومسلم:- "تم بے خوف و خطر رہو۔ ہاں اور کیا؟"
ضحاک:- "کیا میں کسی رائے دینے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"
ابومسلم:- "نہایت شوق سے۔ تم نے تو میرے دل کا راز اس قدر
جلد معلوم کر لیا جیسے غیب داں ہے۔"
ضحاک:- (آہستہ سے جھک کر) "جناب میں نے ایک اہم بات ابھی ابھی سنی ہے جو
تو کافی نہیں تھا۔ اور آپ کے ساتھیوں کی نسبت مجھے خوف پیدا ہو گیا"

ابو مسلم ۔ "وہ کیا؟"

ضحاک ۔ "جس دلہن کو لیکر کرمانی کے خیمہ گاہ میں پہنچا۔ تو وہ جنگ کیلئے میدان میں جا چکا تھا۔ اور نصر بن سیار کے مقابلہ پر آمادہ تھا۔ مبارک دولہا جسکو یعنی علی بن کرمانی بھی میدان جنگ ہی میں تھا۔ دلہن کو خیمہ میں ٹھہرا کر میں نے کرمانی کی تمام حالت کو بغور جانچنا شروع کیا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ بہت بھاری فوج کا مالک ہے جس میں یمن کے مشہور اور جنگجو لوگ اس کثرت سے ہیں۔ کہ آپکے سپاہیوں سے کم از کم پانچ حصے زائد ہوں گے۔ نصر بن سیار کی فوج اہل یمن کے مقابلہ میں آئی۔ تو اس کی تعداد بھی اس سے کم نہ تھی اور وہ ہر طرح سامان جنگ سے آراستہ تھے۔ میں ڈرا کہ کہیں آپ دھوکا کھا کے ان جماعتوں پر حملہ نہ کر بیٹھیں جو آپ کی ناکامی کا باعث ہو کیونکہ عرب یمن کے ہوں یا مضر والے ہیں۔ تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے جہاں ان کو یہ نظر آیا۔ کہ خراسان والے ان کے مقابلہ پر آئے ہیں۔ تو وہ ضرور آپس میں متحد ہو جائیں گے۔ اور غیروں کے سامنے اپنی باہمی عداوت کو کر رکھینگے۔"

ابو مسلم ۔ (حیرت اور پسندیدگی کے لہجہ میں) "سچ ہے۔ ہاں۔ کہو"

ضحاک ۔ "بس میری سمجھ میں یہ آیا۔ کہ آپ کے واسطے ان دونوں فریقوں میں باہمی عداوت کا بڑھانا ہی بیحد مفید ہوگا"

ابو مسلم ۔ (ضحاک کی قابل قدر رائے۔ اور دور اندیشی سے سخت متحیر ہو کر کیونکہ اس نے بھی یہی تدبیر سوچی تھی) "ہاں اے شخص یہی رائے ٹھیک اور مفید ہے اور میں بھی اسی کو سوچ رہا تھا۔ مگر کیا تدبیر ہے جس سے آج ہی رات میں ہم یہ فتنہ ڈال دیں۔ اور کل صبح کو اُسے مفید نتیجہ کا معاینہ کر کے خوش ہوں؟"

ضحاک ۔ "تو کیا حضور مجھ سے رائے لیتے ہیں؟"

ابو مسلم ۔ "رائے لینے میں کیا مضائقہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مگر میرے خیال میں موزوں نہ ہوئی۔ تو پھر اپنی تدبیر پر عمل کروں گا۔ ورنہ تیری ہی تجویز

عمل میں لا دوں گا۔"

ضحاک ۔ (ایک ہاتھ سے سر جھکائے۔ اور دوسرے ہاتھ سے عمامہ کو تھامتے
ہوئے تاکہ وہ گر نہ پڑنے پائے) "واہ ضحاک! تیرے کیا کہنے ہیں؟ اب تو امیر تجربہ کر
رائے لیتا ہے۔" (پھر متین بن کے) "میری رائے تو یہ ہے۔ کہ آپ دو خط لکھوائیں۔
اور دونوں امیر شیبان حروری خارجی کے سردار کے نام ہوں۔ ایک خط میں یہ مضمون
ہو کہ یمن کے قبائل بے وفا ہوتے ہیں۔ تو ان کے کہنے میں نہ آ ۔ اور میرے ساتھ
مل جا تاکہ میں کامیاب ہوں۔ اور پھر دیکھ لے گا۔ کہ یمن والوں کو کیسا برباد کرتا ہوں
اسی طرح کرمانی اور اس کے ساتھیوں کی بہت کچھ مذمت کیجئے۔ یہ خط جس قاصد
کو دیا جائے وہ نصر بن سیار کے خیمہ گاہ کے قریب ہو کر گزرے جس کو مضری
عرب ضرور پکڑ کر اس کی تلاشی لیں گے۔ اور خط پڑھ کے خوش ہوں گے۔ کہ آپ کرمانی
کے دشمن اور مضری عربوں کے طرفدار ہیں۔ اس طرح نصر بن سیار آپ کا دوست
بن جائے گا۔ اور آپ سے میل کرنا چاہے گا۔ دوسرے خط کا مضمون اسی طرح
مضری عربوں کی مذمت اور نصر بن سیار کی ہجو سے پُر ہو۔ اور اُسے جس قاصد
کے ہاتھوں ارسال کیا جائے۔ اس کو ہدایت کی جائے کہ وہ کرمانی کے کیمپ کے
پاس ہو کر گزرے تاکہ یمن والے اس کو گرفتار کر سکیں ۔ اور خط برآمد ہوگا تو
تو اسے پڑھ کر خوش ہوں گے۔ کہ آپ یمن والوں کے طرفدار اور ان کے حامی ہیں۔
اس طرح وہ بھی آپ سے مل جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اس کارروائی کے
بعد کل صبح آپ کے میدان میں آتے ہی یمن اور مضر دونوں قوموں کے عرب
آپ سے نہ بولیں گے۔ بلکہ اس امید میں کہ آپ ان میں سے کس کا ساتھ دیتے ہیں
خاموش کھڑے رہ جائیں گے ۔" یہ کہہ کر زور سے ہنسنے لگا۔ ابو مسلم بھی باوجود
خلاف عادت ہونے کے اس کے ساتھ کسی قدر ہنس ہی پڑا۔ اور یہ تجویز سن کر خوشی
سے کھل گیا۔ پھر ضحاک سے کہا :

"اے شخص! تو کوئی بڑا آدمی ہے۔ تیری یہ ظاہری بالکل مسخرے کی وضع دکھاوے

کے لئے دھوکے کی ٹٹی ہے۔ میں ابھی آپ کے مشورہ پر کاربند ہوں گا۔" یہ کہکر ابو مسلم
اٹھا تا کہ منشی کو بلا کر خطوط لکھوائے لیکن ضحاک نے اس کا دامن تھام لیا۔ اور کہا
"اور میں اب کیا کروں؟"

ابو مسلم۔ "اپنی معقول خدمت کے بابت انعام لے لے۔"

ضحاک۔ "انعام؟ نہیں مجھکو انعام کی ضرورت نہیں میں اپنی خدمتگزاری
کا معاوضہ نہ لوں گا۔ اور پھر میں نے ابھی کیا کیا ہے؟ ہاں شائد آئندہ کوئی نمایاں
کام کرسکوں۔ بہرحال اب تو میں اپنی بانو گلنار کے پاس جا کر اس سے آپ کا سلام
وشکر گزاری کا پیام کہوں گا۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ اس سے محبت رکھتے ہیں
بلکہ اس لئے کہ وہ غریب اتنی ہی بات سنکر خوش ہو جائے گی۔ اور اپنے کانے
شوہر کی صورت دیکھنے کا غم بھول جائے گی۔"

ابو مسلم۔ (حیرت سے) "وہ کون؟"

ضحاک۔ "وہی علی بن کرمانی جو بدصورتی کے علاوہ اندھوں میں کانا
راجا بھی ہے لیکن کیا کیا جائے گلنار بانو سے اس نے حسب شریعت نکاح کیا!
اور ہم دیکھیں گے۔ کہ یہ نکاح اس کے کس کام آتا ہے۔ اچھا میرا سلام لیجئے میں تو اب
چلا۔ ضرورت کے وقت پھر کوئی خبر لیکر حاضر ہوں گا۔" اور جلد جلد کمرہ سے نکل کر
ایک طرف چلدیا۔

ابو مسلم نے فوراً دستک دیکر خالد اور سلیمان کو بلوالیا۔ اور خطوط لکھوا کے دو
ہوشیار شخصوں کے حوالے کئے گئے۔ انہیں ہدایت کردی گئی تھی۔ کہ نصر اور کرمانی کے
لشکروں میں یہ خطوط پڑھ لئے جائیں تو الٹے پیروں واپس چلے آنا۔ اور شیبان
کے پاس نہ جانا۔ دونوں خطوں نے حسب مراد اثر دکھایا۔ کرمانی اور نصر دونوں کی
پشت اس خیال سے قوی ہوگئی۔ کہ نیا دشمن ہمارے ساتھ اور ہمارے مخالف
کا تشنۂ خون ہے۔ اس کے علاوہ اسی رات میں ابی مسلم کے پاس مقامات نساط
ابیورد اور مرورود، وغیرہ سے بہت کثیر جماعت شیعوں کی بھی آگئی۔ اور آج

تم کیسی سسرال ؟ تو ساس کی شکل نظر آتی ہے نہ نند بھاوجیں دکھائی دیتی ہیں۔ بس
یہی ہے۔ اور اس کی ہمراہی عورتیں یا کچھ کنیزیں جو سسرال کی طرف سے خدمت کو
مامور ہوئی ہیں۔

ریحانہ گلنار کو اس کے کمرے میں لے گئی جہاں اس نے سفر کا لباس جلد جلد اتارا
اور نیا جوڑا بدلوایا۔ اس اثنا میں وہ بھی خاموش تھی۔ اور گلنار کا چپ رہنا تو ضروری
تھا۔ لیکن اتفاق سے ریحانہ کی نظر گلنار کے چہرہ پر جا پڑی۔ اور یہ دیکھ کر اس کا دل
ملنے لگا کہ اس کی پیاری بانو فرط قلق سے اشکبار ہے۔ ریحانہ رنج سے بیتاب
ہو کر بول اٹھی "ہائیں! بانو۔ آپ روتی کیوں ہیں؟" کہنے کو تو وہ اتنی بات کہہ
گئی لیکن دل بھینچ نے اس کی زبان آگے نہ چلنے دی۔ اور وہ بھی آنکھوں میں آنسو
بھر لائی جس کے ساتھ گلے میں شدت غم سے پھندا سا پڑ گیا۔ گلنار ریحانہ کی
حالت دیکھ کر بدستور چپکی رہ گئی۔ اور یہی اشکباری قائم رکھی۔ پھر ریحانہ نے بات
ٹالنے کے لئے بال گوندھنے شروع کر دیے۔ اور ذرا دیر میں اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ تو
بار دیگر آواز میں پھندا پڑنے سے ڈرتے ڈرتے کہنے لگی "بانو! آخر یہ میری بات کا
جواب کیوں نہیں ملتا؟"

گلنار نے پرنم آنکھوں سے ریحانہ کی طرف دیکھ کر "ریحانہ! کیا پوچھتی ہو؟
تمہیں مجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ خیال تو کرو، ہم اس وقت کہاں ہیں؟ آہ بابا جان
کے گھر سے کیونکر نکلنا ہوا۔ اف وہ میرا قلعہ اب کہاں؟ میرے محبت کرنے والے
باپ کا دل کیسا ہو گیا؟ ہائے۔ اس نے گلنار کو کہاں بھیج دیا۔ ارے یہ سسرال
ہے یا مقتل؟ دیکھ تو مجھ پر تیر آ آ کر پڑ رہے ہیں۔ ہائے تجھے یہ بھی تو نہیں معلوم کہ
میرا شوہر کیا ہوگا؟ اور روتی ہے۔

ریحانہ نے تسلی دینے کے لئے "ہائیں بی بی! آپ کیا کہتی ہیں۔ ارے
یہ اب آپ کا گھر ہے۔ آپ امیر ابی علی کرمانی کے یہاں آئی ہیں اور اس کے
فرزند کی بیگم بنکر یہ سارا لشکر آپ کے احکام کی تعمیل کو حاضر ہے۔"

گلنار ۔ (خفا ہو کر غمگین آواز میں) " وہ علی کہاں ہے۔ میں نے تو اس کی تصویر بھی نہ دیکھی اور دیکھوں بھی تو کیسے پہچانوں؟ ۔ ہائے اباجان! آپ نے مجھے جہنم میں ڈال دیا۔ بس جس کے گھر آؤں۔ اس کی شکل ہی نہ دیکھنے میں آئے؟ ۔ آہ "

ریحانہ ۔ (دلاسا دیتے ہوئے) " بانو! آپ گھبراتی کیوں ہیں۔ آپ کے دولہا آتے ہوں گے۔ اور اس شان سے کہ وہ خود اور ان کا گھوڑا۔۔ دشمنوں کے خون سے رنگین بنے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے آتے ہی ان کے باباجاں امیر کرمانی مرو والوں سے لڑنے کو میدان جنگ میں گئے تھے۔ اور یہ نامناسب تھا۔ کہ وہ باپ کے ساتھ نہ جاتے۔ اب آئیں گے۔ تو فتحمند ہو کر جس کی مسرت سے ان کا چہرہ دمک رہا ہوگا۔ ابھی آپ کو فتح وظفر کا چسکا نہیں پڑا ہے۔ ایک مرتبہ اس کی چاٹ لگ گئی۔ تو پھر دیکھئیگا کہ دشمن کو زک دینے کی فرحت سے دل کس قدر باغ باغ ہوتا ہے "

گلنار ۔ (لڑائی کا نام سننے سے کانپ کر) " تو وہ اور میدان جنگ میں ہے؟ مجھے تو یہ بتایا گیا تھا۔ کہ شہر مرو کا مالک و حاکم ہے؟ "

ریحانہ ۔ " ہاں معاملہ تو ایسا ہی تھا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ کسی سبب سے وہاں رہ نہ سکا۔ اور باہر نکل آیا۔ تاہم اب کوئی دنوں کی بات ہے۔ کہ وہ پھر شہر مرو پر قابض ہو جائے گا۔ اور وہاں کا حاکم بنے گا "

گلنار ۔ (غصہ سے سرخ ہو کر اور ریحانہ کو جھڑک کے) " میں نہیں جانتی۔ وہ شہر کو فتح کرے۔ یا نہ کرے۔ میں اس کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں۔ مجھے اسی وقت یہاں سے لے چل۔ ریحانہ! چاہے کہیں چل مگر بس اس جگہ نہیں رہتی "

ریحانہ نے گلنار کا غصہ کم کرنے کے لئے مسکرا کر اس کے خوف کو نظر حقارت دیکھنے کا اظہار کیا۔ اور چپ رہ گئی۔ اس نے گلنار کو کنگھی چوٹی سے خوب آراستہ کر کے نفیس عنابی رنگ کا لباس پہنا کر اوپر سے مرصع پٹکا باندھ کر اعلیٰ درجہ کا قیمتی زرکار شالی رومال اس کے کندھوں پر ڈالا تھا اور بخوبی دولہن بنا دیا تھا۔ گلنار کا رنگ سفر کے تکان سے اس وقت اسم بامسمیٰ ہو گیا تھا چہرہ پر ہلکی گلابی رنگت کے بجائے گہری

زبان پر آگیا۔ لیکن ساتھ ہی وہ چونک کر شرما سی گئی۔ اور فوراً رومال سے آنسو پونچھنے کا بہانہ کر کے منہ چھپا لیا۔

ریحانہ دل میں سخت نادم تھی۔ کہ اس نے بانو کو یہاں لانے میں کیوں جلدی کی لیکن جو کچھ ہونا تھا۔ وہ ہو چکا تھا۔ اور اب بجز اس کے کہ وہ گلنار کو تسکین و دلاسا دے کیا کر سکتی تھی چنانچہ اس نے ہنس کر کہا۔ "بی بی! لڑائی ہم سے بہت دور پر ہو رہی ہے۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ ایک تیر شامت کا مارا کسی طرح یہاں آ گرا یقین نہ ہو تو خود دیکھ لیجے۔" اور زبردستی بانو کا شانہ تھامے اُسے دروازہ کے باہر لے گئی جس صحن قناتوں سے گھیرا ہوا تھا۔ اور اس میں تھوڑی دور پر ایک بلند ٹیکرا تھا۔ اس پر چڑھ کے ریحانہ نے گلنار کو میدان جنگ کی سیر دکھائی جہاں اس وقت نہایت زور شور سے ہنگامہ دار و گیر برپا تھا۔ تلواروں کا چمک کر بجلی کی طرح گرنا۔ نیزوں کا گردش میں آ آ کر جسموں کو چھیدنا۔ تیروں کا سنسناتی ہوئی لوگوں کو بسا جانا۔ اور سواروں کا پشت زین سے زخمی اور بیجان ہو کر زمین پر آ رہنا۔ یہ خونی منظر دیکھ کے گلنار برگ بید کی طرح کانپنے لگی۔ اور بھاگ کر خیمہ کے اندر جا چھپی ریحانہ بھی اس کے ساتھ آ گئی۔ اور دونوں پر ایک سناٹے کا عالم اس وقت طاری تھا۔ شام کا وقت نزدیک آتا جاتا تھا۔ اور گلنار کا تردد ضحاک کے اس طرح بے اطلاع و اجازت غائب ہونے پر بڑھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ نادیدہ خاوند کی آمد آمد کا خیال اور بھی اس کے دل پر ستم توڑتا تھا۔ کیونکہ اس سے محبت نہ رکھنے کے ماسوا اس کا دل تو کسی اور ہی تیر مژگاں کا نشانہ بن چکا ہے۔ اور اب اس دل میں غیر کی الفت کیونکر گھر کر سکتی ہے۔ گلنار نے اسی تردد سے پریشان ہو کر ریحانہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اور ریحانہ کو محسوس ہوا کہ بانو اس وقت سر تا پا کانپ رہی ہے۔ وہ گھبرا کر کہنے لگی۔ "ایں! بی بی آپ کانپتی کیوں ہیں؟"

گلنار: "آہ۔ ریحانہ! کیا پوچھتی ہے جس سے نفرت ہے۔ اس کے ملنے کا وقت سر پر آ رہا ہے۔ ہائے میں اس کا سامنا کس طرح کروں گی؟ کیا سچ وہ میرا شوہر ہے؟ نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے پاس جانے سے مر رہنا۔" پھر ریحانہ کا ہاتھ

اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کے "بس تو ہی مجھے اس آفت سے نجات دلائیگی"

ریحانہ - گلنار کی گفتگو اور حالت سے متاثر ہو کر "اماں تو آپ خدا پر نظر رکھیں لونڈی اپنی طرف سے کوئی کسر نہ رکھے گی - اور آگے خدا کا کرنا جو ہو - لیکن آپ اس کے سامنے اپنی نفرت کا اظہار ہرگز نہ کیجئے گا - دل کڑا رکھ کر اسی سے ملئے تو ابھی ہو چکا بھلا اور اسی وقت سے اسے برا خیال کر لیا؟"

یہ سنکر گلنار نے کچھ ایسی نظر سے ریحانہ کی طرف دیکھا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ بزبان حال کہتی ہے - "کیا تجھے معلوم نہیں - کہ اس دل میں ابومسلم کی محبت گھر بنا چکی ہے" اور ریحانہ اس رمز کو سمجھ کر مسکرا کے بولی "صبر اور عقل سے کام لیجئے - انشاءاللہ آپ کی وہ مراد بھی حاصل ہو گی"

ان میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی - کہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی صدا - اور آدمیوں کا ملا ہوا شور و غل خیمہ کے قریب سنائی دیا - ریحانہ سمجھ گئی - کہ فوج میدان جنگ سے واپس آگئی ہے - اور دولہا عنقریب آنا ہی چاہتا ہے وہ گلنار کو خیمہ کے اندر چھوڑ کے خود باہر گئی - اور دیکھا کہ اس کا گمان بجا تھا - اس نے لوٹ کے پھر کہا - "کہتی تھی بی بی جان! لیجئے امیر خراسان [illegible] آگیا ہے - اور اب وہ آپ سے ملنے آئے گا خبردار کراہت ظاہر نہ کیجئے گا"

گلنار - "ضحاک بدبخت کہاں مر رہا"

ریحانہ - "بیوی! ابھی اسے کیوں کوستی ہیں - آنے تو دیجئے آپ ہی بتا دیگا کہ کہاں اور کیوں گیا تھا - ریحانہ کی گفتگو چند خادمہ عورتوں کے آجانے سے ناتمام رہی - وہ کنیزیں روشنی کرنے کیلئے آئی تھیں - اور مشعلیں لائی تھیں جو قناتوں کے اندر والے صحن میں لگا دیئے - اور کچھ ہی وقفہ کے بعد قناتوں کے اس طرف کسی کو آواز بلند یہ کہتے سنا "میری دلہن [illegible] کا خیمہ کون سا ہے؟"

گلنار نے یہ آواز سنتے ہی [illegible] سر سے پاؤں تک کانپ گئی - اور ریحانہ دولہا کی استقبال کرنے کے لئے لپک کر دروازہ پر چلی گئی۔

مرد گنجان چوڑا سینہ اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اور اب وہ گلنار کے پاس ہی زانو پر تلوار رکھ کے بیٹھ کر کہنے لگا۔ "گلنار بانو! ہم تم سے بہت امید تھے کہ آج کی رات آرام پانے سے تمہارا تکان دور ہو جائے گا۔ تمہارے قدم عین معرکۂ کارزار میں آئے اور میں مصروف جنگ ہونے کے باعث پیشوائی نہ کر سکا۔ معاف کرنا۔ اور مجھے خیال ہے کہ ان قدموں کی برکت سے میں فتحیاب بھی ہوں گا کیونکہ آج لڑائی میں ہمارا پہلو قوی ہو چکا ہے۔"

گلنار کی زبان شرم اور خجالت کے باعث بند تھی۔ لیکن ریحانہ کو ایک برمحل تجویز سوجھ گئی۔ اور وہ کہنے لگی "امیر کے دوست شاد، دشمن پامال! ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہم گھر سے چلے تھے۔ تو سمجھتے تھے کہ شہر مرو کے اندر آکر ٹھہریں گے۔ لیکن یہاں بات کچھ اور نکلی۔ تاہم امید ہے کہ اب زیادہ عرصہ تک یوں میدان جنگ کے کیمپ میں ہمارا رہنا نہ ہو گا۔"

علی۔ (ذرا کڑک کے اور جوش میں آکر) "تم کچھ ہی دنوں پہلے آتیں تو غالباً بلدہ راست شہر ہی میں ٹھہرتیں۔ کیونکہ اس پر ہمارا قبضہ تھا لیکن چند روز ہوئے کہ وہ ہم سے چھوٹ گیا۔ اور ان شاء اللہ اب پھر اس کو لیے لیتا ہوں۔ بات ہی کیا ہے۔"

گلنار سمجھ گئی کہ ریحانہ نے یہ بات کیوں چھیڑی ہے۔ اور دل میں خوش ہو کر شرم سے رکتے ہوئے کہنے لگی۔ "امیر! اس طرح تو میں بدقدم آئی۔ آپ مبارک قدم مجھ سا کہتے ہیں۔ اگر در اصل میں ایسی ہی ہوتی۔ تو شہر مرو کے دارالامارۃ میں آکر رہتی۔"

علی۔ (جوش میں آکر) "و بخدا! معاف کرو۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ مجھے تمہارے مبارک قدم ہونے کا یقین ہے۔ اور ان شاء اللہ بہت جلد میرے قول کی صداقت تم پر آشکارا ہو جائے گی۔"

گلنار۔ "آپ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اپنے آنے کی نحوست اسی بات سے ظاہر ہوئی کہ جس وقت سے اس خیمہ میں آئی ہوں اس وقت سے آج

طرف تیری برستے نظر آتے ہیں۔ اور کلیجہ ہلائے دیتے ہیں"

علی "پہلے سے زیادہ جوش میں آکر اور شیخی میں ہر ایک دشواری کو آسان سمجھکر" اچھا خدا کو منظور ہے تو کل تمہاری شب باشی مرو کے قصر امارت میں ہوگی" علی نے یہ بات اپنی محبوبہ دلہن کا دل خوش کرنے کے واسطے کہدی۔ اور یہ نہ سمجھا کہ مرو میں داخل ہونا ٹیڑھی کھیر ہے۔ مگر ریحانہ اس کی اس غلطی سے فائدہ اٹھانے کو غنیمت سمجھکر بول پڑی (گلنار سے) "بانو! دیکھو امیر تم سے کہہ چکے۔ کہ کل تمہاری شب باشی مرو کے دارالامارۃ میں ہوگی۔ اور ان کی بات پتھر کی لکیر جانو"

علی (محبت اور غرور کی وجہ سے بیخود ہوکر) "بیشک تم کل رات کو دارالامارۃ ہی میں رہوگی" پھر سوچا۔ کہ اس نے جلد بازی میں یہ بات کہدی ہے۔ اس لئے میعاد بڑھانے کے خیال سے کہنے لگا "اور کم سے کم تمہارے ساتھ یہ وعدہ توضرور کرتا ہوں۔ کہ اس لائق زیب جمال سے اسی وقت لطف زندگی حاصل کروں گا جب تمہیں دارالامارۃ میں پہنچا دوں"

گلنار اس بات کو سنکر دل میں تو نہال ہوگئی لیکن بظاہر شرم سے سر جھکایا اور خاموش رہ گئی۔ ریحانہ اس کیفیت کو دیکھکر بولی۔ "ماشاء اللہ سے بڑے جوانمرد ہو اور جوانمرد قول کے پورے ہوتے ہیں" گویا معاہدہ پر تصدیق کے لئے مہر بھی لگا دی۔ علی ریحانہ کی بات سنکر یہ کہتا ہوا اٹھا "اچھا خدا حافظ۔ کل دیکھنا کہ میں کسطرح بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اب تم آرام کرو" اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔ وہ جا چکا۔ تو ریحانہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بیوی کی طرف نظر اٹھائی اور کہا "کیوں یہ قول قرار کیسا رہا؟"

گلنار "بہت اچھا مگر مجھے ڈر ہے۔ کہ مبادا وہ کل شہر میں داخل ہو جائے"

ریحانہ "کیا ممکن ہے لیکن مان لیجئے کہ ایسا ہی ہوگا۔ تو پھر وہ آپکے لئے قابل فخر ہے۔ اور ابی مسلم اس کے سامنے کچھ نہ رہ جائے گا"

گلنار (ریحانہ کی بات کاٹ کر) "چپ چپ! ابومسلم کے مقابلہ میں

میرے نزدیک کسی کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس کے ساتھ مجھے ٹوٹے ہوئے جھونپڑے میں رہنا پسند ہے۔ مگر دوسرے کے ساتھ راج رچنا گوارا نہیں ؎

ریحانہ پر گلنار کی ان باتوں کا نہایت گہرا اثر پڑا وہ دل میں کہنے لگی "اللہ اللہ یہ ابومسلم پر اس قدر مٹی ہوئی ہے۔ پھر گلنار سے کہا۔ "خیر اس بات کو تو خدا کے حوالہ کیجئے کل کا دن کچھ دور نہیں۔ مگر اس وقت تو ضحاک کی عدم موجودگی نے میرا دل پریشان کر رکھا ہے۔ وہ آیا تو اس غرض سے تھا کہ آپ کے پاس حاضر رہے۔ اچھا چل کر کھانا تناول کر لیجئے۔ پھر جو کچھ ہوگا اسے ہم دیکھ لیں گے ؟

دل تو نہیں چاہتا تھا مگر ریحانہ کے کہنے سننے سے گلنار اٹھی۔ اور ساتھ ہی کے کمرہ میں دسترخوان پر جا بیٹھی جسے خوش سلیقہ کنیزوں نے بڑی خوبی کے ساتھ آراستہ کر رکھا تھا۔ اور ہر ایک نعمت اس پر موجود تھی۔ گلنار ہنوز پوری طرح بیٹھی بھی نہ تھی۔ کہ باہر سے ایک خادم نے صدا دی "ضحاک موجود ہے۔"

گلنار خوش ہو کر چاہتی تھی۔ کہ پہلے ضحاک سے مل لے۔ پھر کھانا کھائے۔ لیکن ریحانہ نے اسے روک کر کہا۔ "بیوی! تم خاصہ تناول کرو ضحاک بھی بھوکا پیاسا آیا ہوگا جب تک وہ کچھ کھالے گا" پھر خادم سے کہا "ضحاک کو کھانا کھلا دے۔ اور غلام گردش میں ٹھہرنے کا حکم سنا دے۔ بانو خاصہ کھا کر ابھی آتی ہیں "

تھوڑی دیر کے بعد گلنار خوش خوش اپنے خوابگاہ کے کمرہ میں پہنچ گئی۔ جلدی میں کھانا بھی کچھ یونہی سا کھایا۔ اور ضحاک کو وہاں طلب کیا تو دیکھا پوچھا "ارے تو کہاں گیا تھا ؟"

ضحاک نے سر اٹھایا۔ اور اپنی ہنسا دینے والی شکل گلنار کو دکھائی۔ ضحاک کی داڑھی اور مونچھوں کے بال اس وقت اتنے پریشان۔ اور گرد آلود تھے۔ کہ صورت شناخت نہیں ہو سکتا تھا۔ عمامہ سر پر ذرا آگے کو جھکا ہوا دھرا تھا۔ اور اسی طرح ہر ایک چیز [illegible] سے [illegible] ہوتا تھا۔ گلنار اس کی ہیئت کذائی دیکھتے ہی ہنس پڑی [illegible] ضحاک نے بھی دیر تک ہنسا چھوڑا [illegible] [illegible] [illegible]

کیا۔ اور خود بھی مع ریحانہ کے بیٹھ گئی۔ ضحاک مودب دوزانو ہو کر سامنے فرش پر بیٹھ گیا
تو اس نے کہا "حضور عالیہ! میرا بلا اجازت چلا جانا بہت برا تھا۔ لیکن حضور معاف
کریں۔ تو آپ کے مراحم سے بعید نہ ہوگا۔"

ریحانہ۔ "واہ۔ تو خدا وند نعمت دہقان کی فہمائش بھول گیا۔ انہوں نے
کیا کہہ دیا تھا کہ کبھی ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ اور بانو کے احکام کی پوری طرح تعمیل
کرتے رہنا؟"

ضحاک۔ (مذاقاً شرمندہ بن کر) "ہاں مجھ سے یہ غلطی تو ضرور ہوئی کہ
آقا کی ہدایت سے مخالفت کی لیکن کیا بانو کے کام میں کوشش کرنا۔ اس کا کفارہ
نہ بن جائے گا؟"

ریحانہ۔ "مردک سمجھے تو بس وہی مسخرہ پن سوجھتا ہے۔ ارے! اب
مذاق کو تو جانے دے۔ اور صاف صاف بیان کر تو گیا کہاں تھا؟"

ضحاک۔ "تو نے میری بات نہیں سمجھی تو کیا ہوا۔ بانو تو سمجھ گئی ہیں۔" پھر
گلنار کی طرف دیکھ کے اور سر ہلا کر کہا۔ "یہ بات ہے ہاں ہے" کشمکش کے ساتھ

گلنار۔ (خوش ہو کے) "شاید تو ابو مسلم کے پاس گیا تھا؟"

ضحاک۔ (زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے یکایک رک کر اور ریحانہ سے
مخاطب ہو کے) "دیکھا تو نے! سمجھ لی اور دل! رنا آنکھوں میں کتنا فرق ہوتا ہے؟" پھر
گلنار سے "ہاں بانو! میں وہیں گیا تھا۔"

گلنار۔ (مشتاق ہو کر) "وہاں کیا کیا؟"

ضحاک۔ "آپ کو یہ بات کل معلوم ہو جائے گی۔"

ریحانہ۔ "اسی وقت بیان کر۔ جب ہم بھی بتا دیں گے کہ ہم نے یہاں کیا
کام کیا۔"

ضحاک۔ (مسکرا کر) "چپ چپ کیوں کرتی ہو؟ میں بتا نہ بتا دوں کہ تم نے
کیا کر رکھا ہے۔ بولو تم نے دولہا سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ دلہن سے خلوت اسی

وقت کرے گا جبکہ دارالامارہ میں اُسے ۔۔۔ لیجائے ؟"

گلنار کو ضحاک کی اس بات کی آگاہی سے حیرت ہوگئی۔ اور اس نے مڑ کر ریحانہ سے کہا "کیا جو کام خود میں نے کیا ہے۔ اس کا علم رکھنا بھی تعجب انگیز بات نہیں ہے ؟"

ریحانہ ۔ "کیونکر ؟ ہم نے تو رفتہ رفتہ اس سے یہ وعدہ لے پایا تھا"

ضحاک ۔ "اور غیاد تو میں نے ڈالدی تھی سنو! میں یہاں سے نکل کر سیدھا دولہا کی تلاش میں گیا۔ اور میدان جنگ کی واپسی میں امیر علی بن کرمانی سے مل کر اسے دلہن کے آجانے کا مژدہ سنایا۔ اور اس سے ایسی باتیں کیں کہ اُس کے اثر نے اُسے اس طرح کا وعدہ کر لینے پر آمادہ بنا دیا"

گلنار اور ریحانہ دونوں کو ضحاک کی دور اندیشی پر کمال حیرت ہوئی اور ریحانہ نے سوال کیا۔ "پھر تم کہاں گئے تھے ؟"

ضحاک ۔ "دوسرے دولہا کے پاس" یہ کہکر خیمہ کی چھت میں بنی ہوئی تصویروں اور بیلوں کو دیکھنے لگا۔ اور ہنسی کو ضبط کر گیا۔

ریحانہ ۔ "وہاں کیا کیا ؟"

ضحاک ۔ "یہ کل معلوم ہوگا"

مگر گلنار کے اشتیاق نے اسی وقت دریافت حال کر لینے کا اصرار کرایا۔ جس کے بعد ضحاک نے ابومسلم سے ملنے اور وہاں کی گفتگو کا مناسب حال مختصر لفظوں میں کہدیا۔ لیکن جو باتیں رازکی تھیں ان سے پہلو بچا کر آخر میں کہنے لگا "سچ تو یہ ہے۔ کہ وہ خراسانی بڑا زیرک اور دانا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے مجھے عقلمند مان لیا" پھر ہنسنے لگا۔

اور ریحانہ و گلنار بھی اس کی حرکتوں سے خوش ہو کر ہنس پڑیں جس کے بعد ضحاک نے کہا۔ "اب رات زیادہ آگئی۔ آپ دونوں آرام کریں۔ اور میں بھی جاتا ہوں۔ شاید رات کے وقت آپ مجھے تلاش کریں۔ اور میں نہ ملوں تو خیال

کر لیجئے گا۔ کہ کسی کام سے گیا ہے۔ بھاگا نہیں ہے۔" اس کے بعد وہ چلا گیا۔ اور جو کارروائی اس نے کی۔ اس کے نتیجہ سے ناظرین کو ماقبل کے باب میں اطلاع مل چکی ہے۔ کیونکہ کرمانی کے میدان میں بغرض مصالحت جانے کے بعد جو شخص اس کے لشکر میں سے نکل کر بھاگتا ہوا نصر کی فوج میں گیا۔ اور حرث بن سریج کے بیٹے کو اس کے مقابلہ پر اشتعال دلا کر لایا تھا۔ وہ ضحاک ہی تھا۔

گیارھواں باب

یا اللہ انہیں مجھ سے بہ نہ ہو گا

حقیقت کی اگر پوچھو یہ بت رحم مجسم ہیں
مجازاً پر انہیں سفاک و قاتل لوگ کہتے ہیں

ابومسلم اپنے کیمپ میں تنہا خیمہ کے اندر ٹہل ٹہل کر کچھ سوچ رہا ہے۔ کیا سوچتا ہے؟ یہی کہ کس تدبیر سے دشمنوں کی اس قدر کثیر اور متعدد جماعتوں کو شہر مرو کے گرد سے معدوم اور دور کر کے اپنا قبضہ مستحکم کرے۔ اور کیا صورت ایسی نکالے جس کے باعث دشمن آپس میں ہی کٹ مریں اور ایسے ان کے مقابلہ اور مجادلہ کی زحمت بہت کم گوارا کرنا پڑے۔ کرمانی پر اس کا جادو جس قدر جلد چل گیا اور جس طرح اتنے زبردست و خطرناک دشمن کو اس نے دم کے دم میں غارت کر دیا اس بات کی مسرت ابومسلم کے دل کو باغ باغ بنائے دیتی تھی۔ اور اب وہ اپنی لاثانی طباعی اور ذہانت سے اسی الجھی ہوئی اور پیچیدہ گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا۔ جس کا سلجھنا قریب محال معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت ابومسلم کی وہ حالت تھی جو اس گرفتار قفس بھوکے شیر کی ہوتی ہے جس کا شکار قریب ہی موجود ہو۔ اور وہ اچھل کر اسے جا دبوچنے کے لئے بیقراری کے ساتھ پنجرہ کی سلاخوں سے زور آزمائی

کرے۔ تاکہ کسی طرح انہیں توڑ کر اپنا نمکار پکڑ لے کبھی وہ بیٹھ جاتا۔ اور گاہے بیٹھنے
سے اکتا کر ٹہلنا شروع کرتا۔ پتلی سی بید کی قمچی اس کے ہاتھ میں تھی۔ جسے وہ انگلیوں
میں پھنسا کر کھیلتا بھی جاتا تھا۔ یہ گویا ایک قسم کا مشغلہ تھا۔ ابومسلم کی صورت پر
ترش روئی کے آثار اس حد تک ابھر آئے تھے۔ جیسے اس کا جوش غضب سے بھرا ہونا
معلوم ہو رہا تھا۔ اور خیال کیا جاتا تھا۔ کہ اگر اس وقت وہ ہنسنا بھی چاہے تو باوجود
اس کے بمشکل اس کے بشرہ سے غصہ کی علامتیں مٹ سکیں گی۔ کوئی بڑا ماہر قیافہ
شناس جو لوگوں کی صورت دیکھتے ہی ان کے دلی رازوں کو کھلی کتاب کی طرح
پڑھ سکتا ہو اس وقت ابومسلم کا قیافہ مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا۔
کہ وہ خیالی دنیا کے ایسے خون کے دریا میں تیر رہا ہے جس میں انسانوں کے سر حباب
کی طرح بہتے پھرتے ہیں۔ کسی کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور کسی کو محبس میں
بھجوا رہا ہے۔ اسے نہ کسی کی پرواہ ہے۔ اور نہ کسی طرح کا پاس و لحاظ بلکہ جو شخص
اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ اس کا باپ
و بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ ابومسلم اسے بلا تامل قتل کر ڈالتا ہے۔ انہی افکار و تدبیر
کے ضمن میں ضحاک کی خیالی تصویر بھی ابومسلم کی نگاہوں تلے پھر گئی۔ اور اسے گمان
ہوا کہ آج رات کو بھی وہ کوئی نیا حیلہ تراش کر اسے سنانے آئے گا۔ اور جس کو
ضحاک تو سمجھیگا۔ کہ اس کی طبیعت کی نئی اپج ہے۔ لیکن ابومسلم کے نزدیک وہ کبھی
کی پرانی تجویز ہو گی۔ کیونکہ ابومسلم ضحاک کی باتوں پر جس قدر پسندیدگی کا اظہار
کرتا۔ اور انہیں سراہتا تھا۔ وہ سب اس غرض سے کہ ضحاک کا دل چھوٹا نہ ہو۔ اور
آخر میں وہ اس سے کوئی بڑا اہم کام لے سکے۔ ضحاک کے تصور میں یہ بات جم رہی
تھی۔ کہ ابومسلم اس کی چالبازیوں سے بیخبر اور اس کے دام فریب میں گرفتار ہے
اسے یہ خبر ہی نہ تھی۔ ابومسلم اس کے دل کی بات سے پورا واقف اور اس کے
رمز کو پائے ہوئے ہے۔ بلکہ ضحاک کے مشوروں اور لائی ہوئی خبروں سے وہ بکر
آنے سے پہلے واقف ہو چکا تھا۔ یہ پسندیدگی ظاہر کرنا اور تعریفیں سننا ابومسلم

کا ایک فریب تھا جس کے جال میں ضحاک جکڑ لیا گیا تھا۔ ورنہ دل میں ابو مسلم ضحاک کے خون کا پیاسا۔ اور اس کی جان کا خواہاں تھا۔ اس لئے کہ اُسے پہلی ہی ملاقات میں ضحاک سے بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔ آہ۔ ہر آدمی ایک دوسرے کا یوں ہی دشمن ہوتا ہے۔ اور اسی تاک میں رہتا ہے۔ کہ اس کا ساتھی ذرا بھی چوکے اور مال یا روکا ہو جائے۔ خاص کر اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ اختلاف اور گروہ بندیوں نے خود غرضیوں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ لوگوں کے باہمی معاملات میں صفائی معلوم پھر طرہ یہ ہے ابو مسلم کے دل پر امام کی اس ہدایت کا گہرا نقش موجود تھا۔ کہ جس پر شک ہو اسے قتل کر دو۔

ابو مسلم دریائے تفکر میں پڑا غوطے کھا ہی رہا تھا کہ یکایک دربان نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ اور ابو مسلم سمجھ گیا۔ کہ ضحاک آیا ہے۔ اس لئے اس نے فوراً اجازت دیدی۔ اور ضحاک اس ہیئت سے داخل ہوا۔ سر پہ فارسیوں کے وضع کی ایک لمبی ٹوپی تھی جس پر چھوٹا سا عمامہ لپیٹ لینے سے وہ بالکل پیر مغاں کی وضع میں آگیا تھا۔ ابو مسلم نے ضحاک کی صورت دیکھتے ہی اپنی شکل شگفتہ بنالی اور کہا "واہ ضحاک! کیا کہنا ہے۔ تم بڑے وقت سے آئے" تاہم ضحاک نے اس کی سرخ خونی آنکھوں اور پُر شکن تیوروں سے تاڑ لیا کہ ابو مسلم اس وقت کسی بڑے تردد میں مبتلا ہے۔ اس لئے وہ مودّب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور ابو مسلم اُس سے مخاطب ہو کر بولا "یار ضحاک! تم خوب آئے"

ضحاک ۔ (ابو مسلم کے اس قدر تواضع کو خلاف اُمید سمجھ کر اور زیادہ مؤدب بن کے) عالی جناب! میری یہ حیثیت ہرگز نہیں میں تو حضور کا غلام اور آپ کی رضا مندی کا بھوکا ہوں۔ دوست ہونا کجا اور میں کجا"

ابو مسلم ۔ کیا خوب! بھلا کبھی کسی عربی شخص نے فارسی شخص کا غلام بن کر رہنا گوارا کیا ہے جو تم ایسا کہتے ہو؟"

ضحاک ۔ (کچھ دیر سکوت کر کے) "اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمان سب

ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور ان کی ایک دوسرے پر برتری محض خدا پرستی اور جہاد کی فضیلت پر منحصر ہے۔ مگر اب وہ حکومت تو فنا ہو گئی جس کے بل بوتے پر اہل عرب دوسری عجمی قوموں سے نفرت کرتے۔ اور انہیں حقیر تصور کرتے تھے۔ اور یہی عربوں کا بیجا تعصب اُن کی بربادی کا اصلی باعث ہوا۔ اس کے علاوہ خراسان کے بے مثل بہادر اور امام کے نائب و قوت بازو کا غلام ہونا میرے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔"

ابو مسلم ۔ (بناوٹ کی ہنسی ہنسکر بیٹھتے ہوئے) "اچھا بیٹھ تو جاؤ۔" اور جب ضحاک ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھ چکا تو پھر ابو مسلم نے کہا "کہو۔ کیا خبر لائے ہو؟"

ضحاک ۔ "جناب عالی آپ کے اقبال سے سب باتیں بہتر ہیں اس وقت تو میں آپ کو آج کے معرکہ میں کامیاب رہنے کی مبارکباد دینے۔ اور کوئی تازہ حکم لینے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔"

ابو مسلم ۔ "مگر اس کامیابی میں تمہاری تدبیر اور کوشش کا بڑا حصہ شریک ہے جس کا شکریہ ہم تکملۂ فتح کے بعد اس طرح ادا کریں گے۔ کہ تم کو کسی معقول منصب پر مامور کر دیں گے۔"

ضحاک ۔ "امیر والا جاہ! میں تو حکم کا بندہ اور آپ کی خوشنودی خاطر کا خواہاں ہوں۔ اب کوئی حکم دیجئے۔"

ابو مسلم ۔ "تمہارے نزدیک ہمیں اب کیا کرنا چاہئے؟ کل تو تم نے بڑی معقول اور پختہ مغزوں کی رائے دی تھی۔ بہتر دوہ تو کیا کہتے ہیں؟"

ضحاک ۔ (کچھ دیر سر جھکا کر جیسے کوئی بات سوچتا ہے) "کیا کرمانی کے مارے جانے کے بعد آپ اس کے بیٹے سے بھی نبٹنا نہیں چاہتے؟ اس کے بعد تو پھر میدان آپ کے ہی ہاتھ رہے گا۔"

ابو مسلم ۔ "اور شیبان؟"

ضحاک ۔ (قہقہہ لگا کر) "شیبان! اس خارجی کی آپ کے سامنے حقیقت کیا ہے

وہ بھی کوئی چیز ہے؟"

ابومسلم۔ "خوب! چیز کیوں نہیں، فوج اس کے پاس، اور گروہ بندی میں کرمانی سے وہ کم نہیں"

ضحاک۔ "اچھا آپ کرمانی کے بیٹے کا خاتمہ کردیں، پھر شیبان کی فکر میرے ذمہ رہی"

ابومسلم اثنائے گفتگو میں ضحاک کی ٹوپی کو غور سے دیکھ رہا تھا، اور اس کے دل میں یہ شوق گدگدی ڈال رہا تھا کہ کسی طرح اس ٹوپی کے پیچھے کا راز معلوم کرے، کیونکہ ٹوپی کے کناروں سے اسے ضحاک کا سر منڈا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سے ضحاک کی ٹوپی کو ٹھوکا دیکر کہا "یہ ٹوپی تمہیں کس نے دی؟" اور بظاہر ایسی صورت بنائی گویا اس نے غلطی سے ٹوپی کو ٹھوکا دیا ہے۔ ضحاک کی ٹوپی چھڑی لگتے ہی جھٹ سے زمین پر آرہی، اور اس کے نیچے سے اس کا صفاچٹ سر چھلے ہوئے کسیرو کی طرح نکل آیا۔

ضحاک۔ (گھبراہٹ میں اچھلکر ٹوپی کو اٹھا کے فوراً سر پر رکھتے ہوئے اور تمسخر کے انداز سے ملتے ہوئے) "جی! چند روز سے میں آتش پرستوں کے پیروں کے حلقہ میں شامل ہوگیا ہوں"

ابومسلم۔ (ضحاک کا سر منڈا معلوم کرنے سے انجان بن کر اور مصنوعی قہقہہ لگاکر) "پیر مغاں بننا تو اہل فارس ہی کے لئے موزوں ہے اہل عرب پر یہ بات کب جچتی ہے؟"

ضحاک۔ (یہ یقین کرکے کہ ابومسلم نے اس کی ٹوپی کو سہواً ٹھکرایا تھا اسے درست کرتے ہوئے جبکہ گھبراہٹ نے اس کا رنگ فق کردیا تھا) "حضور! بسا اوقات آدمی کو تبدیل وضع کرکے کام نکالنا پڑتا ہے میں اس ٹوپی کو نہ پہنتا تو آپ کے خیمہ تک رسائی غیر ممکن ہوتی"

ابومسلم۔ (بظاہر ضحاک کی تصدیق کرتے ہوئے) "اس شخص تو اپنی جسارت

اور مسخر دونوں باتوں سے مجھکو خوش کرتا ہے۔ اچھا اب بتائیں بہ کر بتا، کہ میں علی بن کرمانی سے کس طرح چھٹکارا حاصل کروں؟"

ضحاک۔ "اس کا قتل کرنا آسان اور دشوار ہے۔"

ابومسلم۔ "یہ کیا بات ہوئی؟"

ضحاک۔ "آپ میری بات مانیں تو تنہا علی کیا اس کے تمام فوجی سرداروں کا قتل کر دینا بھی اتنی آسان بات ہے جتنا ایک کچے دھاگے کا توڑنا۔"

ابومسلم۔ "یہ کیونکر؟" حیرت کے لہجہ میں کہا۔

ضحاک۔ "کیا حضور! آپ کو میری پہلی مرتبہ حاضر خدمت ہونے کی باتیں یاد نہیں رہیں، جو خیال فرمائیے میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ دلدادہ عورت آپ کی ذرا سی نظر توجہ میں اس قدر کارآمد بن جائے گی کہ آپ اس سے جو کام چاہیں لے سکیں۔"

ابومسلم۔ (ضحاک کا مدعا بخوبی سمجھ کر لیکن بظاہر انجان بن کے) "ہاں ہاں مجھے یہ بات تو یاد ہے مگر میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا تھا۔"

ضحاک۔ "حضور! میری مراد یہ تھی کہ وہ عورت علی بن کرمانی کے قتل میں بھی جبکہ آپ کی پوری مددگار بن سکتی ہے۔"

ابومسلم۔ (متحیر بن کر) "تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ علی کے قتل میں ہماری معاون ہوگی؟"

ضحاک۔ (وثوق کے لہجہ میں) "بیشک جناب امیر! میں اسکی ذمہ داری کرتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

ابومسلم۔ "کیا شرط؟"

ضحاک۔ "بہت ہی آسان۔ آپ اس کو اپنی کوئی نشانی بھیجیں جس سے وہ آپ کی التفات کا یقین کرلے۔ اور یہ سمجھ جائے کہ علی بن کرمانی کو قتل کرنے سے وہ آپ کی پوری عنایت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ آگے میں سب کام ٹھیک کرلوں گا۔"

ابومسلم۔ "نشانی کونسی ہو؟"

ضحاک۔ "کوئی ایسی چیز جو آپ کی طرف سے ارسال کئے جانے کا بیّن ثبوت دے۔"

ابومسلم۔ (ضحاک کو ایسی غائر نگاہوں سے دیکھ کر جن کے ذریعہ سے اس کے دلی رازوں کو دریافت کرسکے) "میرا گمان ہے۔ کہ میری انگشتری کے سوا کوئی اور چیز لیجا کر تم اُسے ایسا وثوق نہیں دلا سکتے۔"

ضحاک۔ "ہاں یہی علامت ہے۔ جو کاربراری کا آلہ بن سکتی ہے۔"

ابومسلم۔ (سر جھکا کر جیسے کسی تردد میں پڑگیا ہے۔ کچھ توقف کے بعد) "کیا تم کو اس بات کی اہمیت معلوم ہے؟ اپنی انگشتری تمہیں دینا گویا تم کو اپنی جان سپرد کرنا ہے۔ کیا تم اسے نہیں جانتے ہو؟"

ضحاک۔ "حضور عالی! کیوں نہیں جانتا ہوں۔ لیکن کوئی دوسرا طریقہ کاربراری کا ہوتا۔ تو میں اسی پر عمل کرتا۔"

ابومسلم۔ (انگلی سے انگوٹھی نکال کر ضحاک کو دیتے ہوئے) "یہ ساتھ جلد لیجاؤ۔ اور رات ہی کو واپس بھی لے آؤ۔ کیونکہ اس کے آنے تک مجھے آرام نہیں مل سکتا۔"

ضحاک۔ (انگشتری لینے کے لئے تعظیماً کھڑے ہو کر اور اُسے لینے کے بعد سر آنکھوں پر رکھ کے) "ممکن ہے۔ کہ آج کی شب میں بانو سے ملاقات نہ ہوسکے تو پھر کل صبح کو یہ انگشتری حاضر خدمت کروں گا۔"

ابومسلم۔ "اچھا جاؤ۔ خدا حافظ۔" جیسے پھر کچھ یاد کر کے "ٹھہرو میرے یہاں آنے تک ختم جاؤ۔" اور یہ کہکر ایک چور دروازہ کی راہ کمرہ سے نکل کے کسی جانب چلا گیا۔ اور ضحاک تنہا رہ گیا۔ ضحاک کا دل اس وقت مسرت سے مالا مال تھا۔ وہ اپنی لاثانی کامیابی پر نہایت خوش تھا۔ اور خیال کرتا تھا۔ کہ خوب کام بنے گا۔ ضحاک نے دم روک کر اچھی طرح آہستہ لینی شروع کی۔ تاکہ شاید کسی راز کی سُن گُن اُسے کہیں سے

خاموشی علی کے خیال میں سکوت حیا سے تاویل کی گئی۔ اور اس لئے صرف ریحانہ کی تعزیت ہی اس کو تسلی بخش معلوم دی۔ اور اس نے گلنار کو مخاطب کر کے ناکوہ بالا جواب دیا۔

علی کا جواب سن کر گلنار کو بھی چپ رہتے نہ بن آیا۔ اور وہ کہنے لگی "خدا امیر کے بڑے مرتبے کرے۔ اور ان کو اپنے مرحوم باپ کا انتقام لینے کی مبارک توفیق عطا فرمائے۔" گلنار کی یہ بات علی کے پژمردہ دل کے ساتھ عجیب تازگی بخش سلوک کر گئی۔ وہ اپنا تمام رنج و غم بھول گیا۔ اور نے اُلفت سے متوالا بن کر اپنے ملازموں کو دلہن کی ہر طرح خاطرداری کا حکم دیتا ہوا فوراً آئندہ معرکہ کے لئے فوجی تیاریاں مکمل کرنے کے فکر میں مصروف ہونے چلا گیا۔

علی بن کرمانی جا چکا تو گلنار کو پچھلے دن کے واقعات اور ابو مسلم کی حرکتوں کا خیال آیا۔ وہ پہلے پہل یہ تصور کر کے چونک پڑی۔ کہ سفاک ابو مسلم علی بن کرمانی کا دشمن جان ہے۔ اور اس کو صدمہ پہنچانے پر تیار اس لئے گلنار کو علی پر ترس آ چلا تھا لیکن یکایک اس کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ اور ابو مسلم کی خیالی تصویر اس کی نظروں تلے پھر گئی جس کی وجہ سے علی کی خیر خواہی کا ناپائدار اثر زائل ہو گیا۔ اور وہ ابو مسلم کی یاد میں مستغرق ہو رہی۔

ریحانہ نے علی کے چلے جانے کے بعد گلنار سے دریافت کیا۔ "بی بی! آپ خاصہ نہ تناول کریں گی؟"

گلنار۔ "ہو جائیں گی کھانوں کی، جلدی کیا ہے۔ ارے! بہنیا کہ کہاں چلا جاتا ہے کمبخت رات دن جب دیکھو غائب۔"

ریحانہ۔ "بانو! تردد کی بات کیا ہے۔ وہ آتا ہی ہوگا۔ اور آپ جانتے کہ کام سے جاتا ہے۔ اس لئے خفگی کا کیا محل ہے۔"

گلنار۔ "ہاں ٹھیک ہو۔ مجھے تو اس موالی کے غلام بن کر ہمارے پاس آنے کا بڑا اچنبھا ہے۔ بھلا عرب اور غلام بن کر رہیں؟"

ریحانہ:۔ "یا نواب عربوں کا ستارۂ اقبال ڈوب گیا۔ اُن کی جمعیت ٹوٹ چکی ہے۔ اور نا اتفاقی و خود غرضی تباہی کا پیش خیمہ بن کر اُن کے دلوں کو مسخر کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں جو نہ ہو دہی تھوڑا ہے۔ اچھا اب تو چلئے خاصہ تناول کیجئے۔"

گلنار:۔ (جبراً و قہراً اٹھکر) "کھانا کیا ہے۔ دل بہلانا ہے۔ چل اسی طرح اس پاگل غلام کے آنے کا انتظار کروں گی۔ وقت بھی نہیں کٹتا۔"

ریحانہ:۔ (بڑبڑاتے ہوئے) "ہُن۔ وہ پاگل ہے؟ کہیں ہوانہ ہو ایک ہی کا تیان ہے۔"

بہرحال گلنار اور ریحانہ نے دسترخوان پر جا کر کچھ نام کے لئے کھانا تناول کر لیا۔ اور پھر دیر تک ضحاک کی منتظر بیٹھی رہیں۔ اُن کا تردد ضحاک کے دیر لگانے سے بڑھتا جاتا تھا۔ اور ایک ایک گھڑی دنوں کے برابر معلوم ہوتی تھی۔ آخر جب دونوں تھک گئیں۔ تو گلنار ملال و قلق کے باعث تھک کر سو رہی۔ اور ریحانہ ذرا دیر اور بیٹھی پھر وہ بھی جا کر لیٹ رہی نیند کا غلبہ اُسے جھونکے دیکر سلا رہا تھا۔ مگر ریحانہ ہشیار نیند سوئی۔ کہ جہاں کوئی کھٹکا سنائی دیا۔ وہیں۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور اسی حالت میں اُسے وہم پیدا ہوا۔ کہ وہ ضحاک کی ہنسی سنتی ہے۔ وہ چونک پڑی اور آنکھ کھول کر دیکھنے لگی۔ تو اُسے نظر آیا۔ کہ فی الواقع ضحاک ستون خیمہ سے لگا ہوا کھڑا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ستون ایک جگہ دو ہو گئے ہیں۔ ریحانہ کا ارادہ ہوا تھا۔ کہ وہ ضحاک کو ڈانٹ بتائے۔ مگر اس خیال سے کہ بانو کی نیند اُچٹ جائے گی اُس نے خاموشی اختیار کی۔ اور اٹھکر ضحاک کے قریب جا کے کہنے لگی "تیرا بھلا ہو! تو ایسا غائب ہوتا ہے۔ کہ پتا بھی نہیں دیتا۔"

ضحاک:۔ (ریحانہ سے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دوسرے کمرہ میں جاتے ہوئے جہاں تاریکی تھی) "چلی آ۔" اور جب اندھیرے میں ریحانہ کی طبیعت پریشان ہونے لگی۔ تو ضحاک نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اور کہا "ذرا سنبھل کر

چلی آؤں؟

ریحانہ ۔ (گھبرا کر) "ٹھہر بھی جا میں چراغ لے آؤں۔ تاکہ روشنی میں تیری صورت دیکھ کر بات کر سکوں۔"

ضحاک ۔ (ریحانہ کے ہاتھ چھڑا لینے سے ہنسکر) "واہ۔ تجھے اس صورت کے دیکھنے کا کتنا شوق ہے! بہتر۔ لا چراغ لے آ۔"

ریحانہ دبے پیروں جا کر گلنار کے کمرے سے شمع لے آئی۔ اور بیٹھ کر ضحاک سے کہنے لگی "اس وقت تو نے اتنا سخت اندھیرا رکھا یا۔ کہ بانو کی طبیعت بد مزہ ہو گئی۔ ان کو اس بات کا بڑا تردد تھا۔ کہ ابو مسلم کرمانی کا طرفدار کیوں بن گیا ہے۔"

ضحاک ۔ (بات کاٹ کر ہنستے ہوئے) "کیا کرمانی قتل نہیں ہو گیا؟ اس کی طرفداری کا نتیجہ یہ تھا! اور اب بھی وہ اس گھرانے کی جس قدر زیادہ مدد کرے گا۔ اسی قدر کرمانی کے کنبہ والوں کو یکے بعد دیگرے اسی کے پاس ملک عدم میں ارسال کرنا چلے گا۔"

ریحانہ ۔ (دل میں، کمبخت یہ تو پہیلیاں بجھواتا ہے۔) (ضحاک سے) "خدا کے واسطے صاف بات بیان کر۔ پہیلیاں سنانے کی ضرورت کیا ہے؟"

ضحاک ۔ "تیرا بھلا ہو! کیسی موٹی سمجھ رکھتی ہے۔ تجھے کہاں تک سمجھاؤں میں تو تھک گیا۔ لیکن تیری فہم ہی میں کچھ نہیں آتا۔ خیر سن! یہ خراسانی جس جماعت کا یار رہے گا، اسے اپنے فائدہ کے لئے بالکل برباد کر کے رہے گا۔ کرمانی کا ساتھ بظاہر اس غرض سے دیا تھا۔ کہ مرو کے حاکم کو اس کی مدد سے غارت کر سکے ابو مسلم کا یہ خیال نہیں تھا۔ کہ کرمانی اس قدر جلد مار ڈالا جائے۔ مگر مرضی الٰہی کچھ ایسی ہوئی کہ وہ قتل ہو گیا۔"

ریحانہ ۔ "بانو تیری غیر حاضری سے بہت پریشان تھی۔ میں اس کو جگا دوں تو پھر سب باتیں بیان کرنا۔"

ضحاک ۔ "ٹھہر وہ ان کو ابھی نہ اٹھاؤ۔ پہلے ایک راز تم خود سن لو پھر

اُن سے جو کچھ کہنا ہے کہوں گا۔"

ریحانہ ۔ (شوق سے) وہ کیا ہے؟"

ضحاک ۔ "کرمانی کا قتل ہونا میری کوششوں کا کرشمہ تھا۔ اور اس طرح میں نے اس کے بیٹے علی کو بھی مار لینے کا راستہ بنا لیا ہے۔ تاکہ اس کارگزاری کے باعث ابومسلم ہم سے خوش ہو جائے۔ اور بانو کی دلی آرزو بر آسکے۔"

ریحانہ ۔ (حیران ہو کر) "ایں! کرمانی کے قتل میں تو نے کوشش کی تھی واللہ تو آفت کا پرکالہ ہے۔ مگر یہ تو بتا کہ اب اُس کے بیٹے کو تو کس طرح قتل کریگا؟

ضحاک ۔ تیری مدد سے۔"

ریحانہ ۔ (حیرت سے گھبرا کر) "یہ کس طرح؟ کیا میں اہل سیف میں سے ہوں؟"

ضحاک ۔ (ہنسکر) "ریحانہ! ہوش کی دوا کر۔ قتل کرنے کے واسطے تلوار باندھنے کی ضرورت کیا ہے۔ اس کے واسطے تو مکر اور صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ دیکھ۔ میں اسی وقت ابومسلم کے پاس سے آیا ہوں۔ اور اس سے وعدہ کر آیا ہوں کہ علی بن کرمانی کو قتل کرا دوں گا۔ ابومسلم دہقان کے گھر پہ پہلی مرتبہ مجھسے طاجب ہی وہ اس بات کو کہہ چکا تھا۔ کہ دہقانہ کرمانی کے محل میں رہ کر میری مدد کرے گی تو میں اُس سے خوش ہوں گا۔ اور اس کے معنے یہی ہیں۔ کہ بانو اپنی تدبیر لڑا کر علی اور اس کنبہ کے سب لوگوں کو ملک عدم کا راستہ دکھا دے۔ تاکہ ابومسلم اکیلا اس میدان میں رہجائے۔ پھر تو وہ باقی ماندہ عربی فوجوں کو چشم زدن میں مخلوب بنالے گا۔"

ریحانہ ضحاک کی گفتگو سنکر حیرت سے نقش بدیوار ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی زبان بند ہو گئی۔ اور ضحاک اُسے گم صم دیکھ کر کہنے لگا۔ "اچھا تجھ سے کام نہیں بنے گا۔ اب تو بانو کے پاس چل وہ اس بات کو تجھ سے بہتر جانتی ہیں۔"

ریحانہ ۔ (کانوں پر ہاتھ رکھتی ہوئی) "صاحب! میرے خیال میں بانو

کبھی ایسے شخص کی جان لینے پر راضی نہ ہوگی۔ جو اس کی الفت میں مبتلا اور اس کا دلدادہ ہے۔ آہ۔ علی نے بانو کا کچھ بگاڑا بھی تو نہیں۔ اور پھر وہ کون ایسی جاتا رہے۔ جو کسی کو قتل کرنے سے نہ ڈرے۔ اچھا تو ٹھہر جا۔ میں بانو کو بیدار کرنے کے بعد تجھ کو اس کے روبرو بلاؤں گی۔" یہ کہہ کر ریحانہ گلنار کے کمرہ میں شمع لئے ہوئے چلی گئی۔ اور اسے بیدار کرنے کے بعد ضحاک کو بلا لایا۔ ضحاک ادب کے ساتھ گلنار کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ گلنار نے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور ضحاک ایک مختصر سے ادنیٰ خوشنما قالین پر دو زانو ہو بیٹھا جو اہل فارس کے مودب بیٹھنے کا طریقہ تھا۔ اور گلنار نے کہا "تیری غیر حاضری نے مجھے بہت پریشان کر دیا۔ والد نے تجھ کو یہاں اس لئے بھیجا تھا کہ میری دلبستگی کا سامان کرتا رہے گا۔ کیونکہ میں ابھی یہاں غیر گھر میں ہوں۔ اور تو اتنی اتنی دیر تک خدا جانے کہاں گم رہتا ہے۔"

ضحاک سر جھکا کر خاموش رہا۔ اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو گلنار نے پھر سلسلۂ کلام جاری رکھ کر کہا۔ "ہاں میں جانتی ہوں۔ کہ تو میرے ہی کام کے لئے جایا کرتا ہے۔ لیکن تیری خیر خواہی کا یقین ہونے کے باوجود اس قدر دیر تک تجھے نہ دیکھنے سے میرا دل سخت بیتاب ہو جاتا ہے۔ اور جان گھبرانے لگتی ہے"

ضحاک۔ معذرت خواہی کے ڈھنگ سے ادب کے ساتھ "بانو مجھے افسوس ہے۔ کہ آپ کو میری وجہ سے قلق اور الم ہوتا ہے۔ مگر میں آقائے نعمت دہقان کے سر کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں۔ کہ میری غیر حاضری آپ ہی کی خدمت انجام دینے کے لئے ہوتی ہے۔ اور جب آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ میں اس وقت کہاں سے آ رہا ہوں۔ تو آپ خود ہی میری خطا معاف کر دیں گی"

گلنار۔ (قطع کلام کر کے) "تو کہاں سے آ رہا ہے؟"

ضحاک۔ ریحانہ کی طرف دیکھ کر گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ جب تک آپ آرام فرما رہی تھیں۔ میں نے اس وقت ریحانہ سے کچھ اپنا حال بیان کیا ہے۔ اور اب اس کے اعادہ میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ میں اس وقت امیر ابی مسلم سے کچھ باتیں کرنے گیا تھا۔

اور انہی کے کیمپ سے آ رہا ہوں۔"

گلنار - "ابومسلم کا نام سننے سے شگفتہ ہو کر لیکن بوجہ شرم و لحاظ بات ٹال کے" ہاں کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

ضحاک - (تاسف کے ساتھ) "نہ اب تک کوئی مناسب بات ہوئی۔ اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ افسوس میری ساری محنت رائگاں جاتی معلوم ہوتی ہے۔"

گلنار - (ضحاک کے چبا چبا کر باتیں کرنے سے گھبرا کر) "افسوس کیوں اور کس وجہ سے ہے؟"

ضحاک - (نہایت پست اور غمگین آواز میں) "افسوس یہ ہے۔ کہ ہماری کوششوں کا اثر الٹا ہونے والا ہے۔ میں نے حضور کو یہاں لانے کی محنت اسواسطے برداشت کی تھی۔ کہ آپ کی دلی آرزو پوری کرنے کا سامان کر سکوں۔ اور خراسانی افواج کے سپہ سالار کو آپ کا قدردان بنا دوں۔ لیکن اس وقت ریحانہ کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ جو بات میں چاہتا ہوں۔ اس کا پورا ہونا دشوار ہے۔"

گلنار - حیرت سے ریحانہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہوں میں سوال کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ اور ریحانہ نے بھی تعجب آمیز نظر سے اس کا جواب دیا۔ اور ضحاک آگے کہنے لگا — "بانو! آپ حیرت میں نہ مبتلا ہوں۔ میں اپنا مطلب مختصر لفظوں میں صاف صاف عرض کرتا ہوں سنئے! آپ نے آج یہ دیکھا ہی ہوگا کہ ابومسلم علی بن کرمانی کی مدد کر رہا تھا۔ اور غالباً اس طرفداری کے معنے آپ نے سمجھ بھی لئے ہوں۔ ابومسلم کی یہ کارروائی ازراہ فریب ہے۔ تاکہ وہ دو نہایت کارآمد چیزوں کو اس طرح بآسانی حاصل کر سکے پہلی چیز تو آپ ہیں۔ اور اسی کی اس کو زیادہ فکر ہے۔ اور دوسری چیز شہر مرو کا فتح کرنا ہے۔ علی بن کرمانی ابومسلم کی مدد و اعانت کو جا بے جو کچھ تصور کرے۔ لیکن ابومسلم کی غرض یہی ہے۔ کہ وہ اس طرح دہقانہ سے شادی کرنے اور شہر مرو کو فتح کر لینے کا مناسب ذریعہ ہاتھ میں لائے۔ اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ علی بن کرمانی۔ اور ابومسلم دونوں کو اپنا اپنا مقصد حاصل کر لینے کے لئے یہ فکر پڑ رہی ہے۔

بنالیں۔ اب آگے آپ کی مرضی۔"

گلنار ضحاک کا مطلب صاف طور سے سمجھ گئی۔ تو وہ عجیب مخمصہ میں پڑ گئی جس قدر ابو مسلم کی یہ خواہش اس پر گراں گزر رہی تھی۔ اس سے بدرجہا نا یہ خیال دل کو مسلے دیتا تھا۔ کہ آہ۔ اگر اس نے علی کا چراغ حیات گل نہ کر دیا۔ تو اس کے ہاتھوں پیارے ابو مسلم کو صدمہ پہنچے گا۔ اور خدانخواستہ ابو مسلم پر آنچ آئی۔ تو اسی کے ساتھ میری تمام آرزوں کا بھی خون ہو جائیگا وہ دل میں اس تصور سے کانپ اٹھی۔ اور حیرت و پریشانی کے باعث دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتی رہ گئی۔ گلنار کے سکوت سے اس رازداری کے جلسہ پر بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اور ہر شخص بجائے خود اپنی اپنی تدبیروں کے برباد ہونے پر غور کر رہا تھا۔ کہ یکایک گلنار نے سر اٹھا کر کہا "ضحاک! تو نے مجھکو ایسی الجھن میں پھنسا دیا۔ کہ اب اس سے رہائی کی کوئی شکل نہیں معلوم ہوتی قتل۔ آہ۔ یہ مجھسے نہ ہو سکے گا۔ آگ میں۔" پھر چپ ہو گئی۔

ضحاک۔ (بے تکلفی سے) "کریں کیا؟ آپ ابو مسلم کو بچانے کی کوشش کرینگی؟ ہاں۔ یہ ضرور ہوگا!! پہلے اپنی حالت کو دیکھئے کیا ہے۔ آپ تو خود اس خیمہ میں قید میں۔ دوسرے کو کیا بچائے گا؟ بہتر ہے۔ جو آپ کی مرضی ہو وہ کیجئے میں نہیں جانتا۔ اس کا انجام آپ ہی کو بھگتنا ہے میرا کیا؟"

گلنار۔ ضحاک کی دھمکی سے ڈر کر پھر دریائے حیرت میں غرق ہو گئی۔ اور سر جھکا کر چپ بن گئی۔ اور ضحاک نے دوبارہ کہا۔

—— "دیکھئے! میں پھر سمجھاتا ہوں۔ موقع غنیمت ہے۔ اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ تو پچھتانا پڑے سود ہوگا۔"

گلنار۔ (بیتاب ہو کر) "آہ اپنے ہاتھوں اس کو قتل کروں۔ ضحاک! تم ہی غور کرو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ قتل، قتل۔ ہائے اللہ مجھ سے یہ نہ ہوگا۔"

ضحاک۔ "میں کیا سوچوں؟ آپ کی جگہ میں ہوتا تو ایک گھونٹ پانی اور شربت یا ایک لقمہ میں کام تمام کر دیتا۔"

گلنار۔ (پریشانی کی وجہ سے سر جھکا کر) "ہائے اللہ! نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا

... اس کے سوا... مدد کروں گی ...." پھر چپ ہو گئی۔ اور ذرا دم لیکر بولی "اچھا ٹھہر جا مجھکو غور کرنے کی مہلت دے۔"

ضحاک نے دیکھا۔ کہ اس وقت کام نہ بنا تو دوسرے وقت بات بنجانے کی امید ہے اس لئے وہ خاموش ہو رہا۔ اور روئے سخن پھیر کر کہنے لگا۔ "بہتر مگر انگشتری تو واپس کیجیے یہ میں اسی وقت دے آؤں۔ اور اس سے کہہ آؤں۔ کہ آپ راضی ہو جائینگی۔"

گلنار ۔ (انگوٹھی دینے سے گھبرا کر کیونکہ اس سے یاد دلبر تازہ ہو گئی تھی) "تو کیا رات ہی میں واپس کرنے جائے گا؟"

ضحاک ۔ "جی ہاں۔ انہوں نے دی۔ اسی شرط پر ہے۔ میں کیا کروں۔"

گو دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ضحاک کا تقاضا گلنار کو مجبور بنا گیا۔ اور اس نے بادل ناخواستہ انگشتری اس کے حوالہ کی۔ پھر آنکھوں میں آنسو بھر آنے کے باعث سر جھکا کے بیٹھ گئی۔ تاکہ ضحاک اس کی حالت پر واقف نہ ہو۔ اور ضحاک کمرہ سے نکل کر گلنار و ریحانہ کو دریائے تردد میں غوطے کھاتا چھوڑ کے چلدیا۔

بارھواں باب

حل معمیٰ

ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت فریب
اس کر چاندنی پہ نہ کر تا گمان صبح

رات کا وہ وقت ہے جس کے بابت نازک خیال شاعر "حزیں" کے طباع خادم "رمضانی" نے اپنے آقا کے استفسار وقت کا جواب "زلفش بکمر رسید باشد" دیا تھا۔ اور چاند افق مشرق سے رفتہ رفتہ نکال کر فضائے زمین کو اپنی ٹھنڈی اور شفاف شعاعوں سے منور بنا رہا ہے۔ اس وقت شہر مرو کے اطراف

کے وسیع میدان کی سیر قابل دید ہے۔ کیونکہ شہر کے تین پہلوؤں کو تین مختلف دشمنوں کی فوجوں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک طرف علی بن کرمانی یمنی عربوں کی طاقتور جمعیت لئے خیمہ زن ہے۔ تو دوسری جانب شیبان خارجی اپنی سپاہ کے ساتھ شہر کو لینے کے واسطے تلا بیٹھا ہے۔ اور اب تیسری سمت ابو مسلم خراسانی کی سپاہ سے آباد ہوئی ہے جس کو نہ صرف شہر مرو کے فتح کرنے کا خیال ہے۔ بلکہ کرمانی اور شیبان خارجی دونوں حریفوں کو بھی نیچا دکھانے کی ہوس دل میں رکھتا۔ اور اپنی بے نظیر قوت تدبیر سے اس کا سامان بھی کرتا جاتا ہے۔

اس وقت چاندکی سرد و شفاف روشنی شیبان خارجی کے فوجی کیمپ پر پڑی ہوئی اور اس میں ایک غیر معمولی حس و حرکت نمایاں کرتی ہے۔ افسر اور سپاہی سب کسی جنگ کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ عربی دستور کے موافق خوش الحان گانے والے اور قصہ خوان زمانہ جاہلیت کے مشہور بہادروں عنترہ، زہیر، اور طرفہ وغیرہ کے جوش جرأت بڑھانے والے اشعار دف دے کی سُریلی گتوں پر گاتے۔ اور کیمپ کے ہر حصہ میں گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ تاکہ سپاہیوں کے حوصلے غنیم کے مقابلہ میں آگے کے لئے بڑھ جائیں۔ اور وہ میدان جنگ میں سرفروشی سے کام لیں۔ اور عربی عصبیت کا جوش ان میں تازہ ہو جائے۔"

خود امیر شیبان مع دیگر بڑے بڑے امرائے لشکر اپنے خیمہ میں بیٹھا جاگ رہا ہے۔ اور گو یہ حالت بتاتی ہے۔ کہ مجلس مشورہ گرم ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایسا معمولی سرگوشیوں کے سوا کوئی اہم بحث نہیں چھڑی ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو کسی اور شخص کا انتظار ہے۔ جس کے آنے پر جلسہ مکمل ہوگا۔ اور گفتگو شروع کی جائے گی۔ انتظار کی گھڑیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ رات نصف سے بھی زیادہ گزر چکی ہے۔ اور ہنوز جس کی راہ دیکھی جاتی ہے۔ وہ نہیں آیا۔ آخر نیند کا غلبہ لوگوں پہ ہو چلا۔ اور امیر شیبان یہ کیفیت دیکھکر ان کے دل بہلاؤ کا سامان کرنے پر آمادہ ہوا۔ اس نے ایک خادم کو یہ حکم دیا۔

—"دیکھو! کسی قصہ خوان کو بلالو۔ وہ ہمیں کچھ اشعار سنائے۔ تاکہ کسی کا دل تو بہلے!"
خادم چلا گیا۔ اور کچھ دیر میں واپس آیا۔ تو اپنے ساتھ ایک بوڑھے۔ دراز قامت سفید و دراز ریش اور مضبوط جسم کے شخص کو بھی لایا جو اپنے ہاتھوں میں طنبور لئے ہوئے اُسے نہایت خوبی کے ساتھ بجا رہا تھا۔ اور اُس کے ہمراہ ایک دوسرا شخص پستہ قامت گداز بدن عجیب الخلقت بھی تھا جس نے اپنے عمامہ میں دو شملے چھوڑ رکھے۔ ایک بڑا شملہ پشت کی طرف لٹک رہا تھا۔ اور دوسرا چہرہ پر پیشانی اور آنکھوں کو چھپائے تھا۔ گویا آشوب چشم کی شکایت کے باعث آنکھوں پر کپڑا ڈال رکھا ہے۔ یہ پستہ قد شخص اپنے ہمراہی دراز قامت آدمی کے سہارے چلتا تھا۔ کیونکہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا خوبصورت دف تھا۔ جسے وہ بہت پیاری طرح بجاتا جاتا تھا۔

قصہ خواں اور اس کے ساتھی نے خیمہ میں آتے ہی دیکھا۔ کہ خیمہ بہت وسیع اور کئی چوبوں کا ہے۔ اور اُس کے اندر کی تمام زمین عمدہ فرش سے ڈھکی ہے۔ صدر مقام میں زر کے مسند پر امیر شیبان بیٹھا ہوا ہے۔ اور گرد امرائے دربار کا حلقہ ہے۔ قصہ خوان سے شیبان نے "عنترہ" کے جرأت دلانے والے اشعار سنانے کا حکم دیا۔ بعد اس نے مع اپنے ساتھی کے طنبور اور دف بجا کر ایسی دلکش آواز میں وہ اشعار سنائے کہ شیبان اور اس کے ساتھیوں پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر تو فرمائشیں ہونے لگیں۔ کہ زہیر کا کلام سنا، طرفہ کے اشعار پڑھ، جنگ بسوس کا قصہ بیان کر، اور جنگ ذی قار کا حال سنا، اور قصہ خوان سبکی فرمائشیں بحسن و خوبی تمام پوری کرتا گیا۔ یہاں تک کہ شیبان۔ اور اس کے درباری امرا جوش مسرت سے اور قصہ خوان انعام و اکرام سے مالا مال ہو گیا۔ خیمہ کے اندر اور باہر فوج کے لوگوں کا جم غفیر اس بے مثل قصہ خوان کے اشعار سننے کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ اور سب مسرور و خوش تھے۔ عین اسی حالت میں ایک غلام لوگوں کی بھیڑ چیرتا ہوا۔ امیر شیبان کے پاس پہنچا۔ اور اس کے کان میں کوئی ایسی بات کہی جس کے سنتے ہی امیر نے تمام لوگوں کو خیمہ سے باہر چلے جانے

میں آمادہ جنگ ہے۔ اس نے یمنی عربوں کے سپہ سالار کو گانٹھ کر ان کے سردار کرمانی کو قتل
کرا دیا۔ اور اب شہر مرو بھی فتح کرنے کی تدبیر کر رہا ہے۔ بھلا اس کے ہوتے ہوئے ہم
یہاں کیا بنا سکیں گے؟"

امیر شبیب۔ (متانت کی ہنسی ہنس کر شیبان سے) "میں نے اب تک
بغیر خوب سوچے سمجھے ایک قدم بھی نہیں رکھا ہے۔ ہر بات کو سینکڑوں پہلوؤں سے
دیکھ بھال کر کیا ہے۔ اور جہاں تک میری سمجھ میں آیا۔ میں نے اچھا ڈھنگ ڈالا۔ اب
میں اپنا تمام حال سناتا ہوں۔ اُسے سن لینے کے بعد تم کو اس میں کوئی تغیر و تبدل کرنا
منظور ہوا تو مجھے تمہاری مناسب صلاح ماننے سے انکار نہ ہوگا" پھر چاروں طرف دیکھنے
لگا۔ گویا کسی غیر کے موجود ہونے کا ڈر ہے۔ اور شیبان نے اس سے کہا۔ "تم بیان
کرو۔ یہاں کوئی غیر شخص نہیں ہے۔ ہم نے ہر طرح پر رازداری کا انتظام کر رکھا ہے
اس لئے یہ خوف کہ ہمارا راز عیاں ہو جائے گا۔ بالکل بے محل ہے"

شبیب۔ "اس انگشتری کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ ہم آج رات
کو یا کل تک علی بن کرمانی کی جان لے سکیں۔ ورنہ یہ بیکار ہے"

شیبان۔ (حیرت سے) "آج رات میں؟"

شبیب۔ "ہاں امید تو یہی تھی۔ لیکن خیر آج نہ ہوا تو کل سہی بہر حال اس کا
بچنا اب دشوار ہے"

ایک امیر۔ "آپ کہتے کیا ہیں؟ جو شخص سینکڑوں محافظ سپاہیوں کے جھرمٹ
میں رہتا ہے۔ اس کا قتل کرنا کیا آسان ہے؟"

شیبان۔ (اسی امیر سے) "صاحب! امیر شبیب کی فطرت سے تم کو واقفیت
نہیں ہے۔ یہ آسمان و زمین کے قلابے ملانے والے شخص ہیں۔ اور جو کہتے ہیں۔ وہ کر کے
دکھا دیں گے" پھر شبیب کی طرف متوجہ ہوا گویا اس سے بات تمام کرنے کی خواہش
ظاہر کرتا ہے۔ اور شبیب نے کہا۔

"میں نے علی بن کرمانی کو قتل کر لیا۔ تو اس کے لوگ ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

یہی کہہ دینا کافی ہوتا۔ کہ اُس نے کس تدبیر سے یمن اور مضر والوں کی ناچاقی بڑھائی ہے۔
اب تم خیال کرلو کہ ایک اہم راز معلوم کرنے کے بعد وہ کیوں نہ ہمارے ساتھ متحد
ہوں گے۔ کیونکہ اہل فارس سے ان کو طبعاً عداوت ہے۔ کہو! اب کیا رائے ہے؟"

سب لوگ نے بے اختیار ہمزبان ہوکر "واہ۔ واہ بس یہی رائے سب سے
بڑھ کر ہے"

شبیب۔ (امیر شیبان کے کندھوں پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھتے ہوئے) "اچھا
اب مجھے جانے کی اجازت ہو"

شیبان۔ "ہیں! اب کہاں جاؤگے؟"

شبیب۔ "ابی مسلم کے پاس"

شیبان۔ "ابی مسلم کے پاس!! کیوں؟"

شبیب۔ "اس کی انگشتری پہنچانے۔ اسی وعدہ پر لایا تھا۔ اور اب ضروری
ہے کہ وعدہ وفا کروں۔ تاکہ بات بگڑنے نہ پائے۔ اور میں کسی طرح اس حرزور کو قتل
کرسکوں۔ یہ کہکر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام امرا بھی اُس کے ساتھ تعظیماً اُٹھے۔ لیکن اس نے
انہیں کچھ کہنے کی مہلت نہ دی۔ اور چپکا خیمہ سے نکل کر چلا گیا۔

ناظرین! آپ حیرت میں ہوں گے۔ کہ یہ شبیب کون بزرگ تھے!! اُن کے پاس
ابو مسلم کی انگشتری کیونکر آئی؟ اُسے تو شبک لایا تھا؟ اگر ہم آپ کو مختصر سب
حال بتا کر آپ کی حیرت دور کئے دیتے ہیں۔ سنئے! نصر بن سیار، مرکز کا حاکم بڑا
مدبر تجربہ کار اور بہادر شخص تھا۔ اس نے کرمانی اور شیبان خارجی دو زبردست دشمنوں کی
چوٹیں مدت تک بخوش اسلوبی تمام بچائیں۔ اور کسی کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دیا۔ وہ
کرتا کیا تھا؟ یہ کہ کرمانی کی طرف سے خائف ہوا تو شیبان کو اپنا طرفدار بنا کے اُسے
دبا دیا۔ اور شیبان کی جانب سے خطرہ میں پڑا۔ تو کرمانی کو [illegible] سے دبا بٹھا دی۔
کرمانی بزور شمشیر ملک خراسان پر قابض ہونے کا خواہاں تھا۔ اور شیبان خارجی فرقہ
خوارج کا سردار تھا۔ جن کے عقیدہ میں کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائیوں پر

حکومت کرنا جائز ہی نہ تھا۔ اور حکومت صرف خدا کا حق مانتے تھے۔ اسی واسطے وہ تمام مسلمان امیروں کو معزول کرنے کے درپے تھے۔ اگرچہ خوارج بظاہر موجودہ زمانہ کے فرقہ نہلسٹ کی طرح تاجداروں کے جانی دشمن تھے۔ لیکن درپردہ وہ اپنی سلطنت و حکومت قائم کرنے کا خیال رکھتے تھے۔ ضحاک اسی فرقہ کا ایک عالی رتبہ امیر تھا اور اس کا اصلی نام شبیب تھا۔ نصر بن سیار کی شاطرانہ چالیں کرمانی اور شیبان دونوں مخالفوں کو برابر مات دیتی رہیں۔ تو شبیب نے کرمانی کے خفیہ قتل کرنے کا تہیہ کیا اور کسی طرح یہ پتا لگا کر کہ دہقان مرو کی بیٹی کرمانی کے فرزند علی سے منسوب ہونے والی ہے۔ وہ دہقان کے یہاں غلاموں کی طرح اس کے ہاتھ فروخت ہو کر جا پہنچا پھر اپنے مصنوعی مسخراپن۔ اور باولے پن سے پہلے ریحانہ کو اور اس کے بعد گلنار کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ضحاک کا مقصد یہ تھا۔ کہ کسی طرح دلہن کے ساتھ کرمانی کے گھر جائے۔ اور وہاں بھی اپنی رسائی پیدا کر کے موقع ملتے ہی کرمانی۔ اور اس کے خاندان والوں کا قضیہ زندگی فیصل کر ڈالے۔ ضحاک اسی فکر میں تھا۔ کہ ابومسلم دہقان مرو کے یہاں آ گیا۔ اور اسے گلنار کی ابومسلم سے محبت کا حال کھلا۔ چنانچہ اب اسی یہ سوجھ گئی۔ کہ اس نئے دشمن کی بھی فکر کر رکھے۔ اور وہ خوش قسمتی سے اس کا ذریعہ بھی پا گیا یعنی گلنار نے ریحانہ کی معرفت اسے اپنا رازدار اور پیامبر بنایا۔ اس نے ابومسلم کے پاس جانے اور اسے اپنا گرویدہ بنانے کی جو کوششیں کیں۔ اُن کا حال گزشتہ ابواب میں درج ہو چکا ہے۔ اب صرف اس قدر اور کہنا باقی ہے۔ کہ ضحاک نے کرمانی کا چراغ زندگی گل ہو جانے کے بعد مناسب سمجھا۔ کہ علی بن کرمانی کو بھی جہاں تک جلد ممکن ہو ملک عدم کے سفر پر ارسال کر دیا جائے۔ اور بے بصری یمنی عربوں کی فوج کو نومیت کے وسیلہ سے شیبان کا ساتھ دینے پر راضی کر لیا جائے اس طرح ابومسلم کی قلیل تعداد کو شیبان بخوبی زیر کر لے گا۔ پھر خوارج شہر مرو کو فتح کر کے اپنی یہ دیرینہ مراد حاصل کر سکیں گے۔ کہ خراسان کو بنی امیہ کے قبضہ سے نکال کر

اپنی حکومت قائم کریں۔
یہی سبب تھا کہ ابومسلم کے معرکہ آرا ہوتے ہی خارجی لوگوں نے جنگ ملتوی کر دی تھی کیونکہ ضحاک نے انہیں منع کر دیا تھا تاکہ اس عرصہ میں اور دشمن باہم لڑ کر کمزور ہو جائیں، تو اس وقت خوارج اُن سے اکٹھا سمجھ لیں گے پھر جس روز کرمانی مارا گیا اسی کی رات میں ضحاک نے امیر شیبان کو یہ بات سمجھا دی، کہ وہ تو ابومسلم کو علی بن کرمانی کے قتل پر اکسانے جاتا ہے۔ اور شیبان علی کے قتل ہونے کی خبر پاتے ہی یمن والوں کو اپنے ساتھ ملانے کی تدبیر کرے۔ اسی لئے شیبان کا قصد تھا کہ وہ علی کے مارے جاتے ہی صبح کو شہر مرو پر حملہ کر دے گا۔ اور اس نے اپنی فوج کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

نقلی ضحاک اور اصلی شبیب، شیبان کے پاس سے جا چکا تو اُسے کچھ دیر تک اپنے سرداروں سے مختلف باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ قصہ خوان یاد آیا جو شبیب کی آمد سے قبل حالت انتظار میں اس کا دل بہلا رہا تھا۔ اور شیبان نے اس کے حاضر کیئے جانے کا حکم دیا۔ خادموں نے بہت کچھ جستجو کی، لیکن انہیں قصہ خوان کا کہیں پتا نہ ملا۔ اور انہوں نے واپس آ کر امیر شیبان سے کہا "حضور! وہ تو خدا جانے کہاں چلا گیا۔ غلاموں نے بہت ڈھونڈھا مگر اس کا پتہ نہیں پایا"

شیبان ۔ (حیرت سے) "ایں! یہ کیا بات!! اُسے انعام تک نہیں دیا گیا۔ اور وہ چلا گیا۔ دیکھو خیال رکھنا۔ کل اس کو دیکھنا تو مجھے یاد دلا کر انعام دلوا دینا ورنہ میری بدنامی ہو گی۔" پھر دل میں غور کرنے لگا۔ کہ آخر یہ قصہ خوان کون تھا اور کہاں چلا گیا۔ میرے لشکر کا آدمی ہوتا تو اُسے جانے کی ضرورت کیا تھی؟ اور غیر مقام سے آیا تھا۔ تو بجز اس کے کہ انعام کی طمع میں آیا ہو۔ اور کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر انعام لئے بغیر چلے جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ غرضکہ شیبان کو کچھ تردد ضرور پیدا ہو گیا۔ اور اُسے خدشہ ہوا کہ مبادا وہ کوئی جاسوس رہا ہو۔ اس لئے اس نے بار دیگر اپنے سپاہیوں سے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو! اس قصہ خوان

کو ضرور تلاش کرو۔ ایسا نہ ہو وہ ہمیں بخیل مشہور کرے۔ کیونکہ اُسے انعام نہیں ملا ہے۔"

تیرہواں (۱۳) باب

ایک نیا راز

دنیا ہی وہ دمساز جو دم اور زیادہ
شیشے کی طرح پھولیں ہیں ہم اور زیادہ

ابو مسلم اپنے کیمپ میں خیمہ کے اندر بیٹھا ہوا حسبِ معمول کسی تازہ فکر میں مستغرق ہے کہ یکایک ضحاک اپنی اسی روتوں کو ہنسا دینے والی ہیئت کذائی کے ساتھ اس کے سامنے جا پہنچتا ہے۔ اور ابو مسلم کشادہ پیشانی بن کر اس سے کہتا ہے:-

اخاہ ضحاک! خوب آئے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے؟"

ضحاک۔ (ادب کے ساتھ انگشتری ابو مسلم کے روبرو پیش کرتے ہوئے) "جناب عالی! یہ آپ کی امانت حاضر ہے۔۔۔ اس نے اپنا کام کر لیا۔ اس لئے اس کا اور اس کے مالک دونوں کا شکریہ ہے"

ابو مسلم۔ (انگوٹھی لیکر) "نہیں۔ نہیں۔ شکر کے قابل تو تمہارا حوصلۂ عالی ہے۔ اس انگشتری کے سے کیا ہو سکتا تھا۔ یہ سب تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ تو کیا تم نے اس آدمی کو خوارزم بھیج دیا؟" ابو مسلم کی عادت تھی۔ کہ کسی شخص کے قتل کا حکم دیتا تو کہا کرتا "اُس کو خوارزم بھیج دو" یعنی مار ڈالو۔ گویا خوارزم کے لفظ سے کنایتاً موت مراد لیا کرتا۔

ضحاک۔ "نہیں جناب عالی! آج تو دہقانہ کے تردد نے کام نہیں بننے دیا۔ کیونکہ اُسے اس قدر فوری احکام کے تعمیل کی عادت نہیں ہے۔" (ہنسنے لگا)

ابومسلم - ہنسنے میں ضحاک کا ساتھ دیکر) "خیر۔ انتظار میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ آیا تم نے اس عورت کے اس کام کو کل پرسوں تک ضرور کر دینے کا یقین کر لیا ہے؟"

ضحاک - "انگوٹھی دیکھنے کے بعد تو اس کی حالت ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔ اس وقت اگر اس سے آگ میں کود پڑنے کو کہا جاتا۔ تو وہ بلا تامل کود پڑتی۔ اور مالک انگشتری کی توجہ طلب کرنے کے لئے وہ کسی کام میں عذر نہ کرتی"

ابومسلم نے یہ سن کر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور ضحاک سے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم جو کچھ کہتے ہو اگر اسے کر بھی دکھاؤ تو ہم شہر مرو فتح کرنے کے بعد تم کو کسی اچھے عہدہ پر مامور کریں گے"

ضحاک - "یہ جناب کی قدر افزائی ہے۔ ورنہ بندہ کس قابل ہے۔ میری تو بڑی آرزو یہی ہے۔ کہ حضور مجھ سے خوش رہیں۔۔۔ اور اب اگر اجازت ہو تو میں واپس جا کر انصرام مہم کی تدبیر کروں"

ابومسلم - "نہیں۔ جلدی نہ کرو۔ مبادا سب کھیل بگڑ جائے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ وہ غالباً اس کارروائی کو اس وقت تک بھی نہ منظور کرے گی جب تک تم دوسری ملاقات میں اسے بخوبی نہ سمجھا دو۔ اس وقت تو وہ یقیناً سو رہی ہو گی۔ تم جا کر کیا بنا لو گے۔ لہٰذا باقی شب یہیں بسر کرو۔ صبح کو چلے جانا"

ضحاک کے دل میں تو جانے کی آرزو تھی۔ کیونکہ اس نے شیبان سے جو امر طے کیا تھا۔ اس کی فکر بھی ضروری تھی۔ لیکن ابومسلم نے روکا تو وہ اظہار اطاعت کے لئے سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ ابومسلم بھی خاموش ہو کر ٹہل قدمی کرنے لگا۔ جس کو ضحاک نے معلوم کر لیا۔ کہ ابومسلم کسی اہم معاملہ پر غور کر رہا ہے۔ وہ اس خیال سے چپکا کھڑا تھا۔ کہ شاید ابومسلم اُسے جانے کی اجازت دے دے۔ ابھی ضحاک کو اس طرح کھڑے ہوئے دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ مگر دفعتاً ابومسلم ٹہلتے ٹہلتے اس کے قریب آ استادہ ہو گیا۔ اور ضحاک سے کہنے لگا

پرمہربانی سے ہاتھ رکھدیا۔ضحاک اس عنایت ومحبت سے خوش ہوکر ہمہ تن گوش بن گیا۔تاکہ ابومسلم کی بات اچھی طرح سن سکے۔لیکن ابومسلم نے کچھ کہنے سے پہلے ضحاک سے چار آنکھیں کرکے اُسے کچھ ایسی غور کی نگاہوں سے دیکھا۔کہ گویا اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا حال معلوم کررہا ہے۔اور پھر بڑی نرم ومحبت آمیز صدا میں کہا۔"ضحاک! کیا فی الحقیقت تم کو یہ بات معلوم ہے۔کہ میں تم پر کس قدر اعتماد کرتا ہوں۔اور تمہاری کتنی عزت اپنے دل میں رکھتا ہوں؟"

ضحاک ابومسلم کی متجسس نگاہوں سے ڈر گیا تھا۔کیونکہ وہ ابی مسلم کی قیافہ شناسی کا لوہا مانے تھا۔اور اس کی بدنیتی سے بھی بخوبی واقف تھا۔اس کے علاوہ چور کے پانوں نہیں ہوتے۔مشہور مثل ہے۔اس لئے ضحاک بھی دل میں ابی مسلم کے اس طرح تاڑنے سے خائف ہوا تھا۔اور جب اس نے یہ دلبری کی گفتگو سنی۔تو مسرور ہوکر بولا۔"کیوں نہیں جناب! آپ نے اپنی انگشتری دیکر اور اپنے اہم راز بیان فرماکر اس بات کا پختہ ثبوت دیدیا ہے۔کہ آپ اس ناچیز خادم پر بھروسا کرتے ہیں۔"

ابومسلم۔"میرے دل میں ایک راز اور موجود ہے۔کیا بس وہ بھی تم سے ظاہر کردوں؟"

ضحاک۔"یہ حضور کی مرضی۔میں تو تابعدار ہوں جو حکم ہوگا۔بلا عذر تعمیل کروں گا۔"

ابومسلم۔"تو پھر بیٹھ جاؤ۔اور غور سے سنو!" یہ کہکر ضحاک کو بٹھالیا۔اور اپنا ہاتھ بدستور اس کے کندھے پر رکھے رہا۔اور ضحاک اس خیال سے کہ شاید اس سے راز میں اس کی غرض حاصل ہونے کا کوئی۔اور پہلو نکل آئے متوجہ ہوکر سننے لگا۔اور ابومسلم نے بہت پست آواز سے کہا۔"تم کو معلوم ہے۔کہ میرے ساتھ خراسان کے بڑے بڑے لوگ بکثرت ہیں۔اور وہ سب میرے اشاروں پر چلنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔مگر مجھے ان میں سے صرف چند شخصوں پر بھروسا ہے

اور وہ بھی ایسا بھروسا نہیں۔ کہ اس کی وجہ سے میں اُن کو اپنا ہمراز بنالوں۔ اس وقت میرے دل میں ایک خیال آیا۔ اور چونکہ تمہاری وفاداری اور خدمتگزاری کے باعث میں تمہارا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ اس لئے تم سے اس معاملہ میں مشورہ کرنا منظور ہے۔ کیونکہ گو تم بظاہر پاگل اور مسخرے بنتے ہو لیکن ہو بڑے سیانے۔ دیکھو علی بن کرمانی کے قتل کی جو تدبیر میں نے حل کر کی ہے۔ اس کی اطلاع میرے لوگوں میں سے کسی کو یہاں تک کہ خالد بن برمک اور سلیمان بن کثیر کو بھی نہیں ہو پائی ہے۔ اس لئے کہ مجھے خوف تھا۔ مبادا راز ظاہر ہو جانے کی صورت میں بات بگڑ جائے اور اس وقت دفعتہً ایک اور بات بھی مجھکو سوجھ گئی جس نے ناکامی کا خوف المضاعف کر دیا "

ضحاک ۔ "جناب عالی! وہ کیا ؟"

ابومسلم ۔ "وہ یہ کہ اچھا ہم نے علی بن کرمانی کو قتل کر دیا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے۔ کہ اس کے ساتھ والے ہماری اطاعت مان لیں گے۔ وہ عرب ہیں۔ اور ہم فارسی ہمارا اُن کا میل جول دشوار ہے۔ کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ ہمارے سوا کسی اور طرف جھک پڑیں گے ؟"

ضحاک ۔ (انجان بن کر) "یعنی کس کی طرف ؟ جناب عالی! آپ کی کیا مراد ہے ؟ نصر بن سیار سے اُن کا مل جانا بالکل بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ نصر نے اُن کے بڑے سپہ سالار کرمانی کو قتل کیا ہے "

ابومسلم ۔ (قطع کلام کر کے) "نہیں نہیں۔ یہ میں بھی جانتا ہوں۔ کہ وہ نصر کے ساتھ ملنا گوارا نہ کریں گے۔ مگر یہ دوسرا فرقہ خوارج کا کیا موجود ہے۔ اس کی طرف اُن کا میلان ہونا قرین عقل ہے کہ نہیں ؟ دیکھو! سچائی کے ساتھ بات کہنا تم عربی ہو اور اپنے ہمقوموں کے دلی منشا سے بخوبی واقف کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ یمن کے امرا ان اہل عرب کا ساتھ دینا ہمارے ساتھ رہنے سے افضل تصور کریں گے ؟"

ضحاک یہ عجیب و غریب سوال سن کر حیرت کے گرداب میں پھنس گیا پہلے تو اس سے کوئی جواب ہی نہ بن آیا۔ مگر آخر اس نے دل مضبوط کر کے بے پروائی اور سادگی کے انداز سے کہا "ہاں میرا تو گمان یہی ہے۔ کہ وہ تہ دل سے اہل عرب کو افضل سمجھتے ہیں"

ابومسلم "تو اب ایک بات میرے دل میں گزری ہے۔ میں تم سے اس کے متعلق مخلصانہ رائے لیتا ہوں۔ اگر تم نے مجھ سے موافقت کی تو فبہا ورنہ اس بات کو یہیں دفن کریں گے۔ اور کسی کو اس کی سن گن نہ دی جائے گی"

ضحاک "غلام کو کیا عذر جو حضور کا حکم ہو۔ اسی کی تعمیل کرے گا"

ابومسلم "جس دن سے میں یہاں آیا ہوں میں نے برابر تمام لشکروں میں جاسوسوں کا تقرر کر دیا ہے۔ خوارج کے لشکر میں جو مخبر متعین تھے۔ انہوں نے مجھکو یہ اطلاع دی ہے۔ کہ وہ لوگ ہمارے۔ اور کرمانی کے مقابلہ میں نصر بن سیار حاکم مرو سے ملجانے کی فکر کر رہے ہیں۔ لہٰذا میرے دل میں اس وقت یہ بات آئی کہ میں ہی کیوں نہ ان خارجیوں سے نصر اور علی بن کرمانی کا مقابلہ کرنے کے واسطے اتحاد پیدا کر لوں۔ اس شکل میں ہم علی بن کرمانی کو مار بھی ڈالیں تو جملہ یمنی عربوں کی سرداری امیر شیبان کو دیدینگے۔ مگر اس شرط سے کہ وہ نصر کے مقابلہ میں ہمارا دست و بازو بنا رہے۔ کیونکہ جس اصلی غرض سے ہم نے امام کی دعوت پھیلانے کا درد سر اٹھایا ہے۔ وہ بنی امیہ کے گھرانے سے خلافت کا نکال دینا ہے۔ کچھ یہ غرض نہیں۔ کہ ہم شہر مرو یا خراسان کے دوسرے شہر فتح کرتے پھریں دیکھو یہ بڑا گہرا راز ہے۔ اگر اس کی ذرا بھی بو پھوٹی۔ اور مجھے خبر لگ گئی۔ تو یاد رکھو کہ تمہاری جان نہیں ہے۔ تمہیں امام کی ہدایت یاد ہے؟"

ضحاک نے دل میں سوچا کہ اس کی اصلی غرض میں اس راز نے تازہ روح پھونکدی ہے۔ پھر تو اس کی خوشی حد سے گذر چلی۔ اور اس نے بشاش ہو کر ابومسلم سے کہا "مجھے بار بار اس قدر کیوں ڈراتے ہیں۔ اور کس لئے میری نسبت بدگمان قائم کرتے

ہیں میری دانست میں آپ کی طاقت قیافہ شناسی ایک ایسی بے مثل چیز ہے کہ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کے صندوق سینہ کو چیر کر ان کے لوح دل کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کو ایسا ہی شک ہو۔ تو یہ لیجے (سر جھکا کے) گردن حاضر ہے۔ ابھی اس سر اور تن کا فیصلہ کر دیجئے۔"

ابو مسلم۔ (تبسم کر کے) "ہاں۔ ہاں۔ مجھے تیرے دل کی باتیں بخوبی معلوم ہیں مگر یہ تو مزید آزمائش کے لئے میں نے ایسی باتیں کہی تھیں۔ خیر اب سنو! ہم مرو کو فتح کرینگے و صرف اس ارادے سے کہ بنی امیہ کی حکومت یہاں سے اٹھا دیں۔ پھر اس کے بعد کوئی بھی شہر پر قبضہ کرے ہمیں اس سے کیا مطلب۔ ضحاک! میں تم سے اقرار کرتا ہوں کہ مجھے ان خوارج کی ذات سے یہ اندیشہ ہے۔ کہ کہیں علی بن کرمانی کے قتل ہوتے ہی یہ کمبخت یمنی امراء کو اپنے ساتھ گانٹھ نہ لیں۔ اس لئے وہ ہمارے مخالف ہو کر ہمیں سخت تکلیف پہنچائیں گے۔ اور خاص کر اس صورت میں جبکہ وہ نصر بن سیار حاکم مرو کے ساتھ بھی متفق ہو جائیں۔ تو پھر ہماری بڑی کمبختی آجائے گی۔ اب تو بتا کہ آیا خوارج کے امیر شیبان سے ملنے کی کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ تو خود اس کو جانتا ہے؟ یا خود نہ جانتا ہو تو اس کا کوئی واقفکار ایسا بتا جو بیچ میں پڑ کر معاملہ طے کرا دے۔ اور ہم امیر شیبان کے ساتھ معاہدۂ دوستی کر کے آئندہ خطرہ سے بچ سکیں۔"

ضحاک۔ (دل میں اپنی کامیابی کے خیال سے باغ باغ ہو کر) "میں امیر شیبان سے واقف ہوں اور اگر نہ بھی واقف ہوتا۔ تو میرے لئے اس کا رام کر لینا کوئی مشکل نہ تھا۔"

ابو مسلم۔ "سچ کہتے ہو۔ تمہارے جیسا عقلمند اور صاحب تدبیر جو نہ کر سکے وہ کم ہے۔ مگر میں نے تم سے صلاح کے طور پر یہ دریافت کیا۔ تاکہ مبادا مجھکو سمجھنے میں کوئی غلطی لاحق ہوئی ہو۔ تو تم اسے رفع کر دو۔ اب بتاؤ تمہاری کیا صلاح ہے؟"

ضحاک۔ "اگر مجھ جیسے ناچیز بندہ کی یہ ہستی ہو کہ وہ امام ابراہیم کی دعوت پھیلانے والے سردار کے روبرو لب کشائی کر سکے۔ اور پھر صلاح دینے کیوا سطے تو میں آپ کی اس خوش فکری پر صاد کرتا ہوں۔ اور آپ کو ایسی دور کی کوڑی لانے

پر مبارکباد دیتا ہوں۔ خوارج کی زیادہ سے زیادہ یہ آرزو ہے کہ وہ کسی طرح شہر مرو کو قبضہ میں لائیں۔ اس لئے آپ اپنی خوشی سے انہیں یہ شہر بخش دیں گے تو وہ آئندہ آپ کے درم ناخریدہ غلام اور تمام فتوحات میں دست و بازو رہیں گے۔ آپ اس بات کو بھی یقین کر رکھیں۔ کہ خوارج اہل فارس کی نسبت مضری عربوں سے زیادہ عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا آپ نے ان سے میل جول کر لیا۔ تو وہ آپ کے بہت کام آئیں گے۔"

ابو مسلم۔ (ضحاک کی خیر خواہانہ صلاح سے مسرت ظاہر کر کے) "تو اب ہم پر لازم ہے۔ کہ بہت جلد امیر شیبان سے پیام و سلام شروع کر دیں۔ اور اس کام کے لئے میں تم پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ کیوں۔ تم اس کو انجام دو گے؟"

ضحاک۔ "آپ کو میری باتوں کا اعتبار رہے۔ تو مجھ سے بھی خدمت میں کبھی قصور نہ ہوگا۔"

ابو مسلم۔ "بہر حال تمہارے سوا اور کسی کو میں اس کام کی انجام دہی کے قابل نہیں پاتا۔ تم اس وقت رات کو یہیں رہو صبح کو تمہیں ایک خط دیا جائے گا۔ اسے اس کا امیر شیبان تک پہنچانا۔ اور اپنی غرض میں کامیابی حاصل کرنا یہ تمہاری ذاتی قابلیت پر چھوڑا جائے گا۔"

ضحاک۔ "آپ اس بات سے بالکل مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ سب کام آپ کے حسب مراد ہوں گے۔"

ابو مسلم۔ (ایک خیمہ کو جو اس کے خیمہ سے متصل تھا بتا کر) "اچھا اب اس خیمہ میں جا کر آرام کرو۔ صبح کو میں خط لکھ دوں گا۔"

ضحاک سر تسلیم خم کر کے آرام کرنے چلا گیا۔ اس کا دل جوش مسرت سے مالا مال تھا۔ اور اُسے اپنی خوش نصیبی پر ناز ہو رہا تھا۔ کہ کس طرح تمام باتیں اس کے حسب مراد بنتی جاتی ہیں۔ اسی خوشی اور سرور کے باعث اس کی نیند بھی اچاٹ ہو گئی۔ اور صرف تھوڑی دیر کے لئے فجر سے پہلے اس کی پلک جھپک گئی جس کے بعد وہ طلوع آفتاب

کے قبل ہی اٹھ بیٹھا۔ اور جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ ضحاک کا دل اس خوف سے دھڑک رہا تھا۔ کہ مبادا ابو مسلم اپنا ارادہ فسخ کر دے۔ تو سب بنی بنائی بات بگڑ جائیگی۔ کہ اسی اثنا میں ایک غلام اس کے پاس آیا۔ اور ابی مسلم کی طلبی کا پیام سنایا ضحاک ہشاش بشاش اس کے روبرو پہنچا۔ اور ابو مسلم نے ایک سربمہر لفافہ اسی دیکر کہا۔ ــــــ "اس خط کو اپنے کپڑوں میں چھپا کر رکھلو۔ میں کسی کو اس کی خبر ہونا پسند نہیں کرتا۔ اور (ایک طرف جو معمولی راستہ نہ تھا اشارہ کرکے) اس طرف سے مقام مقصود کی طرف جانا ضحاک! اس بات کو خوب کان کھول کر سن رکھو کہ میرے آدمیوں میں سے کسی کو بھی اس خط کا راز معلوم ہوگیا۔ تو پھر تمہاری شامت آئے گی۔"

اور ضحاک سر جھکا کر اشارہ سے "کیا مجال ہے جو حکم عدولی ہو" کہتا ہوا اٹھکر چلا گیا۔ اور اس وقت اس کی وضع قطع حسب معمول اسی باولے پن کی تھی جس میں اسے اکثر دیکھا گیا ہے۔

چودھواں باب

فتح اور معیت

تھا دام بھی نگاہ میں قریب آشیانہ کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ضحاک ابو مسلم کے پاس سے روانہ ہوکر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ تو معمولی راستہ کو ترک کرکے خیمہ گاہ کے گرد چکر کاٹتا ہوا پشت لشکر کی طرف نکل گیا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ مقام مقصود کی طرف روانہ ہو کہ اتنے میں اس نے چند سوار جو ابی مسلم ہی کی فوج کے تھے۔ اپنی طرف آتے دیکھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ان سواروں سے دور اور ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے لیکن وہ سوار اسی کو تاک کر آرہے تھے۔

اس لئے اُسے بھاگتے دیکھکر انہوں نے بھی گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ اور دم زدن میں ضحاک کو اپنے حلقہ میں کر لیا۔ ضحاک یہ حالت دیکھکر ٹھہر گیا۔ اور ان سواروں سے کہا "بھائیو! تم کیا چاہتے ہو؟" اور ایک نقاب پوش سوار نے بڑھ کر اُسے جواب دیا۔ "تو کون ہے؟"

ضحاک۔ "میں راہگیر ہوں۔ اور کون؟"

سوار۔ "یہ راستہ لوگوں کی آمد و رفت کا نہیں۔ سچ بتا تو کون ہے۔ اور اس جانب کیوں آیا تھا؟"

ضحاک۔ (کسی قدر تحکم کے لہجہ میں) "تمہیں میرا حال دریافت کرنے سے واسطہ؟ میں ایک کام" آگے کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور چپ ہو گیا۔

چند سوار ضحاک کی مشکیں کستے ہوئے "یا تو تم اپنا صحیح حال بتاؤ ورنہ قید رہو۔"

ضحاک۔ (پریشان ہو کر) "اچھا مجھے امیر ابی مسلم کے روبرو لیچلو پھر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں"

ایک سوار۔ "جبتک تم اپنا حال نہ بتاؤ گے۔ اس وقت تک ہم تم کو وہاں نہ لیجائیں گے"

ضحاک۔ (سراسیمہ ہو کر اور ان سواروں کو ڈانٹ کے) "اگر تم مجھے جلد امیر کی خدمت میں نہ لیچلے۔ تو یاد رکھو کہ سخت ندامت اُٹھاؤ گے"

ایک سوار۔ "اچھا اگر تم قاصد ہو تو وہ خط دکھاؤ جسے لیجا رہے ہو۔ ورنہ تمہارے دشمن ہونے میں کلام کیا ہے"

ضحاک نے صدہا حیلے حوالے کئے۔ اور بہت کچھ سر کھپایا۔ لیکن سواروں نے اُسے کسی طرح نہ چھوڑا۔ اور ضحاک کو اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ اپنے پاس کا خط دکھا دے تاہم وہ اُن کو ابی مسلم کی خفگی سے ڈراتا رہا جس کے جواب میں اس کا مخاطب سوار بولا "بہتر ہم اپنا ایک سوار امیر کے حضور میں اطلاع کرنے کو بھیجتے ہیں۔ اگر وہ تمہاری رہائی کا حکم دیں گے۔ تو ہم اس کی تعمیل کریں گے"

ضحاک اس بات پر راضی ہو گیا۔ اور ان سواروں میں سے ایک سوار ابی مسلم
کے پاس اس امر کی خبر کرنے گیا۔ اور ایک شخص ضحاک کو پکڑے ہوئے وہیں ایک
اونچے ٹیلے پر استادہ ہو رہا۔ اور باقی اشخاص بدستور اپنی ڈیوٹی پر گرد آوری کرنے
چلے گئے جس مقام پر ضحاک بندھا ہوا کھڑا تھا وہ نہایت بلند جگہ تھی۔ اور وہاں
سے امیر ابی مسلم کا کیمپ شہر مرو کا میدان اور خاص شہر سب کچھ صاف دکھائی دیتا
تھا۔ اب آفتاب کی سنہری کرنیں افق مشرق سے بڑھتی ہوئی اطراف زمین کو زریں
بادلہ کی چادر اُڑھاتی جاتی تھیں۔ اور ابی مسلم کی فوج کمر بستہ ہو کر میدان کی طرف
حس و حرکت کرتی بڑھ رہی تھی طبل و قرنا کا شور اور آدمیوں کی مخلوط صداؤں کا غلغلہ
سن کر ضحاک نے کیمپ کی جانب نظر کی۔ اور اس نے دیکھا کہ اہل خراسان سیاہ
جھنڈوں کو اڑاتے میدان میں جا رہے ہیں۔ اور امام کے دونوں نشان ظل اور
سحاب سب کے آگے آگے بلندی میں آسمان سے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ یہ منظر
دیکھ کر ضحاک پر ایسا تحیر طاری ہوا کہ وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے دل میں
کہا— "یا اللہ! یہ میں کیا دیکھتا ہوں؟ ارے یہ خراسانی شہر مرو پر دھاوا کرتے
ہیں؟ ہاں۔ ہاں۔ ابومسلم نے مجھے دھوکا دیا۔ اُف بڑی چال چل گیا" دوسری جانب
نگاہ ڈالنے سے دفعتاً چونک کر۔ "توبہ۔ توبہ۔ ارے تو وہ علی بن کرمانی بھی شہر پر بڑھ
رہا ہے نہیں میری نگاہ دھوکا دیتی ہے۔ علی ان خراسانیوں سے مقابل ہونے کو
آتا ہوگا۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ارے تو وہ شہر کی طرف چلا" اس وقت میدان
کارزار خوب گرم تھا۔ شہر کی فصیلوں پر سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برس رہا تھا
اور شجاعان یمن سر فروشی کرتے ہوئے۔ اس طوفان تیر باری میں بڑھے چلے جا رہے
تھے۔ شہر والوں نے ہزار کوششیں کیں۔ اور دشمنوں کو روکنا چاہا۔ اُبلتے ہوئے
تیل کے کڑاؤ پھینکے۔ آگ برسائی۔ پھونس جلا کر پھینکا۔ لیکن یمنی جانبازوں نے
سب کڑیاں جھیل کر خندق پاٹ دی۔ اور فصیل کے نیچے پہنچ کے زینے لگا کر اوپر چڑھنے
لگے۔ دلیران مضری بڑی پامردی سے لڑ رہے تھے سیکڑوں یمن والے اُن کی

تلواروں کے گھاٹ اتر گئے۔ لیکن اہل یمن کا جوش حد جنون تک پہنچ گیا تھا۔ اور وہ اپنے بہادر سردار کرمانی کی لاش دروازہ شہر پر لٹکتی دیکھکر بیخودی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہی آتے تھے۔ علی اور عثمان کرمانی کے دونوں بیٹے اپنے دلیروں کا دل بڑھا رہے تھے۔ آخر ہی مضری لوگوں کے حوصلے پست ہو چلے۔ اور یمن کے بہت سے منچلے بہادر فصیل پر قابض ہو گئے۔ لڑائی کا رخ پلٹا۔ شہر کے بچانے والوں کا دل ٹوٹا۔ اور چشم زدن میں یمنی سپاہ ایک طرف سے داخل شہر ہو گئی۔ ضحاک اس تماشا سے مار دم بریدہ کی طرح پیچ وتاب کھا ہی رہا تھا۔ کہ اس نے دوسری سمت سے شہر پر خراسانیوں کو بھی حملہ آور ہوتے معاینہ کیا۔ اور ابی مسلم کے ساتھی بھی جان پر کھیلکر شہر میں گھس گئے۔ طرہ برین ضحاک کی حیرت اس بات سے اور بھی بڑھ گئی۔ کہ کچھ ہی دیر میں اس نے دارالامارت مرو کے بام پر ابی مسلم کے سیاہ نشان کا پھریرا ہوا میں لہراتے دیکھا۔ اور اسی کے ساتھ محافظین شہر کے غول کے غول سراسیمگی اور ابتری کے ساتھ بھاگتے نظر آئے۔ جن کے سپید نشان بتا رہے تھے۔ کہ بنی امیہ کی حکومت کا قدم خراسان سے اکھڑ گیا ہے۔ ضحاک نے انہی بھاگنے والوں میں ایک دستہ سواروں کا بھی دیکھا۔ جو اپنے قیافوں سے عمائد قوم معلوم ہوتے تھے۔ اور فوراً ضحاک کے پاس کھڑا ہوا خراسانی سوار مسرت کے لہجہ میں چیخ اٹھا۔ "اوہ! یہ دیکھو نصر بن سیار بھاگا جاتا ہے" ضحاک نے مڑ کر دیکھا کہ ایک وجیہ اور مسن رسیدہ شخص جس کی پر رعب صورت بڑے سے سفید عمامہ اور بھری ہوئی نقرئی ڈاڑھی سے اور زیادہ باہیبت ہو گئی ہے بھاگنے کے لئے گھوڑے کو ایڑ بتاتا جاتا ہے۔ اور اس کے گرد بھی چند ویسے ہی معزز سوار ہیں۔ ضحاک نصر بن سیار کو پہچانتا تھا۔ اور اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کے ہمراہی اسی کے بیٹے اور رشتہ دار لوگ ہیں۔ نصر نے شہر کو مجبوراً چھوڑا تھا کیونکہ اب اس کے پاس محفوظ رکھنے کا کوئی وسیلہ نہ رہا تھا۔ یہ تمام سیر دو گھنٹوں سے بھی کم عرصہ میں ضحاک نے دیکھ لی۔ اور اس سے اس کے دل پر ایسا گہرا اثر پڑا کہ وہ اپنے رسیوں میں جکڑے ہونے کی تکلیف کو بھول گیا۔ اس نے سوچنا شروع کیا۔

کہ یہ بات کیا ہوئی؟ اُف میں نے تو یہ سوچا تھا۔ کہ خوارج اور اہل یمن کو متحد بنا کر ابی مسلم کی خبر لے سکوں گا۔ لیکن ابی مسلم اس قدر عجلت کیونکر کر گیا؟ اس نے میرے ساتھ فتح مرو سے پہلے ہی علی بن کرمانی کو قتل کرا دینے کا اقرار کیا تھا۔ وہ امیر شیبان سے سازش کرنے کا متمنی تھا۔ ابھی صبح کو بھی اس سے یہی باتیں ہوئی تھیں۔ پھر یکایک ایسا عظیم الشان انقلاب کیونکر ہو گیا؟ خدایا! یہ کیا معاملہ ہے؟ اُف ان لوگوں نے تو گھڑی سواری شہر کو لے لیا۔ طلوع آفتاب کے بہت بعد حملہ کیا تھا۔ اور ابھی چاشت کا وقت بھی نہیں آیا ہے۔ کہ وہ شہر پر قابض ہو گئے۔ اور غنیم کو وہاں سے نکال بھی دیا۔" ضحاک بڑے غور سے شہر کی طرف نگراں تھا۔ اور ہنوز اس کی پہلی حیرت کم ہونے میں نہیں آئی تھی۔ کہ یہ بات دیکھ کر اور بھی اس کے حواس مختل ہو گئے۔ کہ کرمانی کی فوج مع اپنے سردار علی بن کرمانی کے شہر سے نکل کر اپنے کمپ میں آ رہی ہے۔ ضحاک نے فوج میں علی کا موجود ہونا۔ اس کے نشان کو دیکھ کر معلوم کیا تھا۔ اس کی سمجھ اس وقت کام نہیں دیتی تھی۔ وہ دل میں غور کر رہا تھا۔ "بہت خوب!! اے لیجئے میاں علی شہر کو فتح کر لینے کے بعد وہاں سے اس طرح چلے آ رہے ہیں۔ کہ گویا اس میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے۔ اُف۔ اب گلنار کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ علی نے اس سے خلوت کرنا اسی شرط پر ملتوی کیا تھا۔ کہ شہر مرو کی فتح کے بعد دارالامارت میں اُسے لیجائے گا۔ تب کام دل حاصل کرے گا۔ اب تو وہ شرط پوری کر سکتا ہے۔ پھر کچھ اور یاد کر کے "ہاں!! ابومسلم نے مجھ سے کیا کہا تھا؟ یہ کہ علی بن کرمانی کو مار کر اس کے ہمراہیوں کو شیبان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مگر وہ بات اب کہاں گئی؟ یار اس لونڈے نے مجھ کو دغا دی۔ مگر نہیں اس کے انداز سے تو اس طرح کی کوئی بات مترشح نہیں ہوتی تھی کہ وہ فریب کرتا ہے۔" الغرض کہ وہاں میدان جنگ میں بازار کشت و خون گرم تھا۔ تو یہاں ضحاک کے دل و دماغ میں طرح طرح کے وساوس اور خدشوں نے اودہم مچا رکھی تھی۔ کہ اتنے ہی میں جو سوار ابومسلم کو ضحاک کی گرفتاری سے مطلع کرنے

گیا تھا۔ واپس آگیا۔ اور اُس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ " صاحبو! جلد اس عربی کی مشکیں کھول دو۔ اور اس سے معافی مانگ کر اسے امیر کے پاس لے چلو مجھے تو خدا نے بچا لیا۔ جو اس وقت زندہ یہاں تک آگیا۔ ورنہ امیر اس کی گرفتاری کا حال سنتے ہی آگ بھبوکا ہو گئے تھے۔ انہوں نے اسے خاص اور نہائت ضروری کام کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں ہرج ہو گیا۔ ہم نے بڑی غلطی کی۔"
یہ بات سن کر ضحاک کو ابی مسلم کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ اس کو غلطی میں پکڑ لیا گیا تھا۔ پھر ان سواروں نے اس سے بہت کچھ معذرت کر کے اس کے بند کھول دئے۔ اور اُسے ایک گھوڑے پر سوار کرا کے اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر مرو میں لے گئے۔ اُن کا داخلہ شہر کے اس دروازہ سے ہوا تھا جس کو باب بالین کہتے تھے۔ ضحاک نے دیکھا۔ کہ شہر والوں کے چہرے مضری عربوں کی حکومت کجاتے رہنے۔ اور شہر پر اہل خراسان کا قبضہ ہونے سے بوجہ مسرت چمک رہے ہیں۔ کیونکہ باشندگان شہر کی بڑی تعداد خالص فارسی النسل لوگ تھے جن کو اہل عرب کی بدسلوکیوں نے ان سے سخت بردل بنا دیا تھا۔ نصر بن سیار نے اپنے پیشرو حکام کی بے اعتدالیاں مٹانے میں کوشش تو بہت کی تھی۔ مگر برسوں کے کہنہ زخم چند مہینوں میں کیونکر مندمل ہوتے لوگ ان مظالم کو فراموش نہ کر سکے بنی اُمیہ کا دور حکومت اہل فارس اور دیگر غیر عربی قوموں کے حق میں قہر خداوندی کا نمونہ تھا۔ اموی حکام رعایا کا مال چھیننے کے سوا اور ان سے جا و بیجا بھاری ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں کرتے تھے۔ مرو کے باشندے فتوحات اسلام سے قبل دین آتش پرستی کے پابند تھے۔ بعد فتح انپر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔ جیسا کہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا۔ پھر زمانہ مابعد میں اُن لوگوں نے کئی بار اسلام قبول کرنے کی طرف رغبت کی مگر بنی اُمیہ کے حکام نے ان کے اسلام لانے کو ادائے جزیہ سے جان بچانے کا بہانہ تصور کر کے ان کے ذمہ سے جزیہ موقوف نہیں کیا۔ اس لئے بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہو گئے۔ کئی مرتبہ ایسی ہی صورت

پیش آئی۔ یہاں تک کہ عمرؓ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے جو ایک سچے مسلمان حکمران
تھے اور اُنہوں نے اپنے عاملوں کو حکم دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ انہیں
ادائے جزیہ سے معاف رکھا جائے۔ چنانچہ انہوں نے "جراح" کو جو ملک خراسان کا
عامل اور مسلمانوں سے بھی جزیہ وصول کرنے میں تامل نہیں کرتا تھا۔ لکھا کہ "دیکھو جو
تمہارے سامنے نماز پڑھتا ہو اُسے جزیہ سے بری کر دو" پھر تو فارسی لوگ قبول
اسلام پر جھک پڑے۔ اور جزیہ کی آمدنی بالکل گھٹ گئی۔ "جراح" نے خلیفہ کو اس
امر کی اطلاع دی۔ اور عمرؓ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ نے اس کی رپورٹ پر محض اس قدر
جواب تحریر کر دیا کہ "خدا نے اپنے نبی محمد (صلعم) کو خلق کے راہ راست کی طرف
بلانے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ نہ کہ خراج وصول کرنے کے واسطے" مگر افسوس کہ عمرؓ
بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا زمانہ بہت تھوڑا تھا۔ اس لیے خراسان والوں کو ایسے
بابرکت عہد کی نعمت سے بہت جلد محروم ہو جانا پڑا۔ بنی امیہ نے اس عادل او
حق پسند تاجدار کو خفیہ زہر دیکر مار ڈالا۔ اور اُس کے بعد جو خلیفہ ہوا۔ اس نے
بدستور سابق ظلم و ستم پر کمر باندھی۔ بہرحال خراسان کے باشندے اور خاص کر
شہر مرو کے فارسی رہنے والے تہ دل سے اس ظالم حکومت کی بربادی چاہتے تھے
اس لئے وہ ابی مسلم کے مظفر و منصور ہونے کی سچے دل سے مسرت مناتے اور اُس کو
مبارکباد دینے اور اُس سے بیعت کرنے کے واسطے ٹوٹے پڑتے تھے۔

ضحاک دار الامارہ کے قریب پہنچا۔ تو اس نے دیکھا کہ دروازہ ایوان سے دور دور
دور تک چاروں طرف ہزاروں آدمیوں کا ٹھٹھ لگ رہا ہے۔ ہر شخص پہلے داخل
ایوان ہونے کی کوشش میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا ہے۔ امرا و عمائد کی ٹولیاں
ایک جانب استادہ ہیں۔ اور وہ سب دار الامارہ کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔
ابو مسلم کے خاص سواروں کو دیکھ کر لوگ خود بخود ہٹنے اور انہیں راستہ دینے
لگے۔ اور ضحاک بہت جلد ایوان کے پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پھر دربانوں کے داروغہ
نے اُسے بعجلت اندر پہنچا دیا۔ ایوان میں داخل ہو کر ضحاک نے دیکھا کہ ایک

عظیم الشان وسیع درباری ہال کے صدر مقام میں ابومسلم سیاہ پوش بنا بیٹھا ہے اس کے سر پر بھی ایک سیاہ نشان لہراتا۔ اور سایہ کر رہا ہے۔ ابی مسلم کے دست راست پر خالد بن برمک ویسا ہی لباس پہنے بیٹھا ہے۔ اور بارہ امیر ابی مسلم کے کھڑے ہیں۔ ان میں سے سلیمان بن کثیر اور طلحہ بن رزیق کو ضحاک نے سامنے شناخت کیا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ یہ وہ بارہوں معزز نقیب ہیں جنہیں امام نے اپنے ستر نقیبوں میں سے پہلے پہل عباسی خلافت کی نیو جمانے اور لوگوں کو عباسی امام کی اطاعت کی دعوت دینے کے واسطے چنا تھا۔ ابومسلم کی نظر جیسے ہی ضحاک پر پڑی۔ اس نے تبسم کر کے اُسے ایک سمت علیحدہ بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود اپنے نقیبوں سے گفتگو کرنے لگا۔ اس مہلت میں ضحاک کو ایوان کی حالت پر غائر نگاہ ڈالنے کا موقع ملا۔ وہ در و بام کی سیر کر رہا تھا کہ ایک گوشہ میں اُسے مختلف باجوں اور ظروف شراب کا ایک ڈھیر دکھائی دیا جسے بنی امیہ کے لوگ بوقت فرار یہاں چھوڑ گئے تھے۔ اور ضحاک نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ عشرت پسندی کے آثار ہیں جس کا انجام تباہی و بربادی نکلتا ہے"

اسی اثنا میں ضحاک کی نظر پھر ابی مسلم کی طرف گئی۔ اور اُسے بیعت لینے کا منظر دکھائی دیا۔ اب تمام نقیب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تھے۔ اور صرف طلحہ بن رزیق سیاہ قبا اور عمامہ پہنے ہوئے ابومسلم کے روبرو استادہ تھا۔ دربان کو حکم ملا کہ لوگوں کو اندر لائے تاکہ ان سے بیعت لیجائے۔ سب سے پہلے فقیہ اور عالم لوگوں کی اور بعد میں سرداران فوج، اہل قلم، عمائد ملک، اور دہقانوں کی جماعتیں یکے بعد دیگرے آتی تھیں۔ ہر شخص ابی مسلم کے سامنے آکر "السلام علیک ایہا الامیر و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کہتا۔ اور پھر باآواز بلند طلحہ بن رزیق کے ساتھ بیعت کا حسب ذیل اقرار زبان پر لاتا تھا۔

"ابایعکم علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

والطاعۃ، "الرضا من اہل بیت رسول اللہ" وعلیکم بذلک عہد اللہ ومیثاقہ والطلاق، والعتاق، والمشی الی بیت اللہ الحرام، وعلی ان لا تسألوا رزقا ولا طعاما "حتی یبتدیکم بہ ولاتکم" (۱)

نوبت بہ نوبت ہر ایک آدمی اسی شکل سے بیعت کرتا گیا۔ اور ان کے چہروں سے آثار مسرت عیاں ہوتے تھے۔ ضحاک دل میں شہر والوں کے خراسانیوں سے اس قدر راضی ہونے پر جلا جاتا تھا۔ لیکن بظاہر وہ مسرور بنا بیٹھا تھا۔ کیونکہ اب اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا۔ کہ اس کا یار امیر شیبان سردار فواج بغیر ابی مسلم کو دوستی گانٹھے کسی طرح شہر مرو میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ بات علی بن کرمانی کے قتل پر موقوف ہے۔

بیعت کا سلسلہ دن کے بیشتر حصہ تک یونہی جاری رہا۔ اور آخر اس کی طوالت سے گھبرا کر ابو مسلم نے طلحہ کو حکم دیا۔ "دیکھو خالد بن برمک میرے قائم مقام ہیں۔ اب تم ان کے سامنے لوگوں سے بیعت لیتے جاؤ۔ میں کچھ اور کام کروں گا۔" یہ کہکر ایک علیحدہ کمرہ میں چلا گیا۔ اور جاتے ہوئے اشارہ سے ضحاک کو بھی اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ جس وقت یہ دونوں خلوت میں پہنچ گئے۔ تو ابو مسلم نے تاسف ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے ایک ماتحت کی حماقت نے تم کو رنج بھی پہنچایا۔ اور جس کام کے لئے تم جا رہے تھے۔ اس میں بھی تاخیر ڈالدی۔ کیا کہوں میں تو اسے تمہارے ہی ہاتھوں اس غلطی کی سزا دلواتا لیکن آج کی غیر متوقع مسرت نے مجھے

(۱) ابن اثیر ج ۵ - (ترجمہ) میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ اور اہل بیت رسول اللہ صلعم کی خوشنودی کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ تم ان باتوں کے ماننے کیلئے خدا کا عہد و پیمان ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کی حالت میں طلاق غلام آزاد کرنے اور حج بیت اللہ ادا کرنے کی سزا مقرر کرتا ہوں۔ ان شرائط کو تمنے بھی اقرار لیا ہوں۔ مگر جب تک تمہارے حکام اپنی طرف سے تمہیں کچھ وظیفہ یا خوراک نہ دیں۔ اس وقت تک تم ان سے کچھ نہ کہو یا ابتدا نہ کرو۔

چکھنے گا۔ علی نے جنگ آغاز کر دی۔ اور ہم نے بھی اس بات کو دیکھکر فوراً اپنی ہیبت
کا ایک حصہ شہر پر بڑھا دیا۔ جو دوسری سمت سے شہر میں گھس پڑا۔ اور ہم دونوں
نے بڑی آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ جس کے بعد میں اس ایوان حکومت میں چلا
آیا۔ اور علی بن کرمانی کو اس کے ساتھیوں سمیت ان کے کمپ میں واپس جانے
کا حکم دیا تاکہ ہمارا وہ کام بخوبی بن سکے جس سے تم واقف ہو"

ضحاک ان باتوں کو سن کر سن ہو گیا تھا۔ ابو مسلم کی شاطرانہ چالوں اور اس کی
بیباکی۔ اور پھرتی کے خیال نے ضحاک کا تمام مصنوعی نشہ اور بادلاپن رفو چکر کر دیا
لیکن اس نے اس خوف سے کہ مبادا ابو مسلم کے دل میں اس کی طرف شک آجائے
خواہ مخواہ زہر خند کر کے کہا — "جناب عالی! وہ کام تو بہت عظیم الشان۔ اور
نہایت ضروری ہے۔ کیا آپ اب بھی اس کا خیال رکھتے ہیں؟"

ابو مسلم "وہ خط کہاں ہے۔ جو میں نے شیبان کے نام لکھا تھا؟"

ضحاک نے خط نکال کر ابو مسلم کو دیدیا۔ اور ابو مسلم نے کہا "میں اس
ارادہ کو بدل نہیں سکتا۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ علی بن کرمانی اس فتح کا بڑا ذریعہ
اور ممکن ہے کہ وہ اپنے دل میں مجھ سے دوں کی لینے کا خیال کھائے ہوئے اور پھر
وہاں نے پکڑ بیٹھا ہے۔ غرضیکہ میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ اور اس کا
قتل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ وہ میرے مقاصد کے راستہ میں رکاوٹ
نہ ڈال سکے۔ علی کا قتل کرنا یہ تمہارا ہی کام ہے۔ اور تم اس بارے میں اس دلدادہ
عورت سے مدد لے سکتے ہو۔ جب تم رازداری کے ساتھ علی کا خاتمہ کر دو گے تو
ہم اس بات کی سعی کریں گے کہ علی کے ساتھی امیر شیبان سے مل جائیں۔ اور
شیبان کو اس شہر کا حاکم بنا کر میں دوسرے کام کے لئے جاؤں۔ مگر اس
تم کو اس خارجی پر اعتماد نہ ہو۔ تو مجھے صاف صاف بتا دو۔ تاکہ بعد میں الزام
نہ آئے گا نہ پچھتانا پڑے"

ضحاک "نہیں وہ ایسا آدمی نہیں۔ اور پھر اس کا ڈر ہی کیا ہے۔"

لوگوں نے بیعت آپ سے کی ہے۔ اور مالک آپ بن چکے ہیں ایسی حالت میں ابن شیبان کی سرکشی کب چل سکے گی؟"

ابو مسلم۔ (بات کاٹ کر) "کیا تم نے یہ امر دیکھا ہے۔ کہ بیعت عام طور پر اہل بیت کے نام سے لی گئی ہے۔ پھر صرف بنی عباسؓ اس کے مستحق کب ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ لوگوں کو اب تک بنی عباس کا حقدار خلافت ہونا بھی معلوم نہیں۔ وہ تو آل علی بن ابی طالبؓ ہی کے حق خلافت کو مسلم مانتے ہیں۔ یہی سبب تھا۔ کہ ہم نے بیعت کو مشترک رکھا ہے۔ تاکہ آل عباسؓ اور آل علیؑ میں سے جس جماعت کو غلبہ و کامیابی نصیب ہو۔ وہی اس سے فائدہ اٹھا سکے میرا خیال ہے۔ کہ یہ بات ابن شیبان کو میری دوستی قبول کرنے سے باز نہ رکھے گی"

ضحاک۔ "نہیں جناب وہ آپ کی دوستی بسر و چشم منظور کرے گا"

ابو مسلم۔ "تو پھر اب ہمیں پہلے اس کانٹے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ اور اس کام کو تم سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ ضحاک یاد رکھو کہ تم کو اس خدمت کا نہایت معقول معاوضہ ملے گا۔ اور مزید برآں میں امام سے تمہاری سفارش کروں گا"

ضحاک۔ "جناب عالی! میں نے جو کچھ کیا۔ اور جو اب کروں گا۔ اسے اپنا فرض منصبی سمجھ کر کیا ہے۔ اور کروں گا۔ مجھے سفارش اور صلہ کی مطلق تمنا نہیں۔ ہاں آپ کی خوشی درکار ہے"

ابو مسلم۔ "تو کیا آج رات میں تم اس کا کام تمام کر دو گے؟"

ضحاک۔ "کوشش تو اسی کی کروں گا"

ابو مسلم۔ "مگر یاد رکھو کہ یہ کام بالکل رازداری کے ساتھ ہوگا۔ تاکہ ہر شخص بجز اس کے کہ اس کی موت طبعی موت سمجھے کوئی اور خیال ہی نہ کر سکے"

ضحاک۔ "آپ مطمئن رہیں۔ سب کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوں گے"

یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا تھا۔ کہ ابو مسلم نے اسے روک کر کہا۔ "ہاں! خوب یاد آیا دیکھو میرے خزانچی ابراہیم کو بھی اپنا شریک بنا لو ممکن ہے کہ وہ تمہیں معقول

مدد دے۔" یہ کہہ کر ضحاک کو دہقان کے یہاں اپنا ابراہیم سے ملنا یاد آگیا۔
اور وہ اس مکار شخص سے پھر ملنے کا خیال کرتا ہوا۔ ابومسلم سے اس کا پتا دریافت
کر کے اس کے پاس گیا۔ اب ہم ضحاک اور ابراہیم کی ملاقات اور گفتگو کا حال
نہیں بیان کر سکتے۔ کیونکہ وہ ایک راز ہے۔ اور شاید آگے چل کر اس کا خود بخود
انکشاف ہو جائے۔

پندرہواں باب (۱۵)

ریچھ کا ناچ

ساقی قدح شراب دے دے
مہتاب میں آفتاب دیدے

اہل یمن شہر مرو فتح کر لینے کی مسرت میں مست اور غرور کامیابی و فتحمندی
کی پرکیف شراب کے نشہ میں چور اپنے کیمپ کے حدود میں جشن منا رہے
ہیں۔ یمنی سردار علی بن کرمانی شہر فتح کر لے کے بعد کیا دار آفت سے بچنے ابو
مسلم کی باتوں میں کچھ ایسا آگیا کہ اس نے فوراً اپنے کیمپ کو واپس چلے جانے
میں مطلقاً تامل نہ کیا۔ فتح و ظفر کا ہمرکاب اور انتقام پر ریچھ کامیاب ہونا کچھ
معمولی باتیں نہ تھیں۔ علی جیسا کچھ اس وقت شاداں و فرحاں تھا۔ وہ حالت
اس کے چہرے سے مترشح ہو رہی تھی۔ خیمہ گاہ کا بڑا بارگاہی خیمہ سرداران فوج اور
اراکین دربار سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آتش زبان شاعروں کی اس موقع پر خوب
بن آئی تھی۔ مبارکباد و فتح کے قصائد پڑھے جاتے تھے۔ اور ہر ایک شعر بلکہ مصرعہ
پر صدائے تحسین و مرحبا گونجتی ہوئی قبہ گردوں سے ٹکراتی تھی۔ امیر علی بن کرمانی
اپنی مدح اور اپنے بزرگوں کی ثنا و صفت سن کر جھوم جھوم جاتا تھا۔ انعام

قریب تھا کہ وہ ضحاک سے دہقانہ کی خیریت دریافت کر بیٹھے مگر درباری امیروں کی موجودگی نے اُسے روک لیا۔ اور وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "تو کیا فی الواقع تم ہی ناچو گے؟"

ضحاک۔ "خدا امیر کو سلامت رکھے۔ میں کیا ناچوں گا۔ ہاں میرا ایک ریچھ ہے۔ اور وہ بڑی خوبی کے ساتھ ناچتا ہے۔ اُسے آج حضور کے دربار میں نچاؤں گا۔"

امیر۔ (اشتیاق کے لہجہ میں) "پھر وہ کہاں ہے۔ اُسے لاؤ۔"

ضحاک۔ (امیر سے) "حضور کے دولت پر۔" پھر بلند آواز سے "ارے مبارک! اندر آ۔ امیر یاد فرماتے ہیں۔"

تمام حاضرین کی نگاہیں دروازہ کی طرف اُٹھ گئیں جس کا پردہ ہٹا کر ایک غلام ریچھ کی نکیل تھامے اندر داخل ہوا۔ ریچھ کیا تھا؟ ایک آدمی نے اس صفائی کے ساتھ ریچھ کا بہروپ بھرا تھا۔ کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ اور اُسے اصلی ریچھ تصور کرتے۔ منہ پر ریچھ کا چہرہ و لباس اور سارے جسم پر اس کی کھال اور وہی چال ڈھال۔ کمر اور گردن میں زنگولے اور گھنگرو بندھے ہوئے چاروں (مع پیروں میں) گھنٹیاں پڑی ہوئی۔ جھم جھم کرتا وسط دربار میں آکر تھم گیا۔ اور ضحاک نے اس کی باگ ڈور غلام کے ہاتھ سے لے لی پھر ایک پتلی سی چھڑی لے کر عجیب و غریب مسخرآمیز حرکتیں کرنے اور ریچھ کو نچانے لگا۔ نقلی ریچھ اس وقت اصلی ریچھ کی حرکتوں کو مات کر رہا تھا۔ اور سارا دربار بازیگر کی حرکتوں پر ہنستے ہنستے لوٹا جاتا تھا۔ خود امیر اس قدر ہنسا کہ اس کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے اور اسی حالت میں ضحاک نے موقع سے امیر کے نزدیک جا کر باتوں باتوں میں یہ بات کہہ دی کہ "اس جلسہ میں بغیر دہقانہ کے محفل بے لطف ہے۔"

آہ۔ اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ۔ اور دیوانہ کو انگلی دکھانا اسی کا نام ہے۔ ضحاک کے ان الفاظ میں نہیں معلوم کیا تاثیر بھری تھی کہ اسی وقت امیر علی بن کرمانی نے اُسے حکم دیا۔ ضحاک! اس ریچھ کو زنانہ خیمہ کے دروازہ پر لے جاؤ۔ میں اس وقت حرم سرا میں اس کا رقص مشاہدہ کروں گا۔ اور یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے ساتھ تمام درباری لوگ تعظیماً استادہ ہو گئے۔ اور ضحاک کامیابی کی مسرت سے آہستہ آہستہ خوش خوش جاتا ہوا ریچھ

دلنواز کی زیارت کے لئے حرم کے خیمہ کی طرف چلا۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہو چکا تھا اور شام گزر کر رات کی تاریکی غالب آ رہی تھی۔ اس لئے کوئی اور شخص امیر کے ساتھ آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور تنہا علی خراماں خراماں گلنار کے خیمہ تک جا کے اس کے اندر یہ کہتا ہوا داخل ہوا۔ "ہماری دلہن زہفانہ کہاں ہے؟"

علی بن کرمانی کی آواز سنتے ہی ریحانہ گلنار کا ہاتھ تھامے پیشوائی کے لئے بڑھی گلنار اس وقت اعلیٰ درجہ کی زرکار گلابی ریشمی کپڑے کی پوشاک پہنے اور مرصع زیوروں سے ہر ہفت بنی ہوئی لجاتی۔ اور مڑ چراتی ریحانہ کے بازو سے لگی چل رہی تھی۔ شرم وحیا اس کی نظریں نیچی کر رکھی تھیں۔ دل اندر سے دھڑک رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر عرق شرم آ جانے سے اس وقت اس کا بے مثل جمال کچھ ایسا دوبالا ہو گیا تھا۔ کہ علی اسے دیکھتے ہی ہزار دل وجان سے اس پر مر مٹا۔ اور جھک کر اس کی مزاج پرسی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "پیاری دہقانہ! میں اس وقت تم پر اپنی اس مسرت کا اظہار کرنے آیا ہوں۔ غالباً تم بھی اس بات سے مسرور ہو گی۔ کہ تمہارے دلدادہ شوہر نے حاکم مرو کو شکست فاش دیکر اس سے شہر چھین لیا۔ اور اپنے مرحوم باپ کا انتقام کچھ لے لیا۔ نامرد نصر بن سیار جان بچا کر بھاگ گیا ہے لیکن کہاں جائے گا۔ میری تلوار اس کا خون پیکر رہے گی۔"

ریحانہ۔ دبشاشت کے ساتھ گلنار کی ترجمان بن کر) "بیشک۔ کیوں نہ ہو۔ آخر آپ کس باپ کے بیٹے ہیں۔ ہمارا دل کہہ رہا تھا۔ کہ امیر دشمن کو زیر کریں گے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ سرخرو ہو کر ہم سے ملے۔"

علی۔ (خوشی سے باغ باغ ہو کر) "دہقانہ! آؤ بیٹھ جاؤ۔ اب صبح کو میرا وعدہ پورا ہو گا۔ اور تمہیں قصر حکومت میں پہنچاؤں گا۔"

گلنار خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ مگر اس کے اس سکوت ہی پر ہزاروں گویائیاں صدقے ہو رہی تھیں۔ اور علی نے ریحانہ کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا جو الگ بیٹھنا چاہتی تھی۔ کہ علی نے اسے دولہا دلہن گلنار کے پاس رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد علی نے دستک دی۔ اور خواص اپنے ریچھ کو لئے ہوئے آ موجود ہوا۔ ریحانہ ریچھ والے۔ اور اس کے

ریچھ کو دیکھکر ہنستے ہنستے بیتاب ہوئی جاتی تھی۔ اور گلنار بھی باوجود بار الم کے نیچے
دبی ہونے کے ضحاک کی اس حرکت پر ہنس پڑتی تھی۔ علی بن کرمانی نے ضحاک کو حکم دیا۔
کہ اپنے ریچھ کا ناچ دکھائے۔ اور ضحاک نے ہزار اس کی نکیل کھینچی۔ اسے چھڑیاں ماریں
اور دھکے دئے۔ لیکن ریچھ اس طرح بے حس و حرکت بن کر جم گیا۔ کہ ذرا اس سے مس نہ ہوا
آخر ضحاک نے اسے ڈانٹا۔ "ارے کمبخت ناچ بھی کیوں امیر کے سامنے مجھے شرمندہ
کرتا ہے؟"
اب بھی ریچھ نے کوئی جنبش نہ کی۔ پھر ضحاک نے ایک لمبا چوڑا قہقہہ لگایا۔
اور ہنسی سے فارغ ہوکر ریچھ کو مخاطب بنا کے بولا "اچھا؟ خیر سے آپ عورتوں کے
روبرو ناچتے ہوئے شرماتے ہیں!!"
کون تھا کہ اس ستم ظریف کی یہ بات سن کر ہنسی کو ضبط کر جاتا۔ ریحانہ اور گلنار
کیا ہنستا تو درکنار علی نے اس زور کا قہقہہ لگایا کہ تمام خیمہ گونج اٹھا۔ اور ضحاک نے
بار دیگر ریچھ کو جھنجھوڑنا۔ اور نچانے کے لئے زور لگانا شروع کیا۔ اس مرتبہ بھی وہ بالکل
ناکام رہا۔ جھنجھلایا۔ دانت پیسے چھڑیاں ماریں۔ سب کچھ کر چکا تو آخر اس سے سرگوشی
کرنے لگا۔ اور دیر تک اس کی گفتگو سے کان لگائے سننے کے بعد یہ کہتا ہوا اور
ہنستا الگ ہٹ آیا۔ "اور تماشا دیکھئے! ایسا کیا جانتا تھا کہ یہ ریچھ کو شراب سے
بھی ذوق ہوگا"

امیر علی بن کرمانی۔ (ہنس کر) ہاں۔ ہاں۔ بنی امیہ کی صحبت میں اس کو
مے نوشی کی چاٹ لگ گئی ہو تو تعجب نہیں۔ آج ہم نے شہر کو فتح کرنے کے بعد ان لوگوں
کے مے خواری کے آلات اور ظروف اس کثرت سے تلف کئے ہیں کہ توبہ بھلی مگر ہم تو
صرف نبیذ پیتے ہیں جو مباح ہے۔ اپنے ریچھ سے دریافت کرو کہ آیا ایسے نبیذ
بھی منظور ہے؟"
ضحاک نے پھر چند منٹ ریچھ کے ساتھ سرگوشی کرکے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا
خوب! ہاں نبیذ پر راضی ہو گیا۔ اور پھر لطف یہ کہ نبیذ پینے کی خواہش بھی آپ

لگا۔ تمام حاضرین اس خوف سے گھبرا اُٹھے کہ کمبخت ریچھ کہیں میز کو نہ اُلٹ دے
جس سے تمام قیمتی ظروف برباد ہو جائیں۔ لیکن ریچھ نے اس خوش اسلوبی کے ساتھ ہر ایک
پیالہ کو پہنچایا کہ ایک قطرہ نبیذ کا الگ نہیں گرا۔ اور پھر اس نے ساقی گری آغاز کر دی
پہلا جام امیر کی نذر کیا۔ اس کے بعد اس کے دہقانہ گلنار، ریحانہ، اور ضحاک کو جام دیئے
ازاں بعد خود ایک جام پی کر رقص کرنے اور اچھل کود مچانے لگا۔ ریچھ کی یہ حرکت امیر
کو کچھ ایسی بھائی کہ اب اس مجلس نشاط کا وہی ساقی بنا دیا گیا۔ اور کئی دور اس نے
حاضرین کو پلائے۔ گلنار نے دو چار پیالوں میں سے ایک ایک گھونٹ پی کر پھر جام
لینا بند کر دیا۔ اور اب صرف تین شخص پینے والے رہ گئے امیر، ضحاک، اور خود ساقی
یعنی ریچھ۔ علی بن کرمانی یونہی دعوت پینے والا تھا۔ اور پھر اس وقت مجلس کا رنگ
اور سرور [illegible] اور بھی اُسے عشرت پسند بنا رہا تھا۔ وہ جام پر جام لنڈھاتا تھا
اور کہتا جاتا تھا ؎

ساقی قدح شراب دیدے	مہتاب میں آفتاب دیدے
ساقی باقی جو کچھ ہو سو لے	باقی ساقی شراب دیدے

نبیذ نشہ آور ہو یا نہ ہو کیفیت اور سرور تو بہرحال لاتی ہے۔ آخر کار علی کی آنکھوں
میں سرسوں پھول لی۔ اور وہ جوش میں آ کر بار بار جام لینے لگا۔ اب رات بھی ایک
پہر سے زیادہ گزر گئی تھی۔ اور اس مجلس عشرت پر خوب سرور چھا گیا تھا۔ کہ یکایک ریچھ
نشہ میں جھوم کر ضحاک کے ہاتھ سے نکل چھڑا کے خیمہ سے باہر بھاگ گیا۔ جام صراحی
اس کے ہاتھ میں تھی۔ مگر ضحاک فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ اور اُسے دوبارہ پکڑ کر امیر
کے روبرو لایا۔ ریچھ کے ہاتھوں میں لبریز جام موجود ہی تھا۔ اس نے فوراً اُسے
امیر کی طرف بڑھایا لیکن علی نے اندیشہ انجام یہ پیالہ بھی چڑھا گیا۔ پھر ریچھ نے ضحاک
کو بھی ایک جام دیا۔ اور خود رقص میں مصروف ہو گیا۔ ضحاک نے حسب معمول اور پیالوں
کی طرح اس جام کو بھی پی لیا۔ مگر پیتے ہی فوراً ریچھ کو ایک ڈانٹ بتا کے بولا "ارے
کمبخت! اتنے بہت سے پی گیا ہوں۔ اور اب مجھے اندیشہ ہے کہ تو پلا پلا کر کہیں میرا [illegible]

ضحاک اس وقت دل ہی دل میں کہہ رہا تھا "ابراہیم نے مجھے زہر دیا تو کیوں؟ ابومسلم
نے اس کو ایسی ہی ہدایت کی ہوگی۔ مگر آخر ابومسلم مجھ سے بدظن کیوں ہوا؟ اسے کیا معلوم
کہ میں حاجیوں کا امیر ہوں۔ اور اس کی بربادی کے درپے۔ ابومسلم تو کیا کسی۔ اس بات
کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ میری رازداری کچھ ایسی ویسی ہے۔ (پھر سر ہلا کر) "اوہ!
ابراہیم جو مجھ سے کھٹکتا تھا۔ اس لئے یہ فعل اس نے خود کیا ہوگا۔" (کچھ اور خیال آنے
سے ایک جھرجھری لے کر) "نہیں، ابراہیم کا اتنا حوصلہ کب پڑ سکتا تھا۔ ضرور ہے کہ
اس نے ابومسلم کی ہدایت سے میری جان لینی چاہی۔ آہ! ابومسلم مجھکو دھوکا دیتا تھا۔
وہ یہی غرض حاصل کرنے کے بعد یعنی علی بن کرمانی کی جان لے کر مجھ پر بھی ہاتھ صاف
کرنے کا خواہاں تھا۔ (جھنجھلا کر) "وہ کمبخت بڑا مطلب ساز اور حد درجہ کا چالباز ہے۔
میں بھی انتقام۔ (پھر کچھ سوچ کے کسی جوش کو تسکین دیتے ہوئے) "وہ میری جانب
سے ہرگز بدگمان نہیں ہو سکتا۔ اسے میرا راز کبھی معلوم نہیں ہوا ہے۔ اس لئے
کوئی وجہ نہیں کہ میری طرف سے اس کے دل میں شک آئے۔ مگر پھر اس کی کامل
تحقیقات ہی نہ کر لوں۔ اسی کے پاس جا کر دیکھوں بات کیا ہے؟" یہ سوچ کر
بھاگتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔ اور چند لمحوں کے بعد دارالامارت کے پھاٹک پر
جا پہنچا۔ اس نے دربان سے دریافت کیا "امیر اس وقت کہاں ملیں گے؟"
دربان جس نے ضحاک کو امیر کا مشیر خاص بنتے دیکھا تھا اس کی "بیداری" اور
خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اجی! وہ اپنے کمرہ میں بیٹھے ہیں۔"
ضحاک کے دل میں آیا کہ اپنی اطلاع فوراً کرائے۔ لیکن پھر وہ جھجھک کر رک
گیا۔ اور کچھ خیال کر کے دربان کو باتوں میں لگا لیا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے
دربان سے یہ پتا لے لیا کہ اس وقت ابومسلم کے پاس اس کا یہودی خزانچی ابراہیم
گیا ہوا ہے۔ اور اس کے بعد ضحاک نے دربان سے دریافت کیا ـــــ "ابراہیم خوش
بشاش ہی ہے؟"

دربان۔ "جی ہاں! بظاہر وہ مسلمان بنتا ہے۔ مگر توبہ توبہ یہ اسلام کیا۔ اور

تو نے دونوں کو خوارزم روانہ کر دیا؟" یہ سوال ابراہیم سے ہوا تھا جس نے جواب دیا۔

ابراہیم۔ "بھلا امیر کا حکم ٹل سکتا تھا۔ جناب! اب وہ دونوں خواب مرگ کے مزے لے رہے ہوں گے۔"

ابومسلم۔ "مجھے ڈر ہے۔ کہ تو نے غلطی کی ہو۔ اور وہ تخرودری۔ اس پر خدا کی لعنت سے بچ گیا ہو۔ مگر خیر اب ایک کام اور بھی تجھ سے لوں گا۔ اور اُسے کرا لیا۔ تو انعام سے مالا مال کر دوں گا۔" حتیٰ کہ ابومسلم کی یہ گفتگو سن کر اُس ڈگیہ اور اس پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ قریب تھا منہ سے چیخ نکل جائے۔ لیکن اُس نے ضبط سے کام لیا۔ اور دیوار کے پیچھے جھک کر پھر ابومسلم اور ابراہیم کی باتیں سننے لگا۔ اور ابراہیم کو یہ کہتے سنا۔ "جناب عالی! جو حکم ہو بندہ تعمیل کے لئے حاضر ہے۔"

ابومسلم۔ "اب مجھے "شیبان" کی فکر ہے۔ یہ خارجیوں کا سردار مارا جائے۔ تو پھر عراقی سپاہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتی۔ اور ہم بآرام حکومت کر سکتے ہیں۔"

ابراہیم۔ "حضور والا! یہ کتنی بڑی بات ہے جس طرح میں نے علی بن کرمانی۔ اور اس ملعون "شبیب" کو جہنم واصل کیا ہے۔ ویسے ہی "شیبان" کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔"

ابومسلم۔ "نہیں نہیں۔ مجھے امید نہیں کہ تمہارا جال اُس پر پڑ سکے لیکن میں اُسے باہم معاہدہ اتحاد کرنے کے لئے اپنے پاس بلواؤں گا۔ اور یہ تدبیر ٹھیک بھی جائے گی۔ پھر ——" کچھ اس قدر آہستہ سے بولنے لگا۔ کہ شاہک سننے کا موقع نہیں ملا۔ مگر وہ سمجھ گیا۔ کہ "شیبان" کے قتل کی فکر ہے۔ اور پھر ابراہیم کی آواز آئی۔

ابراہیم۔ "میں یہ خدمت بھی بخوبی انجام دے سکتا ہوں۔ حکم ہو تو اسی وقت جاؤں؟" اب بالکل سناٹا چھا گیا۔ اور شاہک ڈرا۔ کہ مبادا ابراہیم یا ابو مسلم دونوں میں سے کوئی نکل آئے۔ اس لئے وہ بہت جلد دبے پیروں باہر نکل

گیا۔ اور دربان کا شکریہ ادا کرتا ہوا ادھر سے باہر جا کے سیدھا خوارج کے کیمپ کی طرف
چلا۔ وہ دل میں ابراہیم یہودی کو ہزاروں لعنتیں بھیجتا۔ اور اپنی ناکامی پر تاسف
کھاتا جاتا تھا۔ ابومسلم کی عیاری اور اس کے یہودی خزانچی کی مکاری کا علم ضحاک
کے دل میں جوش انتقام کو بڑھا رہا تھا۔ اور وہ سوچتا جاتا تھا۔ کہ کس طرح ابومسلم کو
نیچا دکھائے۔ یکایک اس کے دل میں ایک خیال ایسا آگیا۔ کہ فرط مسرت سے اچھل
پڑا۔ اور فوراً خوارج کے کیمپ کا راستہ چھوڑ کر سیدھا کرمانی کے لشکرگاہ میں چلا آیا۔
ضحاک اہل یمن کے لشکر میں داخل ہوتے ہی ایک معزز سردار کے خیمہ پر گیا جس کو وہ
بخوبی جانتا تھا۔ اور ابھی وہ خیمہ سے کسی قدر فاصلہ ہی پر تھا۔ کہ ایک محافظ سپاہی
نے اُسے ٹوکا۔ "کون ؟"

ضحاک۔ "امیر کہاں ہیں ؟"

سپاہی۔ "وہ تھوڑی دیر ہوئے شہر مرو میں گئے ہیں"

ضحاک۔ (حیرت سے) "اس وقت !! آخر اس کا سبب ؟"

سپاہی۔ "امیر ابومسلم نے تمام یمنی امیروں کو بلوایا تھا۔ اس لئے وہ گئے ہیں"

ضحاک۔ (حیرت سے سراسیمہ ہو کر) "تو کیا سب چلے گئے ؟"

سپاہی۔ "بیشک"

ضحاک یہ سنکر دم بخود رہ گیا۔ اور اُسے معلوم ہونے لگا۔ کہ ابومسلم نے
اس خیال سے کہ صبح کو علی بن کرمانی کی موت کے باعث یمنی امیروں کو کسی سرکشی
کا موقع ہی نہ ملنے دے۔ انہیں بلوا کر اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے۔ وہ دل میں کہنے
لگا۔ "اُف۔ یہ ظالم تو آفت کا پتلا ہے!! کس قدر دور اندیش اور قابو چی
شخص ہے۔ یہاں بھی مجھ سے بازی لے گیا۔ اور اب مشکل ہے۔ کہ اس خراسانی پر کسی
کا قابو ہو سکے" ضحاک نے سوچنا شروع کیا۔ کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے ؟ اور
کچھ دیر کے غور میں وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا۔ کہ ایسی حالت میں خارجی لوگوں کا شہر
مرو کے محاصرہ پر ثابت قدم رہنا مشکل اور بُرا ہے۔ لہٰذا ان کو سردست یہاں سے

واپسی کا مشورہ دینا بہتر ہوگا۔ ضحاک جلد جلد بھاگتا ہوا خوارج کے کیمپ میں جا داخل ہوا اور راستہ بھر اس کا دل اس خوف سے کانپ رہا تھا۔ کہ مبادا ابومسلم نے "امیر شیبان" کو بھی پھانس لیا ہو۔ لیکن جب وہ "شیبان" سے مل لیا تو اسے اطمینان ہوا۔ اور اس نے شیبان کو تمام قصہ سنا کر کہا۔ —— "میں نے ابراہیم خزانچی کے ساتھ مل کر حلیم کی کو اس طریقہ سے زہر دینے کی تجویز نکالی تھی۔ مگر اب معلوم ہوا۔ کہ وہ یہودی بچہ میری جان لینے کا بھی عازم تھا۔ اور ابومسلم نے اس کو اس بات کی ہدایت کی تھی۔" (پھر کچھ یاد کر کے یکایک چونک کر) "اور ہاں۔ امیر شیبان! مجھکو بڑی حیرت اس امر کی ہے۔ کہ ابومسلم اور اس بدمعاش یہودی کو میرا راز کیونکر معلوم ہوگیا؟"

شیبان ۔ (غور کے بعد) "ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔ اور غالباً وہ درست ہوگی۔ سنو! جس دن رات کو تم یہاں آئے تھے۔ اور میں نے فوج کو آمادۂ جنگ بنانے کا سامان کر رکھا تھا۔ اس دن ایک عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ مجھے اور تمام امرائے لشکر کو ایک دراز قامت قصہ خواں نے بیحد مسرور بنایا تھا۔ اور اس کا دوسرا ابستہ تھا۔" (ضحاک نے اس مقام پر کان کھڑے کر لئے) ساتھ ہی غضب کا دف نواز تھا ——

ضحاک ۔ "پستہ قد اور فربہ اندام بھی؟" بات کاٹ کر۔ سوال کیا۔

شیبان ۔ "ہاں۔ نہایت بھدا اور گول مٹول آدمی تھا۔ اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ جیسے آشوب چشم کی شکایت ہو۔ بہرحال تمہارے آنے کے وقت میں نے اُس قصہ خواں کو دوسرے خیمہ میں ٹھہرا رکھنے کا حکم دیکر اپنے خیمہ میں خلوت کر لی۔ اور جب تمہاری واپسی کے بعد اُسے بلوایا تو اس کو کہیں پتا بھی نہ تھا! چونکہ وہ قصہ خوان بغیر انعام لیئے کے چلا گیا تھا۔ اس واسطے مجھکو اب یہ کھٹکا پیدا ہوا ہے۔ کہ اس کے چلے جانے میں کچھ نہ کچھ بھید تھا۔"

ضحاک ۔ زانو پر ہاتھ مار کر اور حسرت کے لہجہ میں "حیف۔ یہ یہودی

بچہ بڑا مکار ہے۔ میری تمام مجلس اس نے برباد کر دی۔ ضرور نصف حوال کا ساتھی وہی تھا۔ میں نے اس کو خیمہ سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر تاڑ لیا تھا۔ مگر ٹھیک سے پہچان نہ سکا کیونکہ اس نے اپنی آنکھیں چھپا رکھی تھیں۔ افسوس!"

شیبان ۔ "خیر جانے بھی دو۔ پھر سمجھیں گے۔ ابومسلم کون ایسا بڑا مال ہے جو ہمارے قابو میں نہ آئے گا۔"

ضحاک ۔ "امیر! یہ نہ کہو۔ اس ظالم کے نام نہ لو مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہیں کھڑا میری اور تمہاری باتیں سن رہا ہے۔ مگر اب میری رائے میں تمہارا یہاں ٹھہرنا عبث ہے۔ اس لئے فوراً کسی اور جگہ چلے جاؤ۔ اور موقع پاکر ہم پھر دیکھ لیں گے۔"

شیبان ۔ (کچھ دیر پس و پیش کرنے کے بعد ضحاک کی صلاح کو مناسب سمجھ کر) "بہتر ہے میں چلا جاؤں گا لیکن تم بھی اب یہاں نہ ٹھہرو۔"

ضحاک ۔ "نہیں نہیں میری بابت تم کچھ فکر نہ کرو۔ میں جب تک اس موذی ابومسلم سے انتقام نہ لوں گا۔ اب تک مجھے ہرگز چین نہ آئے گا۔"

اس قدر گفتگو کے بعد ضحاک شیبان سے رخصت ہو کر مینی کمپ کی طرف روانہ ہوا۔ اور شیبان نے رات ہی کے وقت محاصرہ توڑ کر وہاں سے کوچ کر دیا۔

سترہواں باب

طمع را سہ حرف است و ہر سہ تہی۔

لالچ بری بلا ہے۔ اور دولت کا قاعدہ ہے۔ کہ جس وقت اس نے کسی انسان سے موافقت کی تو سب سے پہلا حاسہ جو اس کے دل میں پیدا کرتی ہے۔ وہ طمع ہوتی ہے۔ پھر تو آدمی خود غرضی اور مطلب دوستی، مکر و فریب، حق تلفی، اور اسی طرح کے برے اخلاق اختیار کرتا جاتا۔ اور ہر طرح بر زیادہ طلبی کی ہوس میں گرفتار ہو کر سلطنت ہفت اقلیم کے حصول پر بھی بس نہیں کرتا ہے لیکن لالچی اور حریص کی آرزو

بہت کم پوری ہوتی ہے۔ اور گو وہ ہر طرح اپنی کامیابی کے لئے جد و جہد کرتا ہے
تاہم بقول اُستاد سعدی ؎

کاسۂ چشم حریصاں پُر نشد　　تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

عزت و حشمت، دولت و ثروت، اور جاہ و جلال سے حریص کا دل سیر نہیں ہوتا بلکہ
وہ ہر دم "ہل من مزید" کی صدا لگاتا۔ اور آخر کار اُسے ذلت و رسوائی کے غار میں
جا دھکیلتی ہے۔

بجنسہ یہی حالت ہمارے ناول کی جان مہ پارہ گلنار کے باپ دہقان مرو
کی بھی کہ وہ باوجود ملک خراسانی کا سب سے بڑا علاقہ دار اور بیحد مالدار ہونے
کے مال و زر کے جمع کرنے سے سیر نہیں ہوتا تھا۔ اور خود کامی کا بھوت اس کے سر پر
اس طرح سوار ہوا تھا۔ کہ اُس سے اپنے انجام کی صحیح فکر کسی وقت نہیں ہوتی تھی
پہلے اُس نے آنکھ پھیلا کر دیکھا۔ تو نصر بن سیار کی کمزوری اور کرمانی کی چیرہ دستی
پر نظر پڑی۔ اور وہ اس میدان سے کہ عنقریب کرمانی ملک خراسان کا حکمران بننے
والا ہے۔ اس کا تقرب ڈھونڈھنے کے درپے ہوا۔ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی گلنار
کو اس کی مرضی کے خلاف خواہ مخواہ علی بن کرمانی کے ساتھ بیاہ دیا۔ اور گلنار جو ابومسلم پر
ہزار جان سے مٹی تھی۔ اپنے باپ کی زبردستیوں سے تنگ آکر در پردہ ابومسلم سے ذریعہ
الفت اور خواہش مواصلت کی سلسلہ جنبانی کرنے لگی جس کا حال اگلے ابواب میں درج
ہو چکا ہے۔ اور دہقان کی شامت کا پہلا باب یہیں سے آغاز ہوتا ہے کیونکہ گلنار کے
پیام و سلام اور ناشائستہ حرکتوں سے ابومسلم پر اس کے حریص اور مکار باپ کا راز آئینہ
کر دیا تھا۔ اور ابومسلم سمجھ گیا تھا۔ کہ دہقان مرو اس کے ساتھ بالکل جھوٹی مدارات
کرتا۔ اور فریب کھیلتا ہے۔ اور کہ وہ ایک رکابی مذہب شخص ہے جو اپنے کاروبار کی
کے واسطے عزیز بیٹی پر بھی جبر و ستم روا رکھتا ہے۔ اور اُسے علی بن کرمانی کے ساتھ محض
اس لئے منسوب کرنا چاہتا ہے۔ کہ کرمانی کے رسوخ سے نفع کما سکے۔ دہقان مرو
کو یہ خبر ملی۔ کہ ابومسلم شہر مرو پر قابض اور متصرف ہو گیا ہے۔ اور علی بن کرمانی جو اس

بعد سے اب تک پرورش پا رہی تھی۔ اور جس کے ہر درد دیوار سے اُسے ایک خاص انس ہو گیا تھا۔ اپنے محل میں آ کر اس کا جوش اضطراب بھی کچھ تھم گیا۔ اور جب دیوان خانہ کے کمرہ میں جانے کے بعد ملازموں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ تو ریحانہ نے دہقان کے اشارہ سے یوں عرض کیا۔ "حضور والا! آپ کیا دریافت فرماتے ہیں؟ بانو کی تو قسمت نصیب دشمناں پھوٹ گئی۔ (رو کر) آہ۔ ان کا سہاگ جاتا رہا۔"

دہقان۔ (گھبرا کر) "ارے صاف صاف بات کیا ہے؟"

ریحانہ۔ "حضور! آج صبح کو۔ ہاں۔ وہ۔ بانو کے دولہا۔ دنیا سے چل بسے روتی ہے۔

دہقان۔ (حیرت سے مبہوت ہو کر) "ارے! علی بن کرمانی۔ فوت ہو گیا!!"

ریحانہ۔ "ہاں حضور! اور اچانک۔"

دہقان نے یہ بات کیا سنی کہ اس کے دل پر ایک غم کی بجلی سی گر گئی۔ اور دم بخود ہو کر رہ گیا۔ حالت تفکر میں داڑھی کے بال نوچنے اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ اُسے صاف نظر آ رہا تھا کہ اب خراسان والوں کی کامیابی محال ہو گئی۔ اور اہل عرب کے قدم اس ملک سے اکھڑ گئے۔ آہ میں نے کیا سوچا تھا۔ اور کیا ہو گیا؟ پھر وہ گلنار کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اب تک سسکیاں لے لیکر روتی جاتی۔ اور اُسے تسکین و دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹی گلنار! تو کیوں اپنی جان کو ہلکان کر رہی ہے؟ اب چپ بھی ہو۔ خدا کی مرضی یوں ہی تھی۔ صبر و شکر کے سوا چارہ کیا ہے۔" پھر ریحانہ سے "ہاں ریحانہ! تو کیا کہتی تھی؟"

ریحانہ۔ "حضور! بیاہ کا تو نام ہی ہوا۔ بانو جس دن سے گئیں بس دو ایک دفعہ دولہا کی صورت اور وہ بھی دور سے دیکھنے کی گنہگار ہوئیں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہوئی۔"

دہقان۔ "تو کیا زفاف کی نوبت نہیں آئی؟"

ریحانہ۔ "نہیں حضور! وہ تو جنگ میں مصروف رہے۔ اور پھر انہوں نے

یہ عہد کر لیا تھا۔ کہ بانو کو شہر مرو کے دار الامارۃ میں پہنچا کر اُن کے پاس آئیں گے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا کہ فتح اور کامیابی حاصل کر کے اچانک وہ دنیا ہی سے گزر گئے۔"

دہقان نے ریحانہ کی یہ گفتگو کیا سنی۔ کہ اس کی مرجھائی ہوئی کشت امید میں پھر پانی پڑ گیا۔ اور وہ دل میں مسرور ہوا کہ اب اُسے ابو مسلم سے تقرب حاصل کرنے کا ایک اور مناسب ذریعہ ہاتھ آگیا ہے۔ ضرور ہے۔ کہ ابو مسلم اس کے ساتھ رشتہ کرنے کو غنیمت تصور کرے گا۔ اور پھر تو تمام بگڑا ہوا کھیل بن جائے گا۔ مگر اُسے اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔ کہ ابو مسلم کو اس کے کرمانی کے ساتھ تعلقات رکھنے کا علم ہے۔ اور یہ بات کیسی کچھ خطرناک ہے۔ بہرحال دہقان کو گلنار کے ہنوز در ناسفتہ ہی رہنے سے بحد مسرت ہوئی۔ اور وہ بیٹی کو پیار کر کے کہنے لگا۔

"جان پدر! بس اب تم رونا موقوف کرو۔ اور اپنے کمرہ میں جا کر آرام فرو۔ اگر خدا نے علی بن کرمانی کو اٹھا لیا تو کچھ غم نہیں۔ میں انشاء اللہ اب تمہارے واسطے ایسا اچھا دولہا ڈھونڈوں گا جو قومیت، مذہب، اور یگانگت میں بالکل ہمارا ہی نظیر ہو۔"

گلنار۔ (دل میں اس بات کے سمجھنے سے مسرور ہو کر۔ اس کا باپ ابو مسلم کی نسبت یہ باتیں کہہ رہا ہے) "بابا جان! حضور کی محبت پدری میری تمام تکلیفوں کی دوا واقع ہے۔ اور میں تو بے عذر لونڈی ہوں۔ جو حکم ملا اس کی تعمیل کی اور آئندہ بھی بجا آوری ارشاد کے لئے حاضر رہوں گی۔"

دہقان۔ "زندہ باش۔ سمجھدار بیٹی! تیری لیاقت نے مجھے بہت مسرور بنا یا ہے۔ اچھا اب جا کے آرام کر۔" پھر ریحانہ سے "ریحانہ! اس نے صنی کس کو تمہارے ساتھ کر دیا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ اب وہ نظر نہیں آتا؟"

ریحانہ۔ "جی ہاں۔ وہ یہاں سے جا کر خدا جانے کہاں چلا گیا۔ بیگم، اس کی جگہ امیر علی مرحوم نے ایک دوسرا خادم صالح نامی شہر مرو کا رہنے والا ہمیں دیا تھا۔ اور وہ ساتھ آیا ہے۔ کیا حضور نے اُسے نہیں دیکھا؟"

دہقان ۔ "اچھا ۔ وہ جو جبہ پہنے اور عمامہ باندھے تھا ۔ ہاں معلوم ہوا
بہتر ہے ۔ کہ اب تم دونوں جاکر آرام کرو"

گلنار، اس کا باپ، اور ریحانہ ۔ تینوں اس گفتگو کے بعد ایک دوسرے سے
جدا ہو کر اپنے اپنے مقام پر چلے گئے ۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ
دیکھ کر اپنا کام بنا لینے کا خیال کر کے مسرور ہو رہا تھا ۔ دہقان پر یہ فکر غالب تھی
کہ اب وہ کس طرح پر ابی مسلم کی نظروں میں عزت حاصل کرنے کا انتظام کرے
اور بہت کچھ سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں یہی آیا ۔ کہ پہلے تحائف اور ہدیے
بھیجکر ابومسلم کے خیالات کا اندازہ لے اور پھر خود اس سے ملنے جائے ۔ اور اپنی
بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دے تاکہ روابط اتحاد خوب مستحکم ہو جائیں ۔ اگرچہ وہ
تحائف پہلے ہی دن ابی مسلم کے فتح کی خبر سن کر ارسال کر چکا تھا ۔ اس لئے
وہ ان کے ساتھ ارسال کئے ہوئے تہنیت نامہ کا جواب موصول ہونے کے
انتظار میں رہا ۔

گلنار کو یہ تصور تھا ۔ کہ جب ہوا اس کے باپ ہی نے اُسے ابومسلم کے
ساتھ بیاہ دینے کا خیال ظاہر کیا ۔ اور وہ اس شرمناک کارروائی سے بچ
گئی ۔ کہ باپ کی خلاف مرضی اپنے محبوب سے ملنے کی سعی کرے ۔

ریحانہ ضحاک کی پردہ پوشی پر مسرور تھی ۔ اور اس کی بابت ہمیں ناظرین کو
یہ بات بتانی ہے ۔ کہ ضحاک فی الواقع کہاں، اور کس حالت میں ہے کیا فکر کر رہا ہے
کیونکہ وہ امیر شیبان خارجی سے یہ کہکر جدا ہوا تھا ۔ کہ جبتک ابومسلم سے انتقام
نہ لے گا ۔ اُسے چین نہ آئے گا ۔

ضحاک کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا ۔ کہ ابومسلم اس کی طرف سے مشکوک
ہے ۔ اور وہ اپنے دانست میں ابراہیم یہودی کے ذریعہ سے اس کو زہر دلوا کر فنا
کر چکا ہے ۔ لیکن حسن اتفاق سے یہ بچ رہا ۔ اور اب اس کو بھی ابومسلم کی پیشکی
کا معاوضہ لینا ضروری ہو گیا ۔ چنانچہ ضحاک نے شیبان سے رخصت ہوتے

تھی اپنی ہیئت اس طرح بدل لی کہ اُسے اس کے دیکھنے والے بھی مشکل پہچان سکیں
عمامہ کی جگہ سر پر نیچی سی ٹوپی۔ اور جسم میں سیاہ جبہ پہنکر وہ خراسانیوں کا ہم شبیہ
بن گیا۔ داڑھی کے بال نوچ کر اُسے بالکل کم اور کبیر کتر کے خشخشی کر دیا۔ مونچھ
کو مونڈ ڈالا۔ اور ابروؤں کے دونوں کو سے بھی مونڈ کر چھیں بر ما مالی۔ غرضکہ اس
شکل وشمائل سے وہ کرآئی کے کمپ اور گلنار کے خیمہ میں آیا۔ تو ریحانہ کے سوا کوئی اسے
پہچان نہ سکا۔ ضحاک کی صورت میں اب تمسخر اور باولے پن کی ذرا بھی علامت نہیں
پائی جاتی تھی۔ اور جس وقت گلنار نے اس سے اس نئے بہروپ بنانے کا سبب
دریافت کیا تو اس نے کہا۔ کہ یہ ایک راز ہے۔ اور میں آپ کا جان نثار
خادم ہوں۔ لیکن آج سے میرا پہلا نام بالکل فراموش کر دیجئے اور آئندہ مجھے
صالح کے نام سے یاد کیا کیجئے۔ تاکہ کسی کو ضحاک کے زندہ ہونے کا علم نہ ہو۔
اور اس بات کا موجب میں کسی وقت آپ سے عرض کر دوں گا۔

گلنار علی بن کرمانی کی موت کے بعد اس فکر میں تھی کہ اب سیدھی ابو مسلم کے
پاس چلی جائے لیکن ریحانہ اور ضحاک نہیں تو صالح نے اس کو اس ارادہ سے
باز رکھا۔ اور یہ کہکر کہ اس طرح آپ کی عزت میں بٹہ آئے گا۔ اس کو باپ کے گھر
واپس آنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ گلنار نے با دل ناخواستہ ان کی صلاح مان
لی۔ اور باپ کے یہاں واپس آگئی۔ ضحاک اس کے ساتھ تھا۔ اور اب اسی نئے
نام "صالح" کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا تاکہ اُسے کوئی پہچان نہ سکے۔

دہقان مرو کو ابو مسلم کے پاس سے کوئی جواب آنے کا انتظار کرتے۔ دو دن
گزر گئے۔ اس کا اضطراب انتظار کے طول کھینچنے سے بڑھتا جاتا تھا۔ کہ یکایک
تیسرے دن قاصد شہر مرو سے واپس آیا۔ اور ابو مسلم کا خط دہقان کو دیا۔ ابو مسلم
نے دہقان کو اپنے پاس بلایا تھا۔ کہ وہیں دربار میں موجود رہے۔ اور مشورت
میں شریک ہو۔ ابو مسلم کا خط پڑھتے ہی دہقان جوش مسرت کو ضبط نہ کر سکا
اور فوراً گلنار کو بلوا کر اس کے مضمون سے آگاہ کیا۔ گلنار بھی بے حد مسرت اندوز

اور اب وہ اسی فکر میں ہوئی۔ کہ کسی طرح اپنے باپ کا عندیہ معلوم کرے۔ کہ آیا وہ اس کو بھی اپنے ساتھ لیجائے گا یا نہیں چنانچہ اس نے کہا۔ "تو کیا اب آپ شہر مرو کو جائیں گے؟"

دہقان۔ "اور کیا کرسکتا ہوں۔ طلبی آئی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کیونکر ممکن ہے؟"

گلنار "پھر کب ارادہ ہے؟"

دہقان "غالباً کل ہی"

گلنار۔ "تو پھر تحائف اور زر نقد نذر کے لئے بھی لیجائے گا؟"

دہقان۔ "یقیناً! اب تو وہ خراسان کا بادشاہ ہو گیا ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اسے مقاصد میں پوری کامیابی حاصل ہوگی۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اس سے تقرب کرنے کی سبیل نکالیں۔۔۔ اور مجھے امید ہے کہ تو اس بارہ میں میری مدد کرے گی"

گلنار۔ "میں لونڈی اور تابع حکم ہوں۔ جو ارشاد ہو تعمیل کروں"

دہقان۔ "اگر تو ابومسلم کے بارہ میں میری بات مان جاتے تو پھر ہم اس کے ذریعہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ قاصد سے مجھکو معلوم ہوا ہے۔ کہ علی بن کرمانی کی موت کے بعد یمن کی بے سری فوج بھی اسی کے قابو میں آ گئی ہے۔ اور خوارج کا لشکر محاصرہ توڑ کے بھاگ گیا ہے۔ بس آج تمام ملک خراسان اسی کے زیر حکم ہے۔ اور عنقریب ہر جگہ اس کی حکومت کا [illegible] سکہ جم جائے گا۔ چونکہ ابومسلم شہر مرو کی فتح ہی میں مصروف تھا۔ کہ اس کے ماتحت افسروں نے خراسان کے دیگر شہروں کو بھی لے لیا۔ اور تمام لوگ بڑی خوشی کے ساتھ سیاہ پوشش بنکر اہل بیعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ (کسی قدر رک کر) "لہٰذا ہمارا فائدہ اس کے تقرب میں ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ تو اس امر میں میری بات ضرور مانے گی"

گلنار جس نے اب تک بڑے غور سے اپنے باپ کی گفتگو سنی۔ اور اپنے مسرت

جوش کو بمشکل ضبط کیا تھا۔ آخری فقرہ کو سن کر ایسی بیخود ہو گئی۔ کہ اس کا تمام حجاب جاتا رہا۔ اور فرط طرب سے چہرہ پر خون کی سرخی دوڑ گئی۔ وہ فوراً بول پڑی "جب میں نے ایک غیر قوم شخص کے یہاں بیاہ جانے میں عذر نہیں کیا۔ تو اب ـــــ" پھر شرم نے زبان پکڑ لی۔ اور وہ ساکت رہ گئی لیکن یہ سکوت سراپا رضا و رغبت کا مظہر تھا۔

دہقان۔ (خوش ہو کر) "مرحبا میری فرمانبردار اور لائق نور دیدہ! شاباش!" (بیٹی کو سینہ سے لگا کر پیار کرنے کے بعد) "اب میں کل "مرو" جاؤں گا اور پہلی ملاقات میں موقع ڈھونڈھ کر تیری نسبت کا ذکر چھیڑ دوں گا۔ وہاں سے میری طلبی آئے تو تم لائق حال جلوس کے ساتھ آجانا سمجھیں"

گلنار دل میں تو اپنی کار براری کی صورت بن جانے سے مسرور اور اسی بات پر راضی ہو گئی۔ کہ خیر باپ کی طلبی آنے پر جائے گی لیکن یہ خواہش کہ باپ کسی طرح اُسے ساتھ لے چلے۔ غالب تھی۔ اس لئے وہ کہنے لگی۔ "اور میں بھی آپ کے ساتھ چلوں تو کیا نقصان ہوگا؟ ذرا شہر کی سیر سے دل ہی بہلے گا"

دہقان۔ (کچھ دیر سر جھکا کر غور کرنے کے بعد) "نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں میرے ایک دوست کا مکان دار الامارہ کے بالکل متصل ہے تجھے وہاں ٹھہرا دوں گا اور خود امیر سے جا کر ملوں گا۔ اچھا تو بھی چل"

گلنار یہ مژدۂ جانفزا سن کر مسرت سے باغ باغ ہو گئی۔ اور دہقان نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ زر نقد کے صندوق اور تحائف کی کشتیاں تیار رکھے۔ وہ صبح کو شہر جائے گا۔ اور امیر کی نذر کرے گا۔

رات خیریت سے گذر گئی۔ گلنار کو جوش سرور میں بہت کم نیند آئی۔ انتظار کی گھڑیاں دنوں سے اور رات مہینوں بلکہ سال سے بھی بڑھ گئی۔ پچھلی ہی رات کو وہ گھبرا کر بستر سے اٹھی غسل کیا۔ اور تبدیل لباس کی فکر میں ہوئی۔ ریحانہ بھی آگئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ بانو کپڑے بدل رہی ہے۔ تو جلد جلد مدد دیکر کپڑے پہنائے کنگھی چوٹی سے درست کر دیا۔ اور ہر طرح کا بیش بہا مرصع زیور جسم پر آراستہ کیا۔

اس وقت گلنار کے حسن وجمال کا عالم قابل دید تھا۔ اور ریحانہ نازاں اس کی طرف
دیکھ کر ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کا ورد دل میں کر رہی تھی آفتاب برآمد ہونے سے
بہت پیشتر گلنار اس طرح بن ٹھن کر منتظر ہو بیٹھی۔ کہ اب اس کا باپ چلنے کا حکم
دیتا ہے۔ اور اب کوچ ہوتا ہے دوسری طرف دہقان بھی علی الصباح بستر استراحت
سے اٹھا۔ غلامان زریں کمر حاضر ہوئے۔ تحائف کے اور زرنقد کے صندوق خچروں
پر بار کئے گئے۔ بہت سے رومی اور ترکی غلام، حبشی باندیاں، عربی اور ترکی
گھوڑے، اقاقم و سنجاب کے کپڑے دیبا و اطلس کے تھان، مرصع اور آبدار تلواریں
وغیرہ بیش بہا اور نفیس سامان جو امیر ابی مسلم کی نذر کے لئے رات ہی کو درست
کر رکھا گیا تھا۔ دہقان نے سب کا جائزہ لیکر اس کو روانہ کرانے کا حکم دیا۔ اور پھر
اسے پائگاہ خاص کے سواروں کا رسالہ جلو میں لیکر خود بھی سوار ہوا۔ گلنار کی سواری
کا ہودج بھی ساتھ تھا۔ اور یہ سواری نہایت شان وشکوہ سے روانہ ہو کر آفتاب
کی تمازت میں تیزی آنے سے پہلے ہی شہر مرو کے اندر داخل ہو گئی۔

دہقان مرو کی سواری دارالامارہ کے قریب پہنچی تو پہلے اس نے اپنے ایک
معزز دوست کے یہاں جس کا محل دارالامارہ سے بہت قریب تھا گلنار کو ٹھہرنے کے
لئے بھیج دیا۔ اور خود مع اپنے ہمراہی سواروں اور درباری لوگوں کے شاہانہ جلوس
کے ساتھ دارالامارہ کی طرف چلا۔ ایوان حکومت کے صدر دروازہ پر پہنچ کر دہقان
اور اس کے تمام حاشیہ کے لوگ خیال ادب سواریوں سے اتر پڑے۔ اور پیا
دہ محل کے اندر داخل ہوئے۔ دربان اور پہرے کے سپاہی دہقان اور اس کے
ساتھیوں کو تعظیم دیتے اور راستہ بتاتے اس کو درباری قصر کے دروازہ تک لے گئے
اور امیر ابی مسلم کو دہقان کے آجانے کی اطلاع کر دی۔ ابو مسلم نے حکم دیا کہ تنہا
دہقان کو دربار میں آنے دیا جائے۔ اور اس کے ہمراہیوں کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا جائے
اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور دہقان تن تنہا دربار میں داخل ہوا۔ جس وقت اس نے
پہلی دہلیز طے کی۔ دربانوں نے اس سے تلوار باہر رکھ جانے کو اشارہ کیا۔ وہ

تلوار وہیں چھوڑ کر دوسری دہلیز سے آگے بڑھا۔ دہقان مرد اس وقت ایک مرصع زرکار کلاہ پہنے تھا جس کے اوپر بیش بہا شالی عمامہ بندھا تھا جسم میں فاخرہ لباس تھا۔ اور ریشمی کپڑے کی قبا، اوپر سے پہن رکھی تھی۔ کندھوں پر حریر کا کار چوبی رومال پڑا تھا۔ اور وہ بہت تجمل کے ساتھ خراماں خراماں جارہا تھا۔

دہقان مرد درباری ایوان کی سات دہلیزوں کو طے کرتا اس وسیع ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں ابی مسلم کا دربار جما ہوا تھا۔ اور تمام عالی مرتبہ نقیب اور سپہ سالار صف بستہ مؤدب بیٹھے تھے۔ صدر مقام میں ایک کرسی پر ابومسلم جلوہ فرما تھا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ کو خالد بن برمک، سلیمان بن کثیر، اور دیگر چیدہ نقیب بیٹھے تھے۔ جس وقت وہ امیر ابی مسلم کے روبرو پہنچا۔ تو اس نے درباری آداب کے ساتھ سلام کیا۔ اور ابومسلم نے جواب سلام اور خوش آمدید کہکر دہقان سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ دہقان آگے بڑھکر ابومسلم کے روبرو بیٹھ گیا۔ اور اس نے حسب قاعدہ دوبارہ سلام کیا۔ جس کے جواب میں ابومسلم یوں کہنے لگا۔ ”دہقان! ہم آپ کے تحائف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“

دہقان ۔ تواضع کے انداز سے، ”نہیں جناب! میں نے کیا ہدیہ نذر کیا ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ اور اس کی بجا آوری میرے لئے کوئی قابل تعریف امر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ معاملہ تو ایک ہی ہے۔“

ابومسلم ۔ ”نہیں نہیں۔ آپ نے بڑی عنایت کی ہے، ہم اس دن کی مہمانداری اور مدارات کبھی نہیں بھول سکتے جبکہ ہم آپ کے یہاں مہمان ہوئے تھے۔“

دہقان ۔ دل میں اس تعریف سے خوش ہوکر ”جناب! یہ تو میرا فرض تھا۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس کی بجا آوری سے میں کسی طرح مستحق مدح نہیں ہوسکتا۔ آپ نے جس اہم کام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اس میں عموماً ہر ایک خراسانی اور فارسی شخص کو جان و دل سے شریک ہونا لازم تھا۔ کیونکہ آپ نے اہل عرب سے ہماری دیرینہ عداوت کا انتقام لیا ہے۔“

ابومسلم نے دہقان کی یہ گفتگو سن کر خالد بن برمک پر ایک تجسس نگاہ ڈالی اور خالد نے بھی اس کی جانب نگاہ کی۔ اور پھر دونوں کی نظریں دہقان کی جانب متوجہ ہوگئیں جو اس وقت نہایت تنا ہوا بیٹھا تھا۔ اور انگلیوں سے داڑھی کے بال کریدتا جاتا تھا۔ اور ابومسلم نے کہا "کیا آپ کو یہ بات اس وقت سے پہلے بھی معلوم تھی کہ ہم لوگ واقعی اہل خراسان کی خدمت ادا کر رہے ہیں؟"

دہقان دل میں اس عجیب سوال سے گھبرا گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابومسلم نہایت کم سخن شخص ہے۔ اور جو بات وہ کہتا ہے۔ اس کے بہت کچھ معانی ہوتے ہیں لیکن بظاہر اس نے دل کڑا کر کے جواب دیا "ضرور۔ یہی وجہ ہو سکتی تھی کہ آپ جس شب کو غریب خانہ پر تشریف لائے تھے۔ اس دن کی صحبت آپ کو یاد نہیں۔ آپ نے مجھے امام کی وصیت سنائی تھی۔ اور وہ ہدایت نامہ فی الواقع اسی قابل تھا کہ ہر ایک فارس کا رہنے والا بدل وجان اس کی اعانت پر مائل ہو۔ چنانچہ اسی غرض سے میں نے آپ کی امداد و اعانت کا عہد کیا تھا۔"

ابومسلم۔ "ہیں! تو کیا آپ کو اس ہدایت نامہ کا مضمون یاد ہے؟"

دہقان۔ "بیشک اس کا مفہوم میرے دل میں بخوبی جم گیا ہے۔"

ابومسلم۔ "وہ مفہوم کیا ہے؟"

دہقان ابومسلم کی اس کرید سے دل میں سخت خائف ہوا۔ مگر بظاہر اس نے لاپروائی عیاں کر کے جواب دیا "مجھے یاد ہے۔ امام نے آپ کو اس بات کی ہدایت کی تھی کہ خراسان میں کوئی عربی زبان بولنے والا باقی نہ چھوڑنا۔ اور جس پر تم کو شک ہو اسے فوراً قتل کر دینا۔"

ابومسلم نے یہ گفتگو سن کر دہقان کو کچھ اس قدر غور کی نگاہوں سے دیکھا کہ دہقان سر تا پا کانپ گیا۔ اور اس شریر بد فطرت کا سب ناز کر سر چھپنے کے خاموش ہو گیا۔ پھر ابومسلم نے کہا "کیا تم نے اس ہدایت پر عمل کیا؟ کیا تم ہمارے دشمن اہل عرب کے مقابلہ میں ہمارے ساتھ مل کر سرگرم کوشش ہوتے رہے ہو"

ابومسلم نے اس لہجہ میں کہی جیسے اس کو کچھ شک ہے۔ اور وہ عمداً تجاہل عارفانہ کر رہا ہے۔

دہقان۔ (دل مضبوط کر کے) "کیوں نہیں۔ جہاں تک میرے امکان میں تھا۔ زر و مال سے حاضر و شریک ہوا۔ اور ملک کے دہقانوں کو آپ کی امداد پر مائل بنایا۔ یہ سب باتیں محض امام کے عادی کی تائید کے لئے عمل میں لائی گئی تھیں۔" دہقان دل میں سمجھتا تھا۔ کہ ابومسلم کو گلنار کے ابن کرمانی سے بیاہ دئے جانے کا کیا علم ہوگا۔

ابومسلم۔ "کیوں صاحب! کیا اہل عرب کے مقابلہ میں اپنے ملکی بھائیوں اہل فارس کی مدد کرنے کے یہی معنی ہیں۔ کہ آپ نے اپنی بیٹی علی بن کرمانی سے بیاہ دی اور اس کے جہیز میں لاکھوں کا سامان اور صدہا غلام و باندیاں نذر کیں؟"

دہقان اس بات کو سن کر دم بخود ہو گیا۔ اس کے بشرہ سے سراسیمگی کے آثار عیاں ہو چلے۔ ڈاڑھی کے بال لرزنے لگے۔ انگلیاں کانپنے لگیں۔ اور اسے جلد کوئی جواب سوجھ نہ پڑا۔ تاہم اس نے دل کڑا کر کے بتکلف ہنستے ہوئے کہا۔ "میں اپنی بیٹی کو آپ سے ملاقات ہونے کے قبل ہی علی کے ساتھ بیاہ چکا تھا۔"

ابومسلم۔ (بات کاٹ کر) "کیا خوب! تمہیں یاد نہیں کہ جس دن گھر آئے تھے۔ تو وہ لڑکی تمہارے پاس موجود تھی۔ اور ہماری ملاقات کے اسی دیوان خانہ میں تمہارے پاس بیٹھی تھی؟"

اب تو دہقان کی بری حالت ہو رہی تھی۔ اس سے کچھ جواب ہی بن نہیں آتا تھا۔ چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ تاہم چپ رہنے کا موقع نہ تھا۔ کھانس کر اور اپنے کپڑوں کو درست کرنے کا مشغلہ کر کے کہنے لگا۔ "میری مراد یہ نہیں کہ میں اسے رخصت بھی کر چکا تھا۔ بلکہ اس کا نکاح نامہ اس رات سے قبل تحریر کر چکا تھا۔ اور اس کے ماسوا وہ لڑکی میری اکلوتی بیٹی تھی۔ اور اس کا میلان طبع بھی اسی طرف

تھا اس لئے میں نے تم اس کا دل توڑنے سے گریز کیا"

ابومسلم۔ (زور دے کر) کیا جو تم کہہ رہے ہو سچ کہتے ہو۔؟"

دہقان۔ "امیر کے سر کی قسم بالکل سچ"

ابومسلم۔ "لیکن اگر تمہارا جھوٹ ثابت کر دیا جائے؟"

دہقان یہ سنکر خوف سے زرد پڑ گیا، دل دھڑکنے لگا۔ تمام بدن میں رعشہ
طاری ہو گیا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں اپنے دائیں بائیں جس قدر منصب اور
سپہ سالار بیٹھے تھے۔ ان پر نظر ڈالی۔ اور ان سے کچھ امداد کا خواہاں معلوم ہوا لیکن
وہ سب لوگ سر جھکائے صم بکم بنے بیٹھے تھے۔ دہقان خاموش رہ نہیں سکتا تھا۔
کیونکہ سکوت میں اپنی غلط بیانی کا صریحی اعتراف تھا۔ اور چونکہ ابومسلم کو اپنی بیٹی کے
حالات سے ناواقف محض تصور کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "توبہ توبہ
میں اور امیر کے سامنے جھوٹ بولوں۔ یہ ہرگز ہو نہیں سکتا"

ابومسلم۔ [illegible] کوئی چراغ [illegible] دیا
ارشاد ہوا چنانچہ [illegible] اس ملاقات کے بعد [illegible] ہوا۔ وہ لڑکی ہرگز [illegible]
کرانی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ تم نے زبردستی ہماری دعوت کو [illegible] سمجھ کر
اور اس عربی سپہ سالار کا تقرب چاہنے کے لئے لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف کراتی
کے گھر روانہ کر دیا۔ ہمارے دیوان خانہ سے چلے آنے کے بعد تمہاری بیٹی [illegible]
تم سے اس شادی کے بارہ میں جھگڑتی بھی رہی۔ لیکن تم اپنے [illegible] پر قائم رہے
اور تم نے اس کی فریاد و زاری پر مطلق توجہ نہیں کی"

تمام دربار کے لوگ یہاں تک کہ [illegible] بھی ابومسلم کے ان حالات سے
باخبر ہونے کے باعث کمال متحیر ہوئے۔ ان کی حیرت بجا تھی۔ اس لئے کہ ابومسلم کا کام
کے علاوہ [illegible] کو سرسبز بنانے اور فوج کی اعلیٰ سپہ سالاری کے فرائض انجام دینے میں مصروف
ہونے کے باوجود ایسے خفیہ حالات پر بھی اطلاع بہم پہنچا لینا نہایت تعجب خیز واقعہ
تھا۔ [illegible] زادے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے اور دہقان

کہ تو خوف خشک ہوگیا۔ اس پر اس قدر ہراس طاری تھا۔ کہ اس کا دم بند ہو رہا تھا۔ وہ
دیتا کیسا۔ اُسے تو آرزو یہ تھی۔ کہ کاش اس وقت زمین پھٹ جاتی۔ اور وہ اس میں سما
جاتا۔ کچھ دیر تک تمام دربار پر عجیب طرح کا سناٹا چھایا رہا۔ ہر شخص سکوت اور حیرت
کے عالم میں بُت بنا بیٹھا تھا۔ اور سانس بھی اُن کے سینوں میں بمشکل سماتی تھی۔ آخر
ابومسلم ہی نے اس طلسم سکوت کو توڑ کر اپنے نقیبوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا
"تم لوگ اس خراسانی کے بارہ میں کیا رائے قائم کرتے ہو۔ اس نے امام کی ہدایت
سن لی تھی۔ اور جانتا تھا کہ امام نے اہل عرب کے برباد کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ پھر بھی
اس نے اہل عرب کی اعانت کی اُس نے رشتہ کیا، اور ان کی دوستی کو ضروری
تصور کرتا رہا۔ اور اب ہمارے سامنے یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ وہ ہماری مدد کرتا تھا"
ابومسلم کی اس گفتگو کا کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے
کہ ابومسلم اُن سے مشورہ نہیں کرتا ہے۔ بلکہ وہ دہقان کو دھمکا رہا ہے۔ اور ابو
مسلم نے دہقان سے مخاطب ہو کر کہا۔۔۔ " اس صورت میں تم نے امام کی
ہدایت پر ہرگز عمل نہیں کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اپنے خراسانی بھائیوں کی
مدد کرتے اُلٹے تم نے ان کے دشمن اہل عرب کا ساتھ دیا۔ اور ہمارے دشمنوں کی
شرکت پسند کی۔ اور میں مجبور ہوں۔ کہ امام کی ہدایت پر عمل کروں خاص کر اس کے
آخری فقرہ پر۔ کیوں تم کو معلوم ہے۔ کہ وہ کیا فقرہ ہے ؟ "
ابومسلم کے تمام درباریوں نے سمجھ لیا۔ کہ وہ امام کے اس ارشاد کی طرف اشارہ
کر رہا ہے۔ کہ "جس پر تمہیں شک ہو اسے قتل کر دینا" اور دہقان بھی اس بات
کو اچھی طرح جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے رحم اور معافی چاہنے کی نظروں سے ابومسلم
کی طرف دیکھا۔ اور ابومسلم نے یہ جواب دیا۔۔۔ " امام کی فرمانبرداری ہر ایک
انسان کی اطاعت سے افضل ہے۔ اور وہ مجھے حکم دے چکے ہیں۔ کہ جس پر تمہیں
ہو اُسے قتل کر دینا۔ مجھ کو تمہاری طرف سے شک پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے
کہ میں تم کو قتل کر دوں۔ اور کوئی چارہ کار نہیں مل سکتا" پھر ابومسلم نے دو

کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اور معاً چار بدہیئت ہٹے کٹے شخص جو گھٹنوں سے نیچے تک چوغے کے لمبے کرتے پہنے۔ اور سروں پر نوکدار کھال کی ٹوپیاں اوڑھے ایک گوشہ سے نکل کر سامنے آئے۔ ان لوگوں کے تمام لباس پر خون کے دھبے تھے۔ اور تازہ چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور کمر کے پٹکوں میں برہنہ خون آلود تلواریں لٹک رہی تھیں۔ دہقان کو ان کی صورتیں دیکھتے ہی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ جلاد ہیں۔ اور اسی اثناء میں اس نے ابومسلم کو یہ کہتے بھی سنا۔ "اس خائن کو جہنم پہنچا دو"

دہقان اپنے قتل کا حکم سن کر بیتابی کے ساتھ ابومسلم کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگا۔ "جناب عالی! میری خطا معاف ہو۔ میں اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ خدا کے واسطے مجھے بخش دیجئے۔ میرا تمام مال و زر آپ کی نذر ہے۔ آدمی نے بُرا کیا"

ابومسلم۔ (ایوان کی چھت پر نظر ڈالتے ہوئے بے پروائی سے) "تیرا مال جاتا کہاں ہے۔ وہ تو بہرحال ہمارا ہو چکا خواہ تو قتل کر دیا جائے۔ یا زندہ رہے۔ اب تجھے اس سے سروکار ہی کیا ہے؟"

دہقان نے دیکھا کہ ابومسلم کا دل نہیں پسیجتا تو وہ خالد بن برمک کے قدموں پر گر کر سفارش کا طالب ہوا۔ اور خالد کو بھی اس کی عاجزی پر رحم آ ہی گیا۔ چونکہ خالد بن برمک کے سوا کوئی اور شخص ابومسلم سے سفارش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑھا۔ اور آہستہ سے ابومسلم کے کان میں کوئی بات ایسی کہی جس کی وجہ سے ابومسلم نے [illegible] حکم دیا۔ "اچھا سردست ہم نے اس کا قتل ملتوی کر دیا ہے۔ اس کو [illegible] لے جاؤ۔ اور ہم اس کے مقدمہ پر پھر غور کریں گے۔" چاروں جلاد اس کو [illegible] اور دہقان کو گھسیٹتے ہوئے بارہ سے بغل میں ایک چھوٹے دروازے [illegible] سے نہیں معلوم کہاں لے گئے کہ کسی کو پتہ نہ لگا۔

ہوکر کھانے سے فراغت حاصل کی۔

دوپہر دن گزر گیا۔ زوال ہوا۔ سہ پہر کا وقت آیا۔ اور دہقان مرد درنا سے واپس نہ ہوا۔ اس بات سے گلنار کے دل پر جو کچھ زرد چھایا ہوا تھا۔ اس کو ذکر ہی کیا ہے۔ میزبانوں کی بھی پریشانی ناقابل بیان تھی۔ گلنار کی بیتابی کسی خوف کی وجہ سے نہ تھی۔ کیونکہ اس کے دل میں ابی مسلم کی طرف سے اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی ہونے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ مگر وہ اس لئے مضطرب تھی۔ کہ اس کا باپ آتے ہوئے سے پتا لگے۔ کہ ابومسلم نے اس سے اس کے بارہ میں کیا کہا ہے۔ سارا دن اسی تردد میں ختم ہو گیا۔ اور شام ہوتے ہی میزبانوں میں ایک عجیب کھلبلی مچ گئی۔ وہ بظاہر تو گلنار سے دنیاسازی کی باتیں کرتے مگر جب الگ ہو جاتے۔ تو ان میں باہم خدا جانے کیا سرگوشیاں ہونے لگتیں۔ گلنار اس بات کو دیکھ کر بیحد افسردہ ہوئی۔ اور آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ تو ریحانہ سے اس کی شکایت کرنے لگی۔ کہ ان محل والوں کو کیا ہو گیا "یا بایں شور اشوری یا بایں بے نمکی" کہاں تو اتنی خاطر داریاں تھیں۔ اور کیا اب مجھ سے باتیں کرنے میں بھی ان کو عار آ رہا ہے۔ اور سب مجھ سے چھپتے چھپتے پھرتے ہیں۔ اور ریحانہ نے گلنار کی شکایت تسلیم کرکے کہا "ہاں بانو! میں بھی ان کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات کیا ہے؟"

گلنار۔ "ریحانہ! میرا خیال ہے کہ ضرور ابا جان پر کوئی واردات گزری ہے" ہنوز گلنار اپنی بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی۔ کہ ایک خادمہ نے اس کے پاس آکر اطلاع کی۔ "حضور کا کوئی نوکر ڈیوڑھی میں کھڑا ہے۔ اور کچھ عرض کرنا چاہتا ہے" گلنار یہ بات سنتے ہی اٹھ کر ڈیوڑھی کی طرف چلی۔ اور ریحانہ بھی ساتھ ہولی۔ دونوں نے ڈیوڑھی میں پہنچتے ہی "صالح" (ضحاک) کو استادہ دیکھا جس کے بشرہ سے سراسیمہ ہونے کے آثار نمایاں تھے۔ اور ریحانہ نے اس سے دریافت کیا۔ "کہو کیا خبر ہے؟"

صالح۔ "مجھے کسی ایسی جگہ لے چلئے جہاں کوئی غیر ہماری گفتگو نہ سن

ریحانہ اور گلنار اس کو ایک علیحدہ کمرہ میں لے گئیں۔ گلنار کا اضطراب ترقی پر تھا اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ صالح نے تنہائی کا موقع پا کر کہا "کیا آپ کو آج ابو مسلم کے دربار میں جو واقعہ ہوا۔ اس کی کچھ خبر ملی ہے؟"

گلنار۔ (گھبرا کر) "کچھ بھی نہیں۔ کیا۔ ہاں بتاؤ؟"

صالح نے تمام وہ گفتگو جو ابی مسلم اور گلنار کے باپ کے مابین ہوئی تھی۔ یوں حرف بحرف کہ سنائی۔ جیسے وہ اس موقع پر موجود تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ اس مقام پر پہنچا کہ ابو مسلم نے دہقان مرو کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ تو گلنار کے تمام جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پھر صالح نے اسے خالد بن برمک کے سفارش کرنے سے دہقان کے قتل کا ملتوی ہونا۔ اور اس کا زندان میں بھیجا جانا کہہ سنایا۔ اور اس بات کو سن کر گلنار نے حیرت سے دریافت کیا۔ "میرے باپ پر قتل کا حکم دیا گیا؟ یہ کس لئے؟" گلنار اس وقت اپنے آپ کو عالم خواب میں تصور کرتی تھی۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کے باپ کے لئے ایسا سخت حکم کیوں ملا۔

صالح۔ "اس لئے کہ اس نے آپ کو علی بن کرمانی سے بیاہ دیا۔ اور اس عربی شخص کو اپنا داماد بنایا۔ حالانکہ ہمارے آقا دہقان بظاہر ابو مسلم کے فارسی گروہ سے میل رکھنے اور اس کے شریک کار ہونے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو مسلم ان کی طرف سے مشکوک ہو گیا۔ اور آپ کو یہ بات معلوم ہی ہے۔ کہ وہ کسی پر شک ہوتے ہی اسے قتل کر دیتا ہے۔"

گلنار نے یہ بات کیا سنی کہ اس کے خرمن عقل پر غم و اندوہ کی بجلی گر گئی۔ اس نے ریحانہ کی طرف استفسار کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور اسے اپنی نسبت بدرجہا بڑھ کر مبتلائے حیرت و تردد پایا۔ تو پھر صالح کی جانب متوجہ ہو کے حسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ "یہ وفاداری اور سچے دل سے مدد کرنے کا وقت ہے۔" اور گلنار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

صالح۔ (ادب سے سر جھکا کر) "بانو! میں بندۂ حکم ہوں۔ مگر میری جو رائے

ہے۔" اور چپ ہو گیا جس سے گلنار کا تردد اور بڑھا۔ اور اس نے [illegible] کہا "کہو بھی۔
تمہاری کیا رائے ہے؟"

صالح۔ "حضور! مجھکو تو اس معاملہ میں آپ کے سوا اور کسی کا بیچ میں پڑنا کارگر
ہوتا نظر نہیں آتا۔"

چونکہ یہ بات گلنار کے عین منشا کے مطابق تھی۔ لہذا اُسے اس کے ماننے میں
کوئی تردد نہیں ہوا۔ وہ ایک مدت سے ایسے وقت کی منتظر تھی جس میں اس کو اپنے
محبوب سراپا ناز اور دلبر بے نیاز کے ساتھ رو در رو گفتگو کرنے کا موقع ملے اور دفتر
حکایت و شکایت کھلے تاکہ شاید اسی حیلہ سے وہ اس سنگدل محبوب کے دل کو
ٹٹول سکے اور معلوم کر سکے کہ آیا وہ بھی اس سے اُلفت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔
اپنے باپ کے حق میں قتل کا حکم صادر ہونا سنتے ہی آمادہ ہو گئی تھی۔ کہ خود جا کر ابو مسلم
سے اس کی شفاعت کرے گی۔ اور اب صالح نے بھی یہی صلاح دی تو اس کا دل
فرط طرب سے اچھلنے لگا۔ اور وہ اچانک اُٹھ کر چلنے کے لئے تیار ہو گئی۔ صالح نے اس کی
یہ حالت مشاہدہ کر کے کہا "اسی وقت چلئے گا؟"

گلنار۔ "اور نہیں کیا؟ مجھے خوف ہے کہ دیر لگانے میں کہیں امیر کا حکم
نافذ نہ ہو جائے۔ اور ابا جان کا کام تمام ہو جائے۔"

صالح۔ "بہت مناسب ہے آپ ذرا ٹھہر جائیے میں جا کر اجازت لے آؤں
تاکہ ایسا نہ ہو کہ بلا اجازت جانے کی حالت میں واپس آنا پڑے۔ دربار کا صاحب میز
دوست ہے [illegible] کی معرفت ابھی انتظام کرا کے آتا ہوں۔ آپ تیار رہیں" یہ
کہکر چلا گیا۔ گلنار نے صالح کے جانے کے بعد ابو مسلم سے ملنے کی تیاری کر لی۔ زرکار
رومال کمر بند [illegible] ڈال لیا۔ اور سر سے ایک شالی رومال اوڑھنی کے طور پر لپیٹ لیا۔
لباس وغیرہ سے پہلے ہی خوب درست تھی۔ لہذا کسی زائد سامان کی حاجت نہ تھی۔
ریحانہ نے اس سے دریافت کیا کہ آیا وہ بھی ساتھ چل سکتی ہے؟ گلنار نے کہا۔ "
تیرا ساتھ چلنا ٹھیک نہیں ممکن ہے کہ دونوں کو ساتھ اندر جانے کی اجازت نہ ملے

اور پھر میں اس سے تنہائی میں ہی ملنا پسند کرتی ہوں۔ تاکہ کچھ باتیں کر سکوں۔"
اتنی ہی دیر میں صالح بھی آگیا۔ اور اس نے کہا "بانو! چلئے۔ امیر آپ سے
ملنے پر راضی ہیں" یہ سن کر گلنار اٹھی۔ لیکن اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا
اور قدم چلنے میں لڑکھڑا رہے تھے۔ اس وقت رات کی تاریکی خوب غالب ہو چکی تھی
گلنار چند منٹ کے توقف میں دارالامارۃ کے دروازہ پر پہنچ گئی۔ صالح اس کے برابر
چل رہا تھا۔ اور درباری مکان کے محاسن پر پہنچ کر کہنے لگا۔ "چونکہ آپ کا امیر کے
پاس جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ اس لئے آپ یقین رکھیں کہ خدانخواستہ کوئی آفت
پیش آئی تو میں اس طرح آپ کی مدد کو پہنچوں گا جیسے جنات اور شیاطین فضا
میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر خبردار آپ میرا اگلا نام لیکر کبھی مجھے نہ بلائیے گا" گلنار کو
اس خوف دلانے سے ایک طرح کی پریشانی محسوس ہوئی۔ لیکن اس وقت اس کے
دل میں ابو مسلم سے خلوت میں ملنے اور پہلی بار اس محبوب و مطلوب سے گفتگو کا موقع
پانے کی نسبت جس طرح کے خیالات اُمنڈ رہے تھے۔ ان کی وجہ سے وہ اس پریشانی
کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکی۔ درباری کمرہ کی دہلیز پر پہنچکر صالح نے دربان سے
کہا، کہ یہی وہ عورت ہے جس کے لئے امیر سے ملنے کی اجازت لی گئی ہے۔ اور حاجب
نے ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کر اپنے ہاتھ سے دربار کی ڈیوڑھی کا پردہ سرکا دیا۔ گلنار
نے دیکھا کہ ایک وسیع کمرہ ہے جس میں مکلف فرش بچھا ہے۔ اور ستونوں پر فانوس
لگے ہیں جن میں موم کی شمعیں نور پاشی کر رہی ہیں۔ صدر مقام میں ایک شخص امیرانہ
لباس پہنے بڑے شان و شکوہ کے ساتھ زرکار مسند پر گاؤ تکیہ پر سر رکھے ہوئے
نیم دراز ہونے کی حالت میں بیٹھا ہے۔ اور اس کے رعب و داب کا یہ عالم ہے کہ
گویا اس وقت بھی وہ دربار حکومت میں جلوس فرما نظر آتا ہے۔ حاجب نے آگے
بڑھکر امیر سے عرض کیا "وہ عورت حاضر ہے جس کے لئے حضور سے اجازت
لی گئی تھی"

ابو مسلم "کہاں ہے؟" یہ کہکر حاجب کی طرف ہاتھ سے کچھ اشارہ

کیا۔ اور حاجب نے باہر نکل کر گلنار سے اندر جانے کے لئے کہا۔ گلنار کو یہ پہلا موقع
تھا کہ وہ ایک غیر مرد کے روبرو اس طرح سے جا رہی تھی۔ اور ایک مشرقی ممالک کی
کنواری لڑکی کو اس قدر جرأت مشکل پڑ سکتی ہے۔ کہ وہ نامحرم مردوں سے ہمکلام
ہو۔ پھر خاص کر ایسی حالت میں کہ ابو مسلم وہ شخص تھا جس کے روبرو جاتے ہوئے
بڑے بڑے بہادروں کے حوصلے پست ہو جایا کرتے تھے۔ چہ جائیکہ ایک دلدادہ
لڑکی جس نے اس کی رضامندی کی آرزو میں سخت دشواریاں بھی جھیلی تھیں۔ کیونکر
بے تکلف اپنے حجاب کو توڑ کر اس کے سامنے آسکتی تھی۔ یہی باعث تھا کہ گلنار
کو ایک ایک قدم سو سو من بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اور وہ لڑکھڑاتی اور جھجکتی ہوئی
چل رہی تھی۔ غرضکہ بمشکل دو چند قدم کا فاصلہ پانچ چھ منٹ میں اس نے طے کیا۔ اور
ابو مسلم کے روبرو پہنچ گئی۔

ابو مسلم اس وقت سیاہ لباس پہنے ایک مسند پر نیم دراز ہو رہا تھا۔ وہ گلنار کو
دیکھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اور عربی زبان میں اس سے کہا "اہلاً بالدہقانہ"۔ یعنی خوش
آمدی دہقانہ۔

گلنار۔ (فارسی زبان میں) "میں دہقانہ نہیں بلکہ آپ کی ناچیز کنیز ہوں"۔
ابو مسلم نے اس سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اور گلنار مقابل کے دوسرے قالین
پر بیٹھ گئی۔ گلنار اپنی تئیں ایک ایسے شخص کے پاس سے وہ دل سے پیار کرتی تھی
اور جس کے بابت خیال رکھتی تھی۔ کہ وہ بھی اس پر مفتون ہے۔ بالکل خلوت میں پا کر
شرم سے کٹی جاتی تھی۔ اور عشق و محبت کے جوش نے اس کے تمام جسم پر لرزہ
طاری کر دیا تھا۔ لیکن اس کی یہ حالت بہت جلد بدل گئی۔ کیونکہ باپ کی یاد۔ اور
جس غرض سے وہ آئی تھی۔ اس کے خیال نے اپنی طرف متوجہ بنا لیا۔ چنانچہ وہ اس
انتظار میں خاموش بیٹھی رہی کہ ابو مسلم کوئی بات چھیڑے تو موقع پا کر کچھ کہے۔ اور
ابو مسلم نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اہل فارس کی
زبان کے علاوہ اور کوئی بات محبوب نہیں رکھتے۔ اور باقی ہر ایک طرز انداز

کیا تم اس بات سے انکار کر سکتی ہو؟"
بتا دی۔ کیا تم اس بات کا کیا جواب دے سکتی تھی۔ وہ لاجواب ہو کر مناسب سمجھی کہ اب
گلنار اس بات کا کیا جواب دے سکتی تھی۔ اس نے کہا — "بیشک
ابومسلم کو محبت و الفت کے ذریعے مہربان بنائے لہذا۔ اس نے کہا
میرے باپ نے سخت برا کیا۔ اور اس کی خطا واقعی بہت بڑی ہے۔ اس نے مجھکو
اس عربی سردار سے بیاہ دیا تھا۔ لیکن آہ۔ اگر اسے میرے دل کی حالت معلوم ہوتی
تو وہ ہرگز ایسی حرکت نہ کرتا۔۔۔ اور پھر بھی اس غریب عربی سردار کی کوئی آرزو
بر نہ آئی"

ابومسلم۔ "لا ادہ۔ ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارے باپ نے ہم کو
دھوکا دیا۔ اس لئے ہم اس کی طرف سے مشکوک ہو گئے ہیں۔ اور اب امام کے
حسب ہدایت ہمارے لئے اس کا قتل کر دینا جائز ہے۔"

گلنار (بلند آواز سے) "جناب عالی! معاف کیجئے اگرچہ میرے باپ کا گناہ
بہت بھاری ہے۔ لیکن آپ درگزر فرمائیے۔۔۔ معاف فرمائیے کیونکہ میری پشت
اہل عرب کے امیر کی موت اور ان کی کامل بربادی کا باعث [illegible]
در [illegible] اس قدر جلد کیونکر مارا جاتا۔ اور اچھا۔ آپ اس بات کو بھی فرض کیجئے
کہ میرے باپ نے اس طرح کی حرکت ابی مسلم کے ساتھ مخالفت سے کی
کے باعث کی تو اس دل (اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے) میں جب ابو مسلم
کی اتنی محبت ہے جس کو ایک کیا بلکہ بھی تقسیم کر دیا جائے تو ایک کے نام
اور عاشق ہو جائیں" یہ کہنے کو تو گلنار یہ بات کہہ گئی۔ مگر بعد میں اس کو
معلوم ہوا کہ اس نے حملہ بازی کی ہے۔ تاہم وہ دل سے مجبور تھی۔
اور اب تک جس قدر اظہار کر چکی تھی۔ اس سے زیادہ وہ ابومسلم کے دل کا
حال معلوم کر کے اپنا اطمینان کر لینے کی نسبت [illegible] نہیں کر سکتی تھی۔
ابومسلم نے گلنار کی زبان سے عشق کا ایسے کھلے لفظوں میں اظہار
ہوتا جاتا تھا حسرت انگیز امر تصور کیا۔ [illegible]

درگزر کرکے جواب دیا ـــــ "دہقانہ! میں تمہاری اس محبت کا بیحد
شکرگزار ہوں۔ اور میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ تم نے خراسان والوں
کی بہبودی کے بارہ میں واقعی اور اعلیٰ درجہ کی خدمت انجام دی ہے۔ تاہم
تمہاری اس خدمت کی وجہ سے تمہارے باپ کی کوئی برأت نہیں ہوسکتی"
گلنار اپنی گرمجوشی سے بھری ہوئی گفتگو کا ایسا سرد مہری آمیز جواب سنکر
سخت پریشان ہوئی۔ اور اس نے بار دیگر زور دیکر کہا۔ "میری اس جاں
نثاری اور الفت کے مقابلہ میں جو مجھے آپکے ساتھ ہے۔ مجھکو یہ دیکھکر سخت حیرت
ہوتی ہے۔ کہ آپ بار بار میرے باپ کی خطا کا نام لیتے جاتے ہیں ـــ؟"

ابومسلم "میری محبت؟ نہیں۔۔ کہو بلکہ میرے دعادی کی محبت اور
ملک خراسان کی بہی خواہی کی خواہش کا نام لو"

گلنار ـ (ابومسلم کے محبت سے اس قدر پہلو بچانے اور الفت کے
نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے سے حیران ہوکر اور یہ سمجھ کے کہ من چہ می سرایم
و طنبورۂ من چہ می سراید) "نہیں اے امیر! بلکہ آپ کی الفت میں"

ابومسلم (بیحد روکھے پن سے) "آخر اس الفت کی وجہ؟ عشق و محبت
کا نتیجہ شادی کرنا ہوتا ہے۔ اور مجھکو عورتوں کی طرف نام کے لئے بھی توجہ نہیں
ہیں شادی کے جھگڑے میں پڑنا ایک طرح کا جنون تصور کرتا ہوں۔ اور چونکہ
ایک شادی کرچکا ہوں۔ لہذا میرے خیال میں انسان کو اپنی تمام زندگی
میں ایک بار یہ پاگل بنجانا کافی ہے۔ گلنار! تم خوب کان کھول کر سن لو! اگر میں
عورتوں کا دلدادہ ہوتا تو اس دعوت کا ایسا سخت کام کبھی انجام نہیں
دے سکتا تھا۔۔۔"

گلنار کے دل میں ابی مسلم کی ایک ایک بات تیر و نشتر کی طرح چبھ رہی
تھی۔ وہ مایوسی، نامرادی، اور ناکامی کے غم سے دیوانی ہورہی تھی۔ اور اس کا
قلب پھٹا جاتا تھا۔ تاہم اس نے اپنے آپکو بہت کچھ سنبھالا۔ اور ضبط سے

کام بگر کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ "تو کیا آپ پہلے ہی سے میری الفت نہیں رکھتے تھے؟"

ابو مسلم۔ "تم پر کیا موقوف ہے۔ میں نے آج تک کسی عورت کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اور نہ میرا یہ ارادہ ہے کہ کبھی ایسا لغو کام کروں۔"

گلنار۔ "کیا آپ نے میرے قاصد سے یہ نہیں کہا تھا کہ جس وقت سے آپ کی نظر مجھ پر پڑی ہے۔ میری الفت نے آپ کے دل میں گھر کر لیا ہے کہ آپ شادی کو لڑائی کے جھمیلے سے فراغت حاصل کرنے تک ملتوی رکھنا چاہتے ہیں؟"

ابو مسلم۔ (انکار کے انداز سے سر ہلا کر) "خوب! تم کس دھوکے میں پڑی ہو۔ کیا اس بدمعاش منافق کی باتوں میں تم تو نہیں آگئی ہو جس کو میں نے اس کی بددیانتی کی سزا دینے کے لئے قتل کرا دیا؟ کیا تم اس کی بات کا یقین کر لی۔"

گلنار کو اب ضحاک کی وہ ہدایت یاد آئی جو اس نے اپنا حال مخفی رکھنے کے بابت کی تھی۔ اور وہ خاموش رہ گئی لیکن اس کے دل میں یہی خیال پیدا ہوتا کہ ضحاک اس سے فی الواقع سچ کہتا تھا۔ مگر رکو ضحاک کی وفاداری اور نمک حلالی کا خیال اس پر کبھی شک و شبہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اور وہ سمجھی تھی۔ کہ ابو مسلم نے اس کو اور ضحاک دونوں کو یکساں فریب دے کر علی بن کرمانی کی جان لینے کا ارادہ پورا کر لیا۔ اور اب جو اس کی غرض پوری ہو گئی۔ تو آنکھیں پھیر بیٹھا۔ گلنار نے اس خوف سے کہ مبادا زیادہ بات بڑھانے میں ابو مسلم ناخوش ہو جائے تو اس کو بھی قتل کرا دے۔ کیونکہ یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اپنی ہوش درست کرنے۔ اور نرمی سے کام نکالنے اور باپ کی موت کی بابت کو تفتیش کرنے کی نیت سے کہا۔ "امیر والا جاہ! آپ بر بچہ جوں محض شادی کی غرض سے آپ کے ساتھ الفت نہ تھی بلکہ میں تو آپ کی پاکیزہ عادتوں اور خوبیوں کی دلدادہ تھی۔"

ابومسلم۔ (یہ سمجھ کر کہ گلنار اس کے غصہ کے خوف سے اب بات بناتی اور خود بھی سخن سازی کرتے ہوئے) ”واقعی مجھ کو بھی تمہاری نیک دلی، خیر خواہی اور اور اعانت اہل بیت کی وجہ سے تمہارے ساتھ الفت تھی“

گلنار نے ابومسلم کی دنیا سازی کا یقین اور اس بات کا وثوق حاصل کر لیا کہ اُسے اس کے ساتھ فی الواقع محبت نہیں ہے۔ تو اس کو معلوم ہوا۔ کہ اب اُسکے دل میں ابومسلم کی محبت کے جگہ پر اُس سے عداوت کرنے کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کو اپنے باپ کی مخلصی کے لئے ضرورت تھی۔ کہ ابومسلم کو نرم بنائے لہذا اس نے کہا۔ ”اگر آپ کو میری خدمات کا اعتراف ہے۔ تو میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔ کہ میرے باپ کی خطا معاف فرمائے۔ اور میرا صلہ یہی ہے۔ کہ اس کی جان بخشی فرمائے“

ابومسلم۔ تمہارے باپ کی خطا ناقابل معافی ہے۔ اس نے بد دیانتی کی اور یہ جرم معاف نہ ہوگا۔

گلنار۔ ”امیر والا جاہ! آپ مان لیجیے کہ اس نے بد دیانتی کی۔ مگر کیا آپ اس بات کے معاوضہ میں میرے اس کرتوت کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ میں نے محض آپ کی مدد کے خیال سے علی بن کرمانی سے بے وفائی کی جو میرا جائز شوہر تھا۔

ابومسلم۔ ”تم نے اس کو میری دعوت کے بارہ میں مدد دینے کے خیال سے ہرگز قتل نہیں کیا۔ بلکہ وہاں تو تم کو میرے عقد میں آنے کی امید اس بات پر آمادہ بنا رہی تھی“

گلنار۔ ”تو کیا یہ بھی میری خطا شمار ہوگئی؟ خیر آپ کچھ بھی سمجھئے۔ مگر میں نے تو آپ کو اس کی جان لینے میں مدد دی۔ اور اس کا خیال نہ کیا۔ کہ وہ میرا شوہر ہے۔ اور آپ اس کے معاوضہ میں میرے باپ کی جان بخش دیجئے“

ابومسلم۔ (حقارت سے) ”خوب! تم اس کو کوئی اپنی قابل تعریف حرکت تصور کرتی ہو؟ یہ تمہاری اعلیٰ درجہ کی بد دیانتی اور بے وفائی تھی۔ اے تم

کیسے پوری امید کر سکتی ہو کہ میں تم سے شادی کر لوں گا؟؟ اور گفتگو اس
بات کا اطمینان کس طرح ہو کہ تم میری جان کی گاہک بھی نہ بن جاؤگی!! رہا تمہارے
باپ کا معاملہ تو اب اس کے بارے میں فضول سر نہ کھپاؤ۔ میں تمہاری بات ماننا بھی
چاہوں۔ تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ تیر کمان سے نکل گیا"

گلنار۔ (گڑگڑا کر اور ابومسلم کے روبرو گھٹنے ٹیک کے آنسو بہاتے ہوئے۔ اور
اس کے قدم چومنے کے واسطے جھکتے ہوئے) "میں آپ کو امام ابراہیم کی قسم
دلاتی ہوں جس کے دعاوی کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں۔ میرے باپ کی
خطا معاف کر دیجئے۔ آہ آپ کی بدسلوکی نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب باپ
کے سوا کون میری خبر لے گا۔" بڑی مشکلوں سے رک رک کر اس نے اتنی گفتگو
کی۔ اور پھر آنسوؤں کا ایسا تار بندھا۔ کہ وہ بول نہ سکی۔

ابومسلم۔ (گلنار کو ہاتھ سے الگ ہٹا کر۔ اور اس کی جانب سے منہ پھیر کے)
میں تجھ سے کہہ چکا ہوں۔ کہ اب یہ بات قابو سے باہر ہو گئی۔ تیر کمان سے
نکل گیا۔ اور تیرا باپ زندہ نہیں کیا جا سکتا"

گلنار۔ (چونک کر اور بھرائی ہوئی آواز میں رک رک کے) "ایں!
آپ یہ کیا کہتے ہیں؟.. زندہ نہیں۔ کیا جا سکتا..؟" اور شدت
غم سے آواز رک گئی۔

ابومسلم۔ "بیشک"

گلنار۔ (چیخ مار کر روتے ہوئے) "نہیں۔ نہیں۔ آپ نے ابھی قتل
نہیں کیا۔ کل تک اس کا قتل ملتوی کیا تھا۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔ میری
جوانی پر رحم۔ میرے باپ کی جان آہ۔ بخش دیجئے۔ میں بیکس..." اور اس
قدر زار زار رونے لگی۔ کہ بیہوش ہو چلی۔ مگر گلنار کی اس تمام عاجزی و زاری کی
کا سنگدل ابومسلم کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ ہاں اس نے غریب عورت کے
رونے کا جواب دیا تو یہ "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہونے والی بات ہو گئی۔" اور

مد تجھے یقین نہیں آتا۔ تو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے" یہ کہکر دستک دی۔ اور ایک غلام حاضر ہوا جس کو حکم دیا کہ "جاکر دہقان کو لے آ"

گلنار نے یہ بات سُنی تو اس کی اُمید کا چراغ گل ہوتے ہوتے پھر روشن ہو گیا۔ اور اُسے خیال ہوا کہ ہنوز اُس کا باپ زندہ ہے۔ اس نے غلام کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ جو درباری کمرہ کے پہلو میں ایک دہلیز کے اندر گیا تھا۔ اور تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک ڈھکا ہوا خوان لیکر واپس آیا۔ پھر اُسے گلنار کے روبرو رکھکر اوپر سے پوشش اٹھا دی۔ آہ۔ نہ پوچھو کہ گلنار نے کیا دیکھا؟ خوان کے وسط میں اُس کے باپ کا کٹا ہوا سر رکھا تھا خون جم گیا تھا۔ داڑھی، سر اور مونچھوں کے بال سب خاک و خون میں لتھڑے ہوئے اور جٹ کر رہ گئے تھے۔ دونوں آنکھیں کھلی تھیں۔ اور اتفاق سے اس وقت گلنار ہی کی جانب اس کا رخ بھی تھا جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ اسی کو دیکھ رہا ہے۔ اور اپنی اس حالت پر توجہ دلا رہا ہے کہ دیکھ حرص و طمع نے میرا یہ انجام کیا۔ جیسے ہی گلنار کی نظر باپ کے خون آلود سر پر گئی بے اختیار اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اور "ہائے بابا جان" کہکر بیخود ہوگئی۔ اور فرط الم سے مخبوط ہونے کی حالت میں اس نے سینہ کوبی کرکے ابو مسلم سے کہنا شروع کیا۔ "ظالم! آخر تو نے اُسے قتل ہی کر دیا۔ آہ۔ میرا شفیق باپ۔ بے رحم۔ سفاک تو نے اس کی جان لی۔ ہائے بابا——" اور پھر اس زور سے دہاڑیں مار کر رونا شروع کیا کہ تمام مکان اس کے نوحہ کی صدا سے گونج اٹھا۔

ابو مسلم۔ (برہم ہوکر) "چپ رہ! ورنہ ابھی تجھ کو بھی خوارزم بھیجتا ہوں"

گلنار۔ (قتل کی دھمکی سن کر اور شدت قلق کے باعث اس کی کوئی پروا نہ کرکے) "ہاں! ہاں!! ظالم بھیج دے۔ مجھے بھی وہیں روانہ کر دے۔ آہ۔ اب زندگی کا کیا مزہ۔ محبوب نے بیوفائی کی۔ باپ کی جان گئی۔ میں زندہ رہ کر کیا کروں گی" اور پھر چیخیں مار کر رونے لگی۔

ابو مسلم نے اور برہم ہو کر اپنے حاجب کو آواز دی۔ اور وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا۔ "اس عورت کو عورتوں کے زندان میں لیجا۔ اگر میں اس بات کا خیال نہ کرتا۔ کہ لوگ مجھے عورت پر ہاتھ اٹھانے کا الزام دیں گے تو ابھی اس کی گردن ماری جانے کا حکم دیتا۔"

حاجب نے گلنار کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اس کے رونے اور پچھاڑیں کھانے کا کچھ بھی خیال نہ کر کے اُسے کشاں کشاں باہر لیچلا جس وقت وہ گلنار کو دہلیز کے اندر لے گیا۔ تو یکایک اس نے جھک کر خدا جانے گلنار کے کان میں کیا کہدیا کہ وہ رونا دھونا موقوف کر کے سنبھل کر چلنے لگی۔ اور حاجب کے ساتھ دہلیز کے انتہائی کنارہ پر پہنچ گئی۔ تو اس کے ایماء سے وہاں رکھا ہوا ایک جوڑہ مردانہ کپڑوں کا اٹھا کر پہن لیا۔ پھر یہ دونوں پہرہ کے سپاہیوں اور دربانوں کے سامنے ہوتے ہوئے محل سے صاف نکلے چلے گئے۔ کسی نے ان کو روکا نہیں۔ کیونکہ ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ حاجب اور اس کا ساتھی کوئی خدمتگار جا رہے ہیں۔ دارالامارہ سے باہر نکل کر حاجب گلنار کو یہاں تک گلیوں سے راستہ میں جہاں بہت کم لوگوں کی آمد رفت ہوتی تھی دروازہ شہر سے ملی ہوئی ایک سرائے میں لے گیا۔ اور ایک کوٹھری میں جس کے اندر پہنچنے کیلئے ٹوٹے پھوٹے زینوں کا زینہ طے کرنا پڑتا تھا۔ داخل ہوا۔

اس وقت تک گلنار اور حاجب دونوں بالکل خاموش رہتے ہوئے آتے تھے۔ مگر اب کوٹھری میں پہنچ کر گلنار نے کہا۔ "صبیح! تم کس طرح بروقت میری مدد کو آسکے؟" اہاہا! اب معلوم ہوا۔ حاجب ہماری ماہ پارہ گلنار کا وفادار خادم صبیح (یا صبیحی) تھا جس نے جواب میں کہا۔ "بانو! دیکھتی ہیں آپ کتنا زمانہ تھا۔ کہ یہ بدمعاش ابو مسلم حرفوں کا بنا ہوا آدمی ہے۔ میں کیا صاف کہ گیا کیا عرض کروں بخت اس قدر بنا بنا کر آپ کی الفت کا تذکرہ کیا کرتا تھا کہ مجھے بھی یقین ہی آگیا۔ اور آخر اس نے مجھ کو بھی دیکر دیا۔ الغرض میں نے کر لیا تھا ہوتا میں کچھ ہم کر کہوں۔ کہ وہ جھوٹا ہے۔ اب تو اس کی باہت بن گئی ہے۔ اور ہم بچ گیا

ہیں۔ آہ۔ ظالم نے میری بھی جان لی تھی۔ مگر قسمت نے مجھے بچا دیا۔ اور مجھکو قے
ہو گئی۔ اسی لئے تمام زہر فوراً ایمیٹ سے نکل گیا۔ ورنہ آج میں کس طرح آپ کی
مدد کر سکتا۔ وہ تو مجھکو مردہ سمجھ رہا ہے۔ اور اس نے آپ سے کہا بھی تھا۔ کیوں
یاد ہے نا؟ میں کیا جانتا تھا۔ کہ وہ آپ کو اس قدر دکھ دے گا۔ ورنہ آپ کو وہاں
جانے ہی نہ دیتا۔ مگر نہیں۔ آپ میرا مشورہ کیوں مانتیں۔ آپ کو تو محبت نے
دنیا ومافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔ آپ اسے فرشتہ تصور کرتی تھیں۔ دیکھا۔ کہ
وہ کیسا سنگدل اور بے رحم ہے۔ مجھ کو مجھے پہلے سے فکر پڑ گئی تھی۔ کہ آپ کے
لئے مدد کا سامان کروں۔ چنانچہ میں نے حاجب سے یارانہ بنا کر اسے بیہوشی
کی دوا کھلا دی۔ اور خود اس کا لباس پہن کے اس کی جگہ جم گیا۔ پھر اس طرح
آپ کو آفت سے بچا لایا۔"

گلنار۔ صالح کی گفتگو سنتے ہوئے یہ خیال کرتی تھی۔ کہ وہ کوئی سخت
پریشان خواب دیکھ رہی ہے۔ آج رات میں اس پر جیسے عجیب و غریب واقعات
گذرے۔ اُن کا تصور گلنار کے نازپرور دل کو غم والم سے آہنی چنگل میں دبا کر
مسلے ڈالتا تھا۔ آہ۔ باپ کا کٹا ہوا سر طشت میں خاک و خون سے آلودہ رکھا ہوا
اس کی نظروں تلے پھر رہا تھا۔ ابو مسلم جس پر وہ ہزار جان سے فدا تھی۔ اس کے سخت
اور دل توڑنے والے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ اس وقت
یاس و حرمان کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ فرط قلق کے باعث
آنسو تک خشک ہو گئے تھے۔ اور اسے رونا بھی نہیں آتا تھا۔ بس ایک جانگزا سکتہ
اس پر طاری تھا۔ اور تمام دنیا اس کی نظروں میں تاریک ہو رہی تھی۔

صالح نے دیکھا۔ کہ گلنار اس وقت شدت صدمہ و قلق سے مبہوت ہو رہی ہے۔
تو اس نے روئے سخن پھیر کر کہا۔۔۔ "آپ اجازت دیں۔ تو میں جا کر ریحانہ کو
جلا لاؤں؟"

گلنار ریحانہ کا نام سنتے ہی جیسے کسی گہری نیند سے چونک پڑی۔ اور بےتکلف

کے ساتھ رکھتے ہوئے آواز سے کہنے لگی۔ "ضرور۔ ہاں۔ خدا حافظ۔ جاؤ" پھر گلے میں پھندا پڑ گیا۔ اور وہ چپ ہو کر رہ گئی۔

صالح۔ "تو آپ میرا یہ جبّہ اور ٹوپی اتار دیں جو آپ پہنے ہیں"

گلنار نے وہ کپڑے جو ذلیبز میں صالح نے اُسے پہنائے تھے۔ اتار دیئے۔ اور صالح یہ کہتا ہوا کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ "آپ یہیں بیٹھی رہیں۔ خبردار باہر نہ نکلئے گا"

انیسواں ۱۹ باب

انقلاب عظیم

اک رنگ پہ نہ رہنا یاں کا عجب بیاں ہے

(میر) کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا

صالح کے چلے جانے کے بعد گلنار نے کوٹھڑی کی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اسے بس اس کی [illegible] کھٹکا ہے۔ اور اس کے حواس ابھی [illegible] درست نہیں ہوسکے تھے۔ کہ وہ اپنے اس نئے مکان کی حیثیت کا اندازہ کرتی۔ [illegible] تو آج شام کے بعد سے ایک جیت انگیز واقعات نے اس کی عقل گم کر رکھی تھی۔ وہ [illegible] صالح کی باتوں میں الجھی رہی۔ مگر اب اُسے خلوت نصیب ہوئی۔ اور تنہائی میں بجز اس کے کہ خیالات کے [illegible] کیا ہے کوئی اور مشغلہ نہ مل سکا۔

آہ۔ گلنار نے کیا دیکھا؟ اپنے باپ [illegible] اور [illegible] تھی۔ مگر ایک [illegible] کوٹھڑی جس کی دیواروں کو [illegible] ہو رہی تھی۔ اور اس پر [illegible]

بکثرت جالے قدرتی چھت گیری تان رہے تھے۔ زمین پر ایک بوسیدہ اور
جابجا سے پھٹی ہوئی چٹائی بچھی تھی جس پر ایک میلا کچیلا مختصر سا فرش وہ بھی
ہزاروں جگہ سے پھٹا ہوا پڑا تھا۔ پھر اس پر گرد و غبار اتنا جما تھا کہ زمین بالائے
زمین اور بالائے فرش بن گئی تھی۔ غرضکہ در و بام سے وحشت برستی تھی۔ اور
پھر چراغ کی مٹی مٹی روشنی اور بھی مکان کا بھیانک پن بڑھانے میں معین تھی۔
ہم نہیں کہہ سکتے کہ گلنار کے دل پر اس منظر نے کسی قسم کا اثر ڈالا۔ البتہ
اتنا دیکھا گیا کہ اس نے دبی ہوئی آہ کے ساتھ پہلے اپنا سینہ اور پھر سر تھام
لیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ خفقان کے زور نے چھاتی پکڑنے کی صلاح دی تھی۔ کہ
اتنے ہی میں دلی صدمات کے انجرات دماغ کی طرف چلے۔ اور سر میں چکر اور درد پیدا
کر کے اس کی فکر لینے پر مجبور بنا گئے۔ سر پکڑ کے گلنار نے اپنے دل سے یوں باتیں
کرنی شروع کیں۔ "آہ کیا ہو گیا؟ کہاں وہ راحت و آرام کہاں یہ نکبت و مصیبت
ہائے بابا جان! ہم دنیا سے اچھے گئے۔ یتیم و بیکس گلنار کی حیرانی سے۔ اُف
میں نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے تھے؟ ابو مسلم۔ آہ۔ کمبخت کی محبت نے دل
و جگر [illegible] دیا۔ سچ ہے معشوق بے پیر ہوتے ہیں۔ مگر نہیں۔ یہ جفائے
معشوقانہ نہیں۔ وہ تو خونخوار ہے۔ ظالم و سفاک ہے " آہ۔ دل! تیرا
خانہ خراب ہو۔ تو نے مجھے دوجہان سے کھو دیا۔ یہ سب آفت تو نے ہی میرے
سر پر نازل کی ہے۔ جس کو پیار کرتا تھا۔ وہی دشمن جان نکلا۔ میرے باپ
کو قتل کر دیا۔ اُف۔ پھر اس کا کٹا ہوا سر میرے روبرو لا رکھا۔ ہائے۔ بےوفائی
اور اتنی؟ ابو مسلم! کون ابو مسلم؟ وہی پیارا نہیں نہیں ہمارا کیسا؟ وہ بستر
خون کا پیاسا تھا۔ اس نے میرے قتل پر کمر باندھی۔ میرے باپ کی جان لی۔ اب اس
سے محبت کیسی؟ بیشک اپنی اس بربادی کا اس سے انتقام لوں گی"
اس مقام پر پہنچ کر تحقیق ہو گیا کہ ابو مسلم کی جانب سے [illegible] انقلاب ہو گیا
ہوا۔ ابو مسلم کی محبت کی جگہ پر اب اس کی عداوت نے جگہ لی۔ اور جسے ابو مسلم

کا تصور کرنا بھی وبال جان معلوم ہونے لگا۔ سچ ہے۔ عاشقوں کے دلوں کی بھی
کیفیت ہوتی ہے۔ عاشق کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اپنے محبوب کو بیوفائی پر
آمادہ پاتا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ پہلے اس پر جان نثار کرتا تھا۔ اب جان کا
گاہک اور اس سے انتقام لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پھر خاص کر گلنار جس نے
ابومسلم کی الفت میں محبت سے ناکردنی کار کر ڈالے تھے۔ اور اب ابومسلم نے
اُسے دور دور دھتکار بتا دی۔ اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ اور طرہ یہ کہ خود گلنار
کو قتل کر دینے کی دھمکی دی۔ اگرچہ فی الحقیقت ابومسلم بیوفائی کا مرتکب نہیں ہوا
تھا۔ کیونکہ اُسے گلنار سے الفت ہونا درکنار وہ عورتوں کی جانب مائل ہونا بھی
جنون تصور کرتا تھا۔ ابومسلم کے دل میں الفت و محبت کا نام بھی نہیں گزرتا تھا۔
اور وہ اس درد کا لذت گیر ہونا ہی فطرتاً ایسی پاکیزہ چیز سے دور تھا تاہم گلنار کہنے
کے بیان کا وثوق ایسا ہی خیال دلاتا تھا کہ ابومسلم نے اس سے بیوفائی کی ہے۔
ابومسلم نے جیسی طبیعت پائی تھی۔ اس کا وجود آدمیوں میں شاذ و نادر ہے۔ اور خدا
کا شکر ہے کہ ایسے قسی القلب لوگ اس نے کم پیدا کئے۔ اس واسطے کہ درد دل
اور محبت انسانیت کے تاج کا وہ تاباں گوہر ہے جس کی چمک دمک سنگدلی کی تاریکی
مٹاتی، درشتی و سختی کا چہرہ دکھلاتی ہے۔ محبت ہی انسان کی اصل اور
شفقت و رحم کی روح جانی جن ہے۔ اگر یہ جوہر اعلیٰ انسان کے خمیر میں ودیعت
نہ کیا گیا ہوتا۔ تو ایک آدمی دوسرے کو کھا جاتا۔ اور دنیا سنگدلی کا اکھاڑا
ہوتی جہاں قوت حیوانیہ کا زور کمزوروں کی ہستی مٹا سکتے [illegible] رہتا۔ البتہ یہ قوت
اور [illegible] کچھ جنگجو لوگوں کے ہی حصہ میں ہے۔ خاص کر اس زمانہ میں جبکہ
قوت و زور ہی اپنی آب و تاب دکھا رہے تھے۔ اور ابومسلم جس بات کا عزم کرتا
وہ پالی جاتی تھی۔ اس کو اپنے ارادہ میں رکاوٹ ڈالنے والے کا قتل کر دینا کوئی بات
ہی نہ تھا۔ وہ اپنے باپ اور حقیقی بھائی سے بھی درگزر کرنے والا نہ تھا چنانچہ
[illegible] کر وہ چھوڑ دیتا۔ [illegible] ابومسلم کے پہلو [illegible] کرنے

والا ول ہوتا۔ تو کبھی ممکن نہ تھا۔ کہ وہ گلنار کی زیادہ زاری سے متاثر نہ ہوتا۔ اور گلنار کی محبت کا یہ معاوضہ دیتا۔ کہ اس کے باپ کا کٹا ہوا سر اس کے روبرو رکھوا دے۔

دیر تک گلنار ایسے ہی پریشان خیالات میں اس طرح مستغرق رہی کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ مگر آخر سوچتے سوچتے دماغ تھک گیا۔ تو اس نے پھر نظر اٹھا کر کوٹھڑی کی وحشت انگیز دیواروں کو دیکھا۔ اور اس بھیانک مکان میں اپنی تنہائی۔ اور باپ کے مقتل کی یاد سے اس پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ رونے لگی۔ گلنار رو رہی تھی۔ اور خوف کے مارے آواز سے رو نہیں سکتی تھی۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کوئی اس کی گریہ وزاری سن کر کوٹھڑی میں چلا آئے جہاں وہ بالکل تنہا ہے۔ اور کوئی نئی آفت کا سامنا ہو۔ اب گلنار کو اپنی مصیبت کی حقیقت کھل رہی تھی۔ کیونکہ مصیبت اور چوٹ کا عام قاعدہ ہے۔ کہ یکایک ان کی پوری کیفیت محسوس نہیں ہوتی۔ بڑی سے بڑی آفت بھی پہلے معمولی بات نظر آتی ہے۔ مگر جس قدر دیر ہوتی جاتی ہے اسی قدر مشکلات اور پریشانیوں کی وسعت کا اندازہ ملتا جاتا ہے۔ پھر اگر مصیبت زدہ نے صبر سے کام لیا تو وہ آفت ہلکی ہو کر رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے۔ اور بیقراری کے ہاتھوں میں جا پھنسا تو ایک حصہ تکلیف دس حصہ اور بڑھ جاتی ہے۔ گلنار کی بھی یہی حالت تھی۔ یکایک جیسے سخت صدمات اسے پہنچے تھے۔ ابتداءً تو اس کو ان کا احساس نہیں ہوا لیکن بعد میں جب اسے غور کرنے اور اپنے تصورات کو وسعت دینے کا موقع ملا تب اس پر آفت و مصیبت کی عظمت کا حال کھلا۔ اور پھر ہر ایک بات میں ابومسلم ہی ان تمام مصیبتوں کا بڑا سبب نظر آیا تاہم اب تک ابومسلم کا تصور آتے وقت گلنار کو اس کی طرف ایک طرح کا میلان خاطر محسوس ہوتا تھا۔ اور یہ اس سچی الفت کا باقیماندہ حصہ تھا۔ جو اسے ابومسلم کے ساتھ تھی۔ اگرچہ اب یہ احساس چشم زدن سے بھی کم عرصہ میں فنا ہو جاتا تھا۔ اور اس کی جگہ غصہ۔ عداوت۔ اور خواہش انتقام کا جوش دل میں پیدا

ہو کر گلنار کو ابومسلم سے اپنی ذلتوں کا بدلا لینے پر مستعد بنا دیتا تھا۔
غرضکہ اسی طرح کے پریشان کن خیالات نے گلنار کو اس قدر تھکا دیا کہ
اس پر ایک طرح کی غفلت کھویا غنود (جو کچھ بھی تصور کرو) طاری ہو گئی۔ اور آنکھ
لگتے ہی گلنار کو ایک لمبا چوڑا خواب نظر آیا جس میں اس نے ابومسلم کو اسی شان
محبوبیت کے ساتھ اپنے روبرو جلوہ گر پایا جس شان سے پہلی بار اُسے اپنے
باپ کے یہاں دیکھا تھا۔ آہ۔ گلنار نے دیکھا کہ ابومسلم اس سے اپنی بدسلوکیوں
کی معافی مانگتا۔ اور ظلم وستم سے توبہ کر کے برسر لطف آتا ہے۔ گلنار اس کو جلی
کٹی بھی سناتی ہے۔ مگر وہ عذر خواہی کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ اُف کیا یہی سنگدل
ابومسلم ہے جس نے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ اور اسے بُری طرح دھتکار دیا؟
نہیں نہیں۔ گلنار کو خواب میں اپنے محبوب کے برسر وفا ہونے کا مشاہدہ اُس
بات کا وہم دلایا گیا۔ کہ اس کی جفا کاری کا واقعہ ایک خواب وخیال تھا۔ الغرض
یہ حالت ہی جس کو وہ خواب دیکھتی ہے۔ گلنار اس دل خوش کن خواب کو دیکھ
ہی چونک پڑی۔ اور آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھی۔ اس وقت اُسے اپنی بیداری خواب
اور اپنا خواب بیداری کا عالم نظر آتا تھا۔ ابومسلم کی تصویر خیالی ہنوز اس کی آنکھوں
کے سامنے نصب تھی۔ اور اسی انداز دلربائی کے ساتھ جلوہ گر۔ گلنار نے شکوہ
و شکایت کے انداز پر اس سے کہا۔ کیوں او سنگدل! کیا تیرے نزدیک
محبت کی یہی شرطیں ہیں؟ ... آہ۔ تو نے میرے باپ کو قتل کیا۔ اور مجھ کو بھی
قتل کی دھمکی دی جس کی وجہ سے میں آفت کی ماری جان بچا کر بھاگی اور آوارہ
و سرگردان ہوئی؟

گلنار اپنے دل سے یوں ہی باتیں کر رہی تھی کہ یکایک اُسے اپنے قریب
ہی کھڑ کھڑ کی آواز سنائی دی۔ اور یہ نظر آیا جیسے کوئی چیز اس کے سامنے سے تیر کی
طرح نکل گئی ہے۔ گلنار اچھل کر بیٹھ گئی۔ اور ڈر کر سہمی ہوئی۔ دل زور زور سے
دھڑکنے لگا۔ اور غور سے دیکھنے لگی کہ آخر یہ کیا چیز تھی۔ گلنار کو معلوم ہوا کہ

ایک موٹا سا چوہا دیوار کی کسی بل سے نکل کر دوسری بل میں چلا گیا ہے۔ اس کے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور وہ اس چٹائی پر بیٹھنے سے ڈر کر گھبراہٹ میں اٹھی ہی تھی۔ کہ اس مرتبہ پہلے سے بھی بڑھ کر چوہوں کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایک اور چوہا فرش کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ وہ بھڑک کر چٹائی پر اس زور سے بھاگا۔ کہ تمام کوٹھڑی میں کھڑ بڑاہٹ کی صدا گونج اٹھی۔ اور گلنار کو اب چٹائی پر قدم رکھنے سے خوف آنے لگا۔ لیکن مجبور تھی۔ جاتی کہاں اور کرتی کیا۔ باہر نکلنا مشکل کوٹھڑی میں ٹھہرنا دشوار عجب کشمکش میں گرفتار تھی۔ کہ یکایک صالح کی آواز سرا کے صحن میں سنائی دی۔ اور گلنار کے جان میں جان آئی۔ گلنار آواز سن کر اس انتظار میں تھی۔ کہ اب صالح آتا ہے۔ مگر اسے دیر ہوتی۔ اور اس کی گھبراہٹ بڑھی۔ وقت یہ تھی۔ کہ گلنار چوہوں کے خوف سے حس و حرکت کرنا کیا سانس تک نہیں لیتی تھی۔ چند منٹوں کا انتظار بھی اس وقت گلنار کو برسوں کا زمانہ معلوم ہوا۔ اور آخر خدا خدا کر کے اس کے کان میں صالح کی دوبارہ صدا آئی جو کسی کو حکم دے رہا تھا۔ "دیکھو سب سامان تیار کر لو میں ابھی آتا ہوں" پھر سیڑھیوں پر کسی کے پیروں کی آہٹ ملی۔ اور گلنار لپک کر دروازہ کھولنے کو بڑھی۔ دروازہ کھول کر اس نے دیکھا۔ کہ صالح تنہا آیا ہے۔ اور اس نے گھبرا کر پوچھا۔
—"ابن ریحانہ۔ کہاں ہے"

صالح۔ "وہ بھی یہیں ہے۔ چلئے آپ جلد چلئے اس وقت بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ورنہ شہر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ گھوڑے وغیرہ تیار کھڑے ہیں۔ بس جلد نکل چلئے" اور یہ کہ کر چشم زدن میں اپنے وہ کپڑے اتار ڈالے۔ جو حاجب کے لباس پر پہن رکھے تھے۔ پھر کوٹھڑی سے باہر چلا۔ گلنار صالح کے ساتھ سایہ کی طرح چلی۔ تو مگر رنج و حیرت نے اس کے دل و دماغ کو اس وقت بالکل بے قابو بنا رکھا تھا۔ قدم قدم اپر اپنے دامن سے الجھتی۔ اور لڑکھڑاتی ہوئی بمشکل ان ناہموار زینوں کو جن میں سے ایک

بھی مستلم نہ تھا طے کر کے سرا کے صحن میں پہنچ گئی۔ اور وہاں تین گھوڑے کسے کسائے تیار کھڑے پائے۔ ریحانہ بھی موجود تھی۔ صالح نے ایک ایک گھوڑے پر ریحانہ اور گلنار کو سوار کرا دیا۔ اور گھوڑوں کے واپس لانے کے لئے جو آدمی اُجرت پر ساتھ لیا تھا اُسے گلنار کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تاکہ وہ اس کو سنبھالے رہے پھر خود بھی سوار ہوا۔

یہ سواروں کی جماعت سرا سے نکل کر شہر کے دروازہ کی جانب بڑھی اس وقت ان پر عجیب طرح کا سکوت طاری تھا۔ اور گلنار کے دل میں ایسی عجلت اور بھاگڑ کا باعث دریافت کرنے کی خواہش موجزن ہو رہی تھی۔ دس پندرہ منٹ کے وقفہ میں یہ لوگ شہر کے دروازہ پر پہنچ گئے جو اس وقت حسب معمول بند تھا۔ کیونکہ رات ہوتے ہی تمام دروازے مقفل ہو جاتے تھے۔ صالح نے اپنا گھوڑا کسی قدر بڑھا کر دربان کو تحکمانہ لہجہ میں یوں ڈانٹ بتائی "کیا سبب ہے کہ دروازہ اب تک بند دیکھا جاتا ہے؟ کیا تم کو ابھی کچھ دیر پہلے امیر کا یہ حکم نہیں پہنچا تھا کہ دروازہ کھلا رکھو؟ ہاں معلوم ہوا چین مناتے اور پڑے سویا کرتے ہو۔ اور فرض منصبی کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتے۔" دربان صالح کو اس قدر جرأت کے ساتھ باتیں کرتے۔ اور اُسے حاجبوں کا لباس پہنے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ فی الواقع ابھی کچھ ہی دیر قبل کھانا کھانے گھر گیا تھا۔ اور جیسے ہی واپس آیا۔ ان لوگوں سے مڈبھیر ہو گئی۔ لہٰذا وہ ڈرا کہ شاید میری غیر حاضری میں کوئی آدمی امیر کا حکم لیکر آیا ہو۔ اور ایسا نہ ہو۔ ان لوگوں کی نسبت کوئی تحقیقات کرنے میں دیر لگاؤں۔ تو امیر تک شکایت جائے جس کا نتیجہ بہت بُرا ہے۔ لہٰذا وہ معذرت کرنے لگا۔ اور صالح نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ اب بھی تم بہت جلد دروازہ کھول دو۔ ہمیں ہے تک عجانب سے جانا ہے۔ اور ہم اس وقت تمہاری باتوں کو سُن نہیں سکتے جاؤ جلدی کرو۔"

دربان نے ڈر کے مارے بہت جلد دروازہ کھول دیا۔ اور یہ لوگ بڑی پھرتی کے ساتھ شہر کے باہر نکلتے ہی گھوڑوں کو ایڑ بتا کر چلاتے۔ رات کا اندھیرا ان کو کسی وقت میں نہ ڈال سکا۔ اس واسطے کہ صالح اس سرزمین کے چپہ چپہ سے آگاہ تھا۔ اور وہ بہت جلد اپنے مقام مقصود کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ سب شہر سے دور نکل گئے۔ تو صالح نے اپنا گھوڑا گلنار کے گھوڑے سے برابر کر لیا اور اس سے دریافت کیا۔ "کیوں بانو! آپ کو تھکن تو نہیں معلوم ہوتی؟"

گلنار۔ "ہاں۔ میں سخت تھک گئی ہوں۔ اور مجھے سخت حیرت ہے کہ تم نے اتنی جلدی کیوں مچا رکھی ہے۔ آخر اس بھاگنے کا سبب کیا ہے؟"

صالح۔ "محل میں داخل ہو کر آپ کو سب باتیں بتا دوں گا"

گلنار۔ "کون سا محل؟"

صالح۔ "آپ کے والد ماجد کا محل۔ اور کون؟ یہ کیا ہے سامنے"

گلنار کو اپنا گھر نزدیک دیکھ کر کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ جماعت دہقان مرد کے محل کے پھاٹک پر تھی۔ صالح کی پکار اور گلنار کی آواز سن کر دربان نے پھاٹک کھولا۔ اور ان لوگوں نے اندر جا کر باغ میں گھوڑے روک لئے پھر اتر پڑے۔ اور ساتھ آنے والے شخص کو زر اجرت اور گھوڑے دے کر واپس کر دیا۔ محل کے سب لوگ سو رہے تھے۔ رات آدھی کے قریب گذر چکی تھی۔ دہقانہ گلنار نے دربان کو ہدایت کر دی۔ کہ خبردار کسی کو بیدار نہ کرنا اور پھر ریحانہ اور صالح کو ساتھ لیکر اپنے باپ کے دیوان خانہ میں داخل ہوئی۔ جہاں پہنچ کر اس نے فوراً صالح سے یہ سوال کیا — "صالح! تم نے تو مجھ کو عجب مخمصہ میں ڈال رکھا ہے۔ آخر بات کیا ہے؟ کچھ مجھکو بھی بتاؤ۔؟"

صالح۔ "بانو! آپ کیا دریافت کرتی ہیں؟ جو امر آپ سننا چاہتی ہیں۔ وہ موجودہ مصائب سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔۔۔ مگر پہلے آپ مجھ کو اجازت دیجئے۔ کہ آپ کے اصطبل سے فوراً کافی سواریوں کا سامان کر لوں۔ اور ان کو تیار

ہو جانے کا حکم دیدوں۔ پھر آپ سے سب حال عرض کروں۔ کیونکہ اب ہم کو
جگہ ٹھہرنا نہ چاہئے۔ اور فوراً آگے روانہ ہونا ضروری ہے۔"

گلنار۔ "بہتر ہے۔ جو تم کرنا چاہتے ہو ویسا انتظام کرو۔" اور صالح بہت
جلد سائیسوں کے داروغہ اور افسر اصطبل کو شائستہ اور تیز گام گھوڑوں کی
تیاری کا حکم دیکر پھر گلنار کے پاس واپس آگیا جو اس کے انتظار میں انگاروں
لوٹ رہی تھی۔ اور صالح نے دوزانو مودب بیٹھکر کہنا شروع کیا۔ "بانو!
اب سنئے کہ اس عجلت کی کیا وجہ ہے۔ میں جو آپ کو سرا میں چھوڑ کر ریحانہ
کو بلانے گیا۔ تو دارالامارۃ کے نزدیک لوگوں کو ایک طرح کی تشویش میں مبتلا
دیکھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ ابومسلم کو آپ کے بھاگ جانے کا علم
ہو گیا ہے۔ اور دارالامارۃ کے ہر ایک گوشہ کی تلاشی لیجا رہی ہے۔ وہاں
پتا نہ لگنے کی صورت میں شہر کے دروازوں پر بغیر پروانگی کسی کے گزرسکنے کی ممانعت ہو جاتی
اور شہر میں جستجو ہوگی۔ بس اتنا معلوم کرکے میں فوراً ریحانہ کو لیتا ہوا سرا میں آیا
اور شہر سے نکل چلنے کا بندوبست کر لیا۔ خیر شکر ہے۔ کہ ہم زندہ و سلامت
نکل آئے۔"

گلنار۔ (صالح کی خوش تدبیری اور خیر خواہی کی تعریف کرتے ہوئے)
"شاباش! تم واقعی نمک حلال شخص ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ کہ اب اس محل سے
بھاگ چلنے کی تیاریاں کیوں ہیں؟"

صالح۔ "بانو! کیا عرض کروں۔ صبح کو ابومسلم آپ کو شہر میں نہ پا سکیگا
تو فوراً اس محل کی طرف بھی کچھ فوج روانہ کرے گا۔ اور اس کے علاوہ جس وقت
اس نے آپ کے مرحوم نہیں۔ بلکہ شہید والد ماجد کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ تو یہ بھی کہا
تھا۔ کہ اس کا ایوان اور تمام ساز و سامان بھی ضبط کر لے گا۔ اس لئے آپ یہاں
ٹھہر کر کیا کریںگی۔ ابومسلم حکمران ہے۔ اور حکمران بھی کیسا، پرلے درجہ کا بے رحم
و سنگدل۔"

گلنار اس بات کو سن کر دم بخود رہ گئی۔ آہ اس نے خیال کیا تھا۔ کہ اب وہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم رہ کر آرام کی زندگی بسر کرے گی۔ اور کسی نامی دہقان سے نکاح کر کے دنیا کا سکھ دیکھے گی۔ لیکن صالح کی بات نے اس پر ایک نیا کوہ اَلَم توڑ دیا۔ اور گلنار بے اختیار رو کر کہنے لگی۔ "آہ اس ظالم نے اب تک جتنی بدسلوکیاں کیں کیا ابھی کافی نہ تھیں؟ جواب وہ میرے مال و متاع اور ملک پر بھی دانت رکھتا ہے۔" یہ کہکر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اور ریحانہ نے بھی رونے میں اس کا ساتھ دیا۔

صالح۔ (تسکین دیتے ہوئے) "بانو! خدا کے لئے صبر کیجے اور عقل سے کام لیجے۔ اس وقت رونا دھونا بالکل بے سود ہے۔ اور اس سے مصیبت کم ہونے کی جگہ المضاعف ہوتی ہے۔ یہ دنیاوی مال و منال اسی وقت تک کام کا ہے۔ جب تک جان سلامت ہے۔ ورنہ موت کے بعد اس کا کچھ نفع نہیں۔ آپ ابومسلم کو کھیلنے دیجئے۔ وہ اپنے دل کی صلاح پر کام کرے۔ پھر آپ دیکھینگی۔ کہ خدا کے حکم سے اس کو اپنے کرتوتوں کی کیسی سزا ملتی ہے۔ میں اس سے ایسا بدلہ لوں گا۔ کہ آپ ان تمام تکلیفوں کو بھول جائیں گی۔"

گلنار نے صالح کو ابومسلم سے انتقام لینے کا وعدہ کرتے سنا۔ تو وہ اپنے دل میں بیحد مسرور ہوئی۔ خاص کر اس لئے کہ اسے اس بارہ میں خود کچھ تحریک کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اور صالح آپ ہی سلسلہ جنبان ہوا۔ گلنار نے مسرت آمیز استفہام کے لہجہ میں کہا۔ "کیا تم میری مصیبتوں کا اس سے انتقام لینے پر تیار ہو؟"

صالح۔ "نہ صرف آپ کے لئے بلکہ اپنے واسطے بھی کیونکہ اس نے مجھ پر بھی تو ہاتھ صاف کیا تھا۔ لیکن خدا نے میری مدد کی۔ اور شائد میں اسی واسطے زندہ رہ گیا۔ کہ آپ کے اس وقت میں کام آؤں۔ اور اس سے آپ کا بدلہ نکالوں۔"

گلنار۔ (بات کاٹ کر) "یہ بھی تقدیری اتفاقات ہیں۔ اور اگر تم نہ ہوتے تو مجھکو نہیں معلوم کیا۔ آفت پیش آتی۔ اور کیسی گزرتی۔ خیر۔ اب تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیئے؟"

صالح۔ "ہاں۔ اب یہ کرنا ہے کہ جس قدر ہلکی اور قیمتی چیزیں گھر میں ہیں، ان کو اپنے ساتھ لے لیجے۔ اور باقی امور کی نسبت میں جو کچھ کروں۔ اسی پر قانع رہیے"

گلنار نے اس بات کو بخوشی مان لیا۔ اور فوراً جملہ قیمتی تحائف اشرفیاں روپے، جواہرات اور بیش بہا فاخرہ لباس خزانہ اور توشکخانہ سے نکلوا لئے گئے۔ تقریباً دو خچروں پر بار کرنے کے قابل سامان فراہم ہو گیا۔ اور ایک مختصر سا سفری خیمہ ساتھ لے لیا گیا۔ ریحانہ کے مشورہ سے دو تین قابل اعتماد وفادار ملازموں کو بھی ساتھ لینے کی تجویز طے پا گئی۔ اور جس وقت یہ تیاریاں مکمل ہو چکیں تو صالح نے گلنار سے کہا ـــــ "بانو! آپ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لیں کہ اس وقت آپ نے جس کام کا قصد کیا ہے۔ وہ نہایت دشوار اور سخت ہے۔ آپ کو مردانہ اطوار اختیار کرنے ہوں گے۔ اور ضعف نسوانی کو طبیعت پر کبھی قابو پانے کا موقع نہ دیجیے گا ہمارا عمل نہایت صبر اور بڑی تدبیر سے کام لینے کا محتاج ہے۔ اس واسطے میں ابھی عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ سے سفر کی تکلیفیں نہ اٹھائی جا سکیں یا آپ کو انتقام لینا منظور نہ ہو تو بیچارگی اپنی جان کو ہلکان نہ کیجیے۔ اور یہیں بیٹھی رہیے۔"

گلنار۔ "صالح! تم یہ کیا کہتے ہو؟ اگر مجھکو انتقام کشی کا خیال نہ ہو تو بھی میں یہاں کیونکر رہ سکتی ہوں؟ اور کیونکر ممکن ہے کہ جس شخص نے مجھ کو خانمان برباد بنایا گھر سے آوارہ کیا میرے باپ کی جان لی اور مجھکو فنا کرنے کے لئے میری جان لینے کے بھی در پے ہوا میں اس سے ان بے ہولناکیوں کا معاوضہ نہ لوں؟ نہیں نہیں۔ اس کی بیوفائی نے میرے دل میں آگ لگا دی ہے۔ جسے میں چین

غضب سے دیوانی ہوں۔ ہاں۔ بس اس کو اس ظلم وستم کا مزہ چکھانا چاہتی ہوں۔ صالح! تم خوب سمجھ رکھو۔ کہ یہ سبق اسی نے مجھکو پڑھایا ہے؛ آہ۔ میں اس قدر جرأت کہاں سے لاتی۔ کہ کسی کے قتل پر کمر باندھتی لیکن ظالم ابو مسلم نے مجھ کو مردودوں کا قتل کرنا سکھایا۔ اُف۔ میں نے علی بن کرمانی کو اس کی الفت پر قربانی چڑھا کر اپنا سہاگ برباد کر ڈالا۔ اور میرے اتنے بڑے جرم کے ارتکاب کا باعث محض یہی ناخدا ترس ہوا۔ پھر اگر وہ "کہ مرا عاقبت نشانہ کرد" کا مصداق بنایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں"

صالح۔ "بہتر۔ اگر آپ کا مصمم ارادہ ہے۔ تو میں مطیع حکم ہوں۔ اور اب یہ سوچنا ضروری ہے۔ کہ ہم کس طریقہ پر اپنی کارروائی آغاز کریں؟ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ اس شخص کے مقابلہ میں ہم تلوار اٹھا نہیں سکتے۔ اس کی قوت مستحکم ہے۔ حیلہ و فریب اس پر کارگر نہیں ہو سکتا۔ وہ خود بیحد چالباز ہے۔ اس واسطے ہمیں کوئی ایسی تدبیر کرنی ضروری ہے جس سے ہم اس کو اپنے جال میں پھنسا سکیں"

گلنار نے یہ بات سنی تو اس کو معلوم ہوا۔ کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس کے خیال میں کوئی ایسی بات آتی ہے۔ لہذا وہ پریشان سی ہو گئی۔ اور یہ امر صالح کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا۔ چنانچہ اس نے تبسم کر کے کہا۔ "بانو! آپ مایوس کیوں ہوتی ہیں؟ میں کچھ اس وجہ سے تو آپ کی رائے نہیں لیتا۔ کہ گویا میں خود ایسی تدبیروں سے درماندہ ہوں۔ میرا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ آپ بھی کوئی مشورہ دیں ممکن ہے۔ کہ آپ کی بات مناسب ہو"

گلنار۔ "آہ۔ میں دنیا کے نشیب و فراز کیا جانوں۔ اس منحوس سفر کے سوا کبھی باپ کے گھر سے میں نے قدم تک نہیں نکالا تھا۔ میری رائے کیا دریافت کرتے ہو؟ تم جو کچھ کرنا ہو کرو۔ اور جب کہو میں اس پر عمل کروں گی"

صالح۔ "بہت درست میں آپ کی دانشمندی سے ایسی ہی امید

رکھتا تھا۔ اچھا اب سنئے! اصل یہ ہے۔ کہ ہم اگر ابی مسلم کے لئے کوئی چال
بنا سکتے ہیں۔ تو ملک شام میں اموی بادشاہ کے ذریعہ سے۔ کیونکہ وہ لوگ
اس کے جانی دشمن ہیں۔ اور وہ ہی ہم کو اس سے انتقام لینے میں مدد دینگے۔"

گلنار۔ "ان کے مدد دینے کی صورت کیا ہے؟ کیا وہ ہماری خاطر سے
اس پر فوجکشی کرینگے؟ اور مان لیا کہ وہ ایسا کریں بھی تو ابو مسلم کے مقابلہ
میں کامیابی معلوم۔ وہ شہر مرو میں قلعبند بنا بیٹھا ہے۔ اور اپنی طاقت مستحکم
کرچکا ہے۔"

صالح۔ "میں یہ کب کہتا ہوں۔ کہ وہ ہمارے لئے فوجکشی کرینگے۔ اور
کریں بھی تو کامیابی ناممکن ہے۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ میں اُن کو درخت کی جڑ کا
پتا دیکر اُسے کٹوا دوں گا۔ تاکہ درخت خود بخود گر پڑے۔"

گلنار۔ (صالح کی مراد نہ سمجھنے کے باعث حیرت سے) "کیسا درخت
تمہارا کیا مدعا ہے؟"

صالح۔ "میری مراد اس دعویدار خلافت سے ہے جس کے لئے ابو مسلم
اور اس کے دوسرے ساتھی لوگوں سے بیعت امامت لیتے ہیں۔"

گلنار۔ "یعنی امام ابراہیم؟"

صالح۔ "ہاں۔ ہاں۔ وہی۔"

گلنار۔ "مگر تم وہاں تک کیونکر پہنچ سکتے ہو؟ کیا تمہیں ان کے رہنے
کی جگہ معلوم ہے؟"

صالح۔ "میں جانتا ہوں۔ وہ ملک شام ہی میں ہیں۔ اور بہت لوگ
اُن کی جائے سکونت سے آگاہ ہیں۔"

گلنار۔ "تم کو کس طرح ان کا پتا ملا؟ اور وہ کہاں ہیں؟"

صالح۔ "بلقا کے علاقہ میں ایک بستی حمیمہ ہے۔ امام ابراہیم وہیں
رہتے ہیں۔ اور یہ علاقہ ملک شام ہی کا ہے۔"

گلنار ۔ "اُن کے اس بستی میں آ رہنے کی وجہ ؟ کچھ اُن کے حالات معلوم ہوں تو مجھکو بھی آگاہ کرو۔"

صالح ۔ "بانو! یہ قصہ تو بیحد طویل ہے۔ اور وقت تنگ لیکن آپ کی خاطر سے مختصراً عرض کرتا ہوں سنیئے۔" رسول اللہ صلعم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کسی شخص کے لئے اپنی جانشینی (خلافت) کی ہدایت نہیں فرما گئے تھے۔ آپ کے بعد صحابہ میں خلافت کے بارہ میں اختلاف پیدا ہوا صحابہ کے دو گروہ تھے۔ اول مہاجرین یہ لوگ نبی صلعم کے ساتھ مکہ سے اپنا گھر بار ترک کرکے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ دوئم انصار یہ لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلعم کی یاوری کرنے کے باعث انصار کا لقب حاصل کیا تھا۔ بہت کچھ بحث و مباحثہ کے بعد آخر تمام صحابہ نے اس بات کو مان لیا کہ خلافت کے حقدار مہاجرین ہی ہیں۔ چنانچہ پہلے۔ دوسرے۔ اور تیسرے تینوں خلفاء مہاجرین ہی کے گروہ سے بذریعہ انتخاب تمام مسلمانوں کی طرف سے مقرر ہوئے۔ اور وہ لوگ سلطنت اور حکومت کے بارہ میں اہل فارس کی طرح وراثت کا قاعدہ جاری کرنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ داروں کو وراثت ملک کا خیال تھا۔ اور وہ لوگ خلافت کا اپنے ہاتھ سے نکل جانا ظلم اور حق تلفی تصور کرتے تھے۔ رسول صلعم کے سب سے بڑے قریبی رشتہ دار ان کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب اور چچا زاد بھائی علی بن ابیطالب (کرم اللہ وجہہ) دو شخص تھے۔ خلفائے ثلاثہ کے بعد علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ مگر خلافت اُن کی نسل میں برابر قائم نہیں رہی اس واسطے کہ بنی امیہ اس منصب پر اپنی پولیٹکل چالوں اور گروہ بندی کی قوت سے قابض ہو بیٹھے۔ اور پھر ایک صدی کے قریب قریب وراثتاً اس منصب پر جمے رہے۔ چنانچہ اس وقت بنی امیہ کے خاندان کا آخری خلیفہ مروان بن محمد ہے۔ جس سے ابومسلم معرکہ آرائیاں کر رہا ہے۔ بنی امیہ کی حکومت کے

تمام زمانہ میں علیؓ اور عباسؓ کی اولاد برابر اس کوشش میں مصروف رہی کہ وہ پھر عہدہ خلافت اپنے گھرانے میں واپس لائیں۔ یہی لوگ اہل بیت کہلاتے ہیں۔ اور ان میں سے دونوں کنبوں کے لوگ اپنے لئے خلافت کا منصب طلب کر رہے ہیں علیؓ کی اولاد اپنا حق غالب تصور کرتی۔ اور اپنے واسطے اس عہدہ کو موزوں سمجھتی ہے۔ اور عباسؓ کی اولاد اپنے تئیں سب سے بڑھ کر حقدار بتاتی ہے بجز اس کے علاوہ علیؓ کی اولاد جو طالب خلافت ہے۔ اس کے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک علیؓ کے ان صاحبزادوں کی اولاد جو رسول (صلعم) کی بیٹی بی بی فاطمہؓ کے بطن سے تھے۔ اور دوسرے علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی اولاد۔ اور یہ صاحبزادے علیؓ کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ ان دونوں فرقوں میں سے بھی ہر ایک فرقہ بجائے خود خلافت کا طالب بنتا ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی۔ کہ محمد بن حنفیہ کے بیٹے ابوہاشم شہر دمشق میں سلیمان بن عبدالملک اموی خلیفہ سے ملنے آئے۔ سلیمان نے دیکھا کہ ابوہاشم نہایت قوی اور خوش بیان شخص ہے۔ لہذا اُسے ان کی طرف سے دعویدار خلافت بننے کا خوف پیدا ہوا۔ اور سلیمان نے خفیہ طور پر ایک شخص کی معرفت ابوہاشم کو دودھ میں ملا کر زہر دلوا دیا۔ ابوہاشم کو دمشق سے مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے زہر دیا گیا تھا اور اس وقت ان کے کنبہ کا کوئی آدمی ان کے پاس موجود نہ تھا۔ لہذا ان کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا وہ کسی کو بغیر ولیعہد خلافت بنائے ہوئے دنیا سے روانہ ہو جائیں اور اس خیال سے وہ علاقہ بلقا کی ایک بستی میں جس کا نام "حمیمہ" تھا چلے گئے اس بستی میں بنو عباس سکونت رکھتے تھے۔ اور وہ لوگ در پردہ عام آدمیوں سے اپنے تئیں امام اور خلیفہ منوانے کی کوشش کرتے رہتے تھے جس وقت ابوہاشم حمیمہ میں پہنچے اس وقت بنو عباس میں سے محمد ابن علی بن عبداللہ بن عباسؓ صاحب دعوت (دعویدار خلافت) تھے۔ ابوہاشم انہی کے یہاں ٹھہرے اور انہیں اپنا وصی (ولی عہد) قرار دے کر اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت شیعہ کو بھی ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد ابوہاشم فوت ہو گئے۔ اور محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے داعی

ومنادی کرنے والے) تمام اسلامی ملکوں میں پھیلا دئے۔ محمد مذکور بھی چند ہی روز اور زندہ رہا اور پھر کئی بیٹے چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ اس کے بیٹوں میں سے ایک یہ ابراہیم بھی ہے جسے ان دنوں امام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابراہیم نے اپنے باپ کی وفات کے بعد بڑی ہوشیاری سے دعوت خلافت کی اشاعت کا کام سنبھال لیا۔ اور عموماً ہر ایک ملک میں لیکن خاص کر خراسان میں اپنے داعی (نائب) لوگوں کو کثرت کیساتھ روانہ کیا۔ اس لئے کہ شیعوں کو بہ نسبت اور ملک والوں کے اہل خراسان پر زیادہ اعتماد تھا۔"

گلنار ۔ (بات کاٹ کر) "مگر انہوں نے ملک فارس کے سوا دیگر اسلامی ملک میں اس طرح کی دعوت پھیلانے میں کیوں سعی نہیں کی؟"

صالح ۔ (سلسلۂ کلام جاری رکھکر) "اس لئے کہ مصر اور شام کے ملکوں کے تمام آدمی بنی امیہ کے طرفدار ہیں، اور پھر ان میں اعیان سلطنت بھی موجود ہیں۔ سر زمین حجاز کی آبادی کم ہونے کے باعث وہاں والے دعوائے خلافت کی اہل بیت کے پوری طرح تقویت نہیں کر سکتے۔ اور بصرہ اور کوفہ والوں کی بار بار کی بیوفائیاں اہل بیت کو ان کی طرف سے بدظن بنا چکی ہیں۔ اس لئے صرف خراسان کا ملک ہی اُن کے دعاوی کی سرسبزی کے لئے مناسب جگہ تھی۔ اور پھر طرہ برین یہ کہ اہل خراسان بنی اُمیہ کے ظلم وستم سے سخت دق آ گئے تھے۔ اس واسطے وہ کسی طرح اموی حکومت کی بلا اپنے سروں پر سے ٹالنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ اہل بیت کے دعاوی کو انہوں نے بڑی توجہ سے سنا۔ خراسان کے لوگ اب سے پہلے بنی امیہ کے خلاف ہو کر آل علیؓ کی بیعت کیا کرتے تھے۔ مگر اتفاق سے امام ابراہیم کو یہ ابو مسلم اپنے ڈھب کا آدمی مل گیا۔ اور انہوں نے اس کو یہاں کے تمام داعیوں کا سردار بنا کر بھیج دیا۔ پھر یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ابو مسلم نے اپنی شاطرانہ چالوں، زور آوری اور سنگدلی کے ذریعہ سے کس طرح شہر مرد کو فتح کر لیا۔ ابو مسلم نے شہر فتح کرنے کے بعد بظاہر لوگوں سے اہل بیت کے نام پر بیعت

لی ہے۔ لوگ یہ سمجھ کر امام ابراہیم کے نام سے بیعت کر لیتے ہیں۔ کہ خلافت کا منصب آل علی بن ابی طالبؑ اور آل عباسؓ میں مشترک رہے گا۔ اور نوبت بہ نوبت ان گھرانوں کا ایک ایک آدمی خلیفہ ہوگا۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ بنو عباس بہت جلد مستقل طور پر خلافت کو اپنے گھرانے میں منحصر کر لیں گے۔ اور آل علیؑ کی حق تلفی کریں گے۔ بہر حال میری اس تمام گفتگو کا نچوڑ یہ ہے۔ کہ امام ابراہیم ہی اس دعوت کا مرکز اور اس کی اصل ربیا وہ ہے۔ اور وہ "حمیمہ" میں رہتا ہے۔ اور مروان بن محمد اموی خلیفہ کو اس کا پتا معلوم نہیں۔ میں مروان کو اس راز سے آگاہ کر دوں گا۔ اور وہ فوراً ابراہیم کو نہایت آسانی کے ساتھ گرفتار یا قتل کر سکے گا۔ ابراہیم کی گرفتاری سے ابو مسلم کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ اور اس کی کارروائیوں میں خلل آپڑے گا۔ پھر بنی امیہ کا زور بڑھ جائے گا اور یہی سب سے بڑھ کر سخت انتقام ہے۔ جس کو ہم سر دست لے سکتے ہیں"

گلنار ایسی معقول رائے سن کر خوشی سے باغ باغ ہو گئی۔ مگر اس نے کام شروع کرنے کی شکل اور اس کا طریقہ معلوم کرنے کے خیال سے دریافت کیا "ہاں۔ تدبیر تو بہت پیاری ہے۔ مگر اس پر عملدرآمد کیونکر ہوگا؟"

صالح۔ "یوں کہ جسقدر جلد ممکن ہو۔ ہم اس جگہ سے نکل چلیں۔ اور مرو سے ہوتے ہوئے ملک شام میں جا پہنچیں"

گلنار۔ "اور یہ محل اور باغات کس کے لیے چھوڑے جاتے ہیں؟"

صالح۔ "خوب!! اسی ظالم اور بد دیانت کے واسطے جو آج صاحب زور و قوت ہے۔ اور ہماری جان کا گاہک۔ آپ یاد رکھیے کہ اگر ہم زندہ رہے تو آخر ایک دن ابو مسلم پر غالب ہی آئیں گے۔ اور پھر یہ باغات اور محل اس کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکیں گے۔ دیکھیے تو خدا کیا کرتا ہے۔ ابھی صالح کی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ یمنی آ پہنچی اور اس نے سفر کی تیاریاں مکمل ہو جانے کا حال سنایا۔ پھر گلنار، صالح، یمنی اور چند خاص خاص خادم و ساتھی آدھی رات کے وقت گھر بار چھوڑ کر دشت نوردی کیلئے روانہ ہونے کو تیار ہو گئے۔ گلنار نے اپنے باپ کے گھر سے جہاں وہ پیدا ہوئی تھی

بعد سے اب تک ناز و نعمت میں پلی اور پرورش پاکر جوان ہوئی تھی۔ یوں بیکسی کے عالم میں نکلنے کا تصور کیا۔ تو اس کا کلیجہ شدت غم سے منہ کو آ گیا۔ اور ضعف نسوانی کے غلبہ نے اس کی آنکھیں پرنم بنادیں۔ صالح اس وقت گلنار کے حرکات و سکنات کو بڑے غور کے ساتھ تاڑ رہا تھا۔ اور یہ کیفیت مشاہدہ کرکے کہنے لگا۔ "دانا بس اب وقت کو غنیمت جانئے۔ اور اس سے قبل کہ وہ ظالم یہاں آسکے نکل چلئے۔ ورنہ ہماری یہ تمام کوششیں خاک میں مل جائیں گی"۔

گلنار اس بات کو سن کر چونک پڑی۔ اور جو تذبذب اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا اسے دور کرکے پھر مستعد ہو گئی جن خادموں کو ساتھ لیچلنا تجویز ہوا تھا۔ ان کو خاموشی کے ساتھ بیدار کرکے کسی قدر مختصر حال اس سفر کی تیاری کا بتا دیا گیا۔ اور بیران کی مدد سے پانچ چھ خچروں پر جملہ سامان بار ہوا ہر شخص کی سواری کیلئے ایک ایک گھوڑا لے لیا۔ تین خادم، تین سائیس۔ اور تین ہی آدمی یہ یعنی گلنار ریحانہ۔ اور صالح۔ جملہ نو آدمیوں کی جماعت آدھی رات کے وقت گھر بار ترک کرکے روانہ ہو گئی۔ صالح نے گلنار سے کہدیا تھا۔ کہ دربان کو محض اس بات کی اطلاع دیجئے۔ کہ آپ حج و زیارت کی عازم ہیں۔ اور باقی تمام قصر کے لوگوں کو پڑا سونے دیجئے ورنہ بیکار غل و شور مچے گا۔ اور ہم کو روانہ ہونے میں دیر ہو جائیگی گلنار نے کہا بھی کہ قصر کے لوگ جن کو اپنے آقا کے قتل ہونے کا علم نہیں ہے۔ غفلت میں پڑے رہنے کے باعث مفت میں ظالم کے جور و ستم کے شکار بنیں گے۔ ان کو ابھی سے آگاہ کردو۔ تاکہ یہ اپنی جانیں بچالیں۔ مگر صالح نے کہا۔ کہ آپ ٹھہر جاتے۔ میں اس کا بھی انتظام کردوں گا۔ لیکن خود یہاں سے نکل جانے کے بعد چنانچہ ان مسافروں کی جماعت قصر سے نکل کر روانہ ہوئی۔ دربان سے کہدیا گیا۔ کہ ہم ابھی پھر واپس آئیں گے۔ اور تم محل کی ہر طرح حفاظت رکھنا۔ اور اس کے بعد صالح مع ان سب لوگوں کے روانہ ہو گیا۔

رات کا پچھلا پہر ہو گیا تھا۔ اور صبح صادق طلوع ہو رہی تھی جب یہ جماعت

قصر سے نکل کچھ دور تک معمولی رفتار سے راستہ طے ہوتا رہا۔ اور بعد ازاں ایک دم
سے گھوڑوں کو تیز کر دیا گیا۔ اور طلوع آفتاب کے وقت یہ سب بہت دور نکل گئے
تھے۔ اس موقع پر صالح نے سب کو ایک مخفی مقام میں ٹھہرا دیا۔ اور تمام ساتھیوں کو
ہدایت کی کہ اگر تم سے کوئی غیر شخص یہ سوال کرے کہ کہاں جا رہے ہو۔ تو حج و زیارت
کا عازم ہونا ظاہر کرنا کیونکہ دہقانہ کا یہ سفر بالکل مخفی ہے۔ اور کہنا ہم لوگ شہر بلخ
سے آئے۔ اور اس اگلے قافلہ سے ملنے کو جا رہے ہیں۔ جو ہم سے چار روز پہلے روانہ
ہوا ہے۔ اور ساتھ کے لوگوں کو یہ بات بخوبی سمجھا کے دہقانہ گلنار سے کہنے لگا
بانو اب میں قصر کی طرف واپس جاتا۔ اور ان لوگوں کو اصل حال سے مطلع بناتا ہوں
آپ کوئی اور خادم بھی میرے ہمراہ کر دیں۔ تاکہ وہ میری باتوں کی تصدیق کر کے
محل والوں کو تسلی دلا سکے۔

گلنار:- "تم جیسے چاہو بہتر ہے۔ اور اچھا ہوگا کہ سعید (ایک خادم کا نام) کو لیجاؤ
صالح یہ حکم سنتے ہی سعید کو ساتھ لیکر قصر کی طرف چل دیا۔ اور جب یہ دونوں
وہاں پہنچے تو آفتاب بخوبی بلند ہو چکا تھا۔ محل کے سب لوگ بیدار ہو گئے تھے۔
رات کے واقعات سن کر بیحد گھبرائے ہوئے تھے۔ صالح نے وہاں پہنچتے ہی
داروغہ قصر کو الگ بلا کر تمام باتیں اس سے بیان کریں۔ دہقان کا قتل ہونا۔
دہقانہ گلنار کا جان بچا کر بھاگنا۔ اور ابو مسلم کا قصر اور اس کے تمام سامان کو ضبط
کرنے کی فکر میں ہونا۔ اسے سنا کر اخیر میں کہا۔ "مرحوم دہقان نے تو کوئی وصیت
کرنے کا موقع نہیں پایا۔ لیکن دہقانہ گلنار باوجود اس کی جائز وارث ہے تم سب
لوگوں کو آزادی عطا کر کے مختار بناتی ہے۔ کہ محل کا جو سامان اچھا ہو لے لو۔ اور کچھ
جانیں اس آفت سے بچانے میں کوشش کرو۔ اور اگر تم کو میری بات کا وثوق نہ ہو
تو یہ سعید گواہی دینے کے لئے موجود ہے۔"

سعید نے داروغہ محل سے "ہاں جناب! صالح بالکل سچ کہتے ہیں آپ
محل والوں کی جان بچانے میں سعی کیجئے۔ اور اپنی دانشمندی سے کام لیجئے"

گلنار۔ "تم کو جو مناسب معلوم ہو۔ وہ کرو۔ کیونکہ میری عقل بالکل کام نہیں دیتی۔"

صالح۔ (گلنار کی کمزوری طبع سے گھبرا کر) "بیوی! بانو! ابھی تو ہم نے صرف راستہ پر قدم رکھا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ ابھی سے گھبرا گئی ہیں؟"

گلنار۔ "نہیں میں گھبرائی نہیں ہوں۔ لیکن ان دو دنوں میں جیسے واقعات گزرے ہیں۔ انہوں نے میرے ہوش و حواس پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی بھیانک پریشان خواب دیکھ رہی ہوں۔ اور کئی رات دن گزر گئے ہیں کہ میری پلک تک نہیں جھپکی۔ سارا بدن تکان سے چور چور ہو رہا ہے۔"

صالح۔ "تو اب اس جگہ ہم کسی قدر امن میں ہیں۔ لہٰذا آپ بے تکلف آرام فرمائیے۔ اور میں جا کر کوئی دوسری فکر کروں گا۔"

گلنار۔ (حیرت سے) "وہ کون سی فکر؟ میں بھی تو سنوں۔"

صالح۔ "بانو! آپ مجھ کو موقع پر چوک جانے والا تصور فرمائیے جو کام میں چند روز بعد کروں گا۔ اس کا نتیجہ ابھی نکلنا دور ہے۔ لہٰذا میں ایک نئی چال چلتا ہوں کارگر ہو گئی۔ تو ابی مسلم اور اس کے ماتحت سرداروں میں باہم کھٹ پٹ ہو جائے گی۔"

گلنار۔ "کون سردار؟"

صالح۔ "کیا آپ سلیمان بن کثیر سے واقف ہیں؟"

گلنار۔ "ہاں۔ تم نے ہی بتایا تھا۔ کہ وہ بہت بڑا نقیب اور اس دعوت کے کام میں بڑا پرانا کارکن ہے۔"

صالح۔ "جی ہاں۔ وہ ابی مسلم کی نسبت بہت پرانا ہے۔ لیکن پہلے وہ خراسان والوں کو اولاد علیؓ بن ابی طالب کی امامت اور خلافت ماننے کی دعوت دیتا تھا۔ اور اس دعوت کا رکن رکین اور سرغنہ تھا۔ مگر جس وقت علوی امام کا انتقال ہو گیا۔ اور جب کہ پہلے میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ امامت اور خلافت بنی عباس کے پاس منتقل ہو آئی۔ تو امام ابراہیم نے ایک طرف سے ابو مسلم کو تمام

اہل تقوے اور عادل اماموں کی بیعت قبول کی۔ اور آل نبی پر جان و مال فدا کرنے
کو تیار ہو گئے ہمیں یہ امید تھی۔ کہ آپ ایک قابل اعتماد بزرگ ہیں۔ اور آپ کی
کوششیں ہم کو بنی امیہ کے ظلم و اہانت کی آفتوں سے نجات دلوائیں گی۔ ہم
خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ اس مصیبت کی تاریکی دفع ہو کر انصاف و راستی کا نور
پھیلے گا۔ لیکن اس وقت یہ دیکھ کر ہمارا دل ٹوٹ گیا۔ کہ آپ اور تمام آپ کے
ساتھی نقیب ایک مجہول النسب لونڈے کے محکوم بن گئے ہیں۔ ہمارا خیال تھا۔
کہ آپ نے اس کی ماتحتی حکمت اور حسن سیاست کے لحاظ سے کی ہو گی کیونکہ مسلمانوں
کی فضیلت تقوی اور پارسائی پر منحصر ہے۔ لیکن افسوس اب ہم کو معلوم ہوا۔ کہ
وہ ناتجربہ کار نوجوان اگر آپ لوگوں پر کوئی برتری رکھتا ہے۔ تو اتنی کہ حد درجہ کا ظالم
سفاک بے رحم اور قاتل ہے۔ اور آپ لوگوں سے اپنی مطلب برآری کے لئے
کام لے رہا ہے۔ ایسے قتل و خونریزی کے متعلق میں خطا وار اور بے گناہ کوئی
نہیں سوچتا۔ بس اپنی غرض کے لئے آدمی سے کام لیا۔ اور جب اس کی ضرورت
نہ رہی تو اسی خادم یا محسن کو خفیہ یا علانیہ جس طرح بنا قتل کر دیا۔ کرمانی علی بن کرمانی
اور دہقان مرد پر جو کچھ گزرا ہے۔ آپ کے آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ آپ
ہی بتائیں۔ کہ ان لوگوں نے کیا خطا کی تھی؟ یہی کہ اس پر اپنی جان و مال فدا کرنے
میں دریغ نہیں کیا تھا۔ اور اس کے کام آتے تھے!! پھر لطف یہ ہے کہ ابو مسلم
ایسی خلاف دیانت حرکتوں کا ارتکاب امام کے حکم سے منسوب کرتا ہے!!!
خدا کے لئے آپ سوچئے تو کہ آیا امام شک و شبہ پر لوگوں کے قتل کا حکم دے سکتا
ہے یا نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ اماموں کی نسبت تو جہاں تک معلوم ہوا ہے۔ وہ
ایک چیونٹی کو بھی دکھ دینے سے ڈرتے ہیں۔ چہ جائیکہ انسان کا قتل کر دینا
اور وہ بھی شک کی وجہ سے!!

کیا آپ اس بات کا اطمینان رکھتے ہیں کہ آپ اس کے ہاتھوں سے
بچ جائیں گے۔ این خیال است و محال است و جنون۔ ایک دن ایسا آئے گا

کہ آپ بھی ہموں آتش در کاشانہ کے مصداق ہو جائیں گے۔ اور ابو مسلم محض شک کے حیلہ سے آپ کا قتل حلال بنائے گا۔ کیونکہ انسان کے دل میں شک سے زیادہ جلد آنے والی کوئی چیز نہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ ان سب آفتوں کے بانی جو آپ ہیں۔ اور آئندہ بھی رہیں گے۔ افسوس اہل ہمدی اور پرہیزگاروں کی افسری چھوڑ کر اور احکام الٰہی کو قائم کرنے والے خلیفہ کی بیعت سے منہہ موڑ کر آپنے ایک نامعقول چھوکرے کی حکومت تسلیم کر لی ہے۔ اور وہ آپ سب لوگوں کو احمق بنا کر اپنا اُلو سیدھا کر رہا ہے۔ کہاں اہل بیت کے نام پر بیعت لیجاتی تھی۔ اور کہاں اب آل محمد (صلعم) کے نام سے بیعت لیجا رہی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ عباسی خلافت کا جال اسی دہوکے کی ٹٹی کے اُوٹ میں پنہاں ہے۔ ابن کثیر آپ اور آپ کے ساتھیوں میں ذرا بھی عقل اور غیرت کی رمق باقی ہے۔ تو ابھی اس خرابی کا انسداد کیجے۔ اور بیعت انہی لوگوں کے واسطے لیجے۔ جو اس کے حقدار ہیں۔ اور خدا کے خاص بندے۔ اس کام میں تمام اہل خراسان اور فارس کے نامور دہقان آپ کے ساتھ ہوں گے۔ والسلام "

صالح نے یہ تحریر لکھکر ایک نلکے میں بند کی۔ اور سوچنے لگا۔ کہ اس کو روانہ کیونکر کرے۔ غور کرتے کرتے اس کو "سعید" کا خیال آیا۔ اور اُسے بلا کر کہنے لگا۔ "مجھکو ایک ضروری خط امیر سلیمان بن کثیر کے پاس شہر مرو میں بھیجنا ہے تم کوئی آدمی موجودہ ساتھیوں میں سے تجویز کر سکتے ہو۔ جو اس کام کو جلد اور احتیاط کے ساتھ کر آئے؟"

سعید۔ (غور کے بعد کوئی بات خیال میں آنے سے خوش ہو کر) "جی ہاں۔ ایک گونگا سائیس ہمارے ساتھ ہے اُس کے علاوہ اور کوئی یہ کام نہ کر سکے گا"

صالح۔ "گونگا؟ تو پھر وہ بہرا بھی ضرور ہوگا۔ اور کس طرح میری بات سمجھکر کام کر لائے گا؟"

سعید۔ "نہیں۔ وہ بہرا نہیں۔ زبان تو اس کی ایک بیماری کے باعث

مرو فتح کر لیا ہے ؟"

صالح ۔ "کچھ آج !! اس کو کئی دن ہو گئے ۔ اگر تم پہلے ہی آ گئے ہوتے تو اس فتح میں شریک بھی ہو سکتے تھے ۔ مگر خیر اب جلد امیر کے پاس پہنچ جاؤ ! اور اس منزل پر بھی قیام نہ کرو ۔ اور ہاں میں نے تم سے اپنے شیعہ بھائیوں کی خیریت تو پوچھی ہی نہیں ۔ آیا کوفہ میں سب لوگ خوش اور راضی ہیں ؟"

سوار ۔ "سب بخیریت ہیں ۔ اور اس فتح کی خبریں کر اُن کی ہمتیں تو بڑھ جائیں گی ۔ خصوصاً ابو سلمہ خدا ان کو سلامت رکھے وہ تو اس خبر سے اس قدر خوش ہوں گے ۔ کہ بیان نہیں کیا جا سکتا "

صالح ۔ "اور ابو سلمہ اچھے تو ہیں ؟"

سوار ۔ "جی ہاں بہت اچھی طرح ہیں ۔ اور یہ تمام سامان اور خزانہ انہی کے پاس سے آ رہا ہے ۔ ان سے جہاں تک ممکن ہوتا ہے ۔ اس دعوت کی راہ میں مال و زر صرف کر رہے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے ۔ کہ اس دعوت کا قیام ابو مسلم کی تلوار اور ابو سلمہ الخلال کے مال سے ہے "

صالح ۔ "اچھا اب تم دیر نہ کرو ۔ اور سب چلے ہی جاؤ ۔ یہاں پڑاؤ محض پانی وغیرہ پینے کی غرض سے رکھا ۔ امیر کو تمہارا انتظار بہت دق کر رہا ہے ۔ شام تک تم کو شہر مرو میں داخل ہو جانا چاہیے "

سوار سر کے اشارہ سے بہت اچھا کہتا ہوا اپنی سمت میں چلا ۔ اور صالح کوفہ کی طرف جانے والے راستہ پر کچھ دور تک بڑھتا چلا گیا ۔ صالح نے وقت انتظار کر کے ۔ کہ اب وہ قافلہ منزل سے آگے نکل گیا ہوگا ۔ واپسی کا قصد کیا ۔ اور جیسے ہی وہ پلٹ کے اپنے مقام پر آیا ہے ۔ ایک خادم نے بڑھ کر اُسے اطلاع دی ۔ "جلد چلیے ۔ دہقانہ کی اس وقت عجیب حالت ہو رہی ہے ۔"

صالح ۔ "خیر تو ہے ؟ کیا ہوا ؟"

خادم ۔ "وہ قافلہ صورت ہوتے ہی ۔ پیچھے پڑ گئیں ۔ اور اس وقت

سے برابر چیخیں مار مار کر رو رہی ہیں۔"

صالح سمجھا کہ اپنی بیکسی اور آوارہ گردی کی مصیبت کا خیال گلنار کو بیچین کر رہا ہوگا۔ اس لئے وہ بعجلت گلنار کے خیمہ میں چلا گیا۔ اور وہاں جا کر دیکھا کہ فی الواقع دہقانہ بستر پر بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔ اس کے بال پریشان ہیں۔ آنکھیں سرخ ہوگئی ہیں۔ اور چہرہ بالکل رنگوں سے ترہتر ہے۔ گلنار نے صالح کی صورت دیکھتے ہی چیخ کر کہا ——— "آہ صالح۔ نہیں۔ بلکہ ضحاک! کیونکر میں اپنے آرام و مسرت کے زمانہ میں تم کو اسی نام سے پکارتی تھی۔ مگر ہائے آج میں کون ہوں فلک زدہ یتیم و بیکس۔ اور آوارہ خانمان برباد۔"

صالح یہ سنکر دوزانو اور ادب کے ساتھ دہقانہ کے بستر سے قریب بیٹھ گیا اور دلدہی کے لہجہ میں کہنے لگا۔ "کیوں بانو! خیر تو ہے؟ کیا اس وقت کوئی نئی بات ہوئی جو آپ اتنی پریشان ہیں؟"

گلنار۔ (بے اختیار روتے ہوئے) "ہائے۔ کیا بتاؤں۔ کوفت اور تکان کی ماری غافل پڑی سو رہی تھی۔ کہ خواب میں وہی ظالم خنجر لئے ہوئے میرے قتل پر آمادہ سامنے آموجود ہوا۔ اُف۔ میں نے اس موقع کے حسب حال یہ شعر پڑھا ؎

خنجر کشیدہ در سر قتلم شتاب چیست؟
ای مرگ من! بناز کہ چندیں عتاب چیست؟

میں اس پر برس پڑی۔ آہ۔ میں نے کہا۔ ظالم ابومسلم! کیا میری الفت کا یہی معاوضہ ہونا چاہیئے۔ کہ تو میرے باپ کو قتل کرا دے۔ اور پھر میری جان لینے کے بھی درپے ہو؟ صالح! نہیں معلوم میں نے کیا کہا۔ اور کس قدر ملامت کی۔ مگر وہ چپکا کھڑا سنتا ہی رہا۔ ایک بات بھی تو اس کے منہ سے نہیں چھوٹی آہ۔ مجھکو اس پر کمال غصہ آرہا تھا۔ اور میں جوش غضب سے دیوانی ہو رہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ میرا دل خودبخود اس کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ اور اس کے تیر نظر دل و جگر کو چھلنی بنائے دیتے تھے۔ نہیں معلوم کس بلا کی سحرکار آنکھیں

نفیس۔ کہ دل بے ساختہ اُن پر لوٹ ہوا جاتا تھا۔ اُف۔ میں نے اس سے کہہ
دیکھو او ظالم! اس دل کی کمزوری پر نہ بھولنا۔ میں اس کو مغلوب بنا لوں گی [اور]
جس طرح بن پڑے گا اپنے باپ کے خون کا۔ آہ خون ناحق کا معاوضہ تجھ
سے لیکر رہوں گی۔"

صالح۔ (مداخلِ سخن بن کر اور تمسخر کے انداز سے) "مگر خدا کے لئے
کبھی سرانجام اس کو نہ سنا دیجئے گا۔ اور اس سے نہ کہہ دیجئے گا کہ وہ شخص
اس تدبیر انتقام میں آپ کا مددگار اور خادم ہے۔ ورنہ وہ ظالم مجھکو فوراً خوان
پیچ دے گا۔" اور یہ کہکر اپنے حسب سابق انداز تمسخر کے ساتھ ہنسنے لگا مگر
بھی اس کی حرکت سے تمام رنج و قلق بھول کر بے اختیار ہنس پڑی۔ شرم سے پھر
سنبھل گئی۔ اور اس نے تیز نگاہوں سے صالح کو دیکھا گویا غضب کو ناک کہنے
لگا۔" بانو! میری اس بات میں کوئی خطا نہیں۔ آپ نے میرا پیارا نام لیکر
پکارا۔ اس واسطے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ مجھ سے پھر اسی روش پر
آجانے کی آرزو رکھتی ہیں۔ اور میں ہنس پڑا۔ کیونکہ ہنسنا رونے سے تو بہرحال
اچھا ہے۔ ۔ اور پھر میرے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آپ خواب و
خیال کو اس قدر ماننے لگینگی۔ اور ضعفت نسوانی کے ہاتھوں میں مبتلا ہو کر
تمام کھیل بگاڑنے کے درپے بنیں گی۔ اس لئے میں نے اس پر خار راستہ
میں قدم رکھنے سے پہلے آپ سے گذارش کر دی تھی کہ اگر آپ اس کام کو
فی الواقع کرنا چاہتی ہیں۔ تو مردانہ صبر و تحمل اور حد درجہ کے ضبط و استقلال
سے کام لینا ہوگا۔"

گلنار۔ (آہ سرد بھر کر) "آہ میرا دل شدت درد سے اُلٹا گیا ہے
اور دماغ نے جواب دے دیا ہے۔ مجھے ہرگز اتنی فرصت نہیں کہ کچھ بھی
بات سوچوں، یا کچھ کام کر سکوں۔"

صالح۔ "میں کب کہتا ہوں کہ آپ کوئی [illegible] مجھ کو

تو جو کچھ کرنا ہے۔ وہ کرتا ہوں۔ اور کروں گا۔ مگر آپ صبر و ضبط سے کام لیں۔ اس کا انجام اچھا نکلے گا۔ اور آپ انشاءاللہ اس خوبی سے اپنا دلی مدعا حاصل کرینگی۔ کہ تمام مصیبتیں بھول جائینگی۔ دیکھئے تو خدا کیا کرتا ہے۔"

گلنار کو صالح کی گفتگو سنکر یہ معلوم ہوا۔ کہ اس کے دل پر سے کوئی بڑا بوجھ ٹل گیا ہے۔ اور اس نے سنبھلکر کہا۔ "سچ کہتے ہو۔ واقعی صبر و ضبط کے سوا میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔" پھر وہ ریحانہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ریحانہ مالکہ کو پریشان دیکھ کے بے اختیار رو رہی تھی۔ اور اب جو اسکو کچھ آنسو پی کر کہنے لگی: "بی بی! آپ صبر و تحمل فرمائیے۔ خدا بہت جلد آپ کی مشکلیں آسان کرے گا۔"

صالح۔ (گلنار کو ان باتوں سے دوسری جانب مشغول کرنے کے خیال سے) "ہاں! ہاں یہ تو فرمائیے۔ کیا آپ ابوسلمۃ الخلال کو جانتی ہیں؟"

گلنار اس سوال کو سنکر سر جھکا کے سوچنے لگی۔ گویا وہ اپنے حافظہ کو ٹٹول رہی تھی۔ کہ آیا اس میں یہ نام موجود ہے یا نہیں۔ اور ریحانہ فوراً بول پڑی۔ "میرا خیال ہے۔ مالکہ اس کو نہیں جانتی ہیں۔ مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ فارسی شخص اور بڑا مالدار آدمی ہے۔ عراق اور ایران میں اس کا نظیر کوئی نہیں۔ خدا بخشے ہمارے ولی نعمت دہقان سے اس کی گہری دوستی تھی۔ اور اکثر وہ ان سے ملنے آیا کرتا تھا۔ مالکہ اس وقت بچی تھیں۔ ان کو کیا یاد ہوگا۔"

صالح۔ (خوش ہو کر) "پھر تو بات بن گئی۔ ریحانہ! جس طرح ابی مسلم کی تلوار اس دعوت کے قیام میں کام دے رہی ہے۔ اسی طرح ابوسلمہ کی دولت اس کو مدد پہنچاتی ہے۔ وہ بھی ابن کثیر کی طرح علوی سادات کا حامی تھا۔ مگر ابن عباسیوں کے ساتھ ہو گیا ہے۔ تاہم کسی طرح ہم نے اس کو ادھر سے بد دل کر دیا۔ تو بغیر روپیہ کے ابی مسلم کا کچھ بس نہ چلے گا۔ اور وہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

گلنار۔ "خوب یاد دلایا۔ میں نے بھی ان کو دیکھا ہے۔ ایک بار وہ ابا جان مرحوم سے ملنے آئے تھے۔ تو میرے واسطے بہت سی قیمتی تحائف لائے تھے

ریحانہ :- اور ایک بات یہ بھی مجھے خوب یاد آگئی۔ ابومسلمہ کی ایک بیوی شہر مرو کی رہنے والی ہے۔ بانو کی ماں سے اس کا قریبی رشتہ تھا۔ اور میری ہی معرفت ولی نعمت مرحوم کی کوششوں سے وہ عورت ابوسلمہ کے نکاح میں دی گئی تھی۔"

صالح :- (خوشی سے اچھل کر) " تو بس اب ہم کو بہت جلد کوفہ چلنا ضروری ہے۔ بانو! اب سحر ہو جائے۔ یہاں زیادہ ٹھہرنے میں خطرہ قریب رہے گا۔ آپ مع تمام ہمراہیوں کے کوفہ کی طرف روانہ ہوں۔ اور میں راستہ میں ایک ضروری کام کے لئے آپ سے جدا ہو کر آپ کے کوفہ پہنچنے سے ایک منزل پہلے ہی آکر پھر ساتھ ہو جاؤں گا۔" اس گفتگو کے بعد بہت جلد سفر کی تیاریاں ہو گئیں۔ اور گو اب رات ہو گئی تھی۔ تاہم اس مختصر قافلہ نے قطع مسافت شروع کر دیا۔ اور بہت تیزی کے ساتھ ملک عراق کی طرف روانہ ہوا۔ اب ہم ان کو جانے دیتے۔ اور ناظرین کو ملک شام کے مشہور اسلامی پایۂ تخت دمشق کی سیر کرا کے۔ اور حکومت بنی امیہ کے دام واپسیں کا نظارہ دکھانے لئے چلتے ہیں۔

اکیسواں باب

ایک ولی اللہ کی ملاقات

مردانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

شہر دمشق قدیم تاریخی شہر ہے۔ اس نے کئی قوموں کی شاندار حکومتوں کے

انقلاب سے تباہ ہو گئے۔ اور بہت
ہندوستان میں شہروں کی سرگزشت عمر
ہی ملک شام کے اس عروس البلاد کا ماجرا بھی تھا۔
کی قدیم سلطنت کے عہد میں اس شہر کی بنیاد پڑی تھی۔
بہت پہلے یہ شہر تمدن و تہذیب، علم و ہنر، عظمت و شوکت اور دولت و
رہا۔ مشرقی رومن امپائر کے ایشیائی مقبوضات کا دارالملک اگرچہ مغربی طبائع
پسند کے مطابق ملک فلسطین کا نامور شہر انطاکیہ قرار دیا گیا تھا۔ تاہم رومیوں کے عہد
میں دمشق کی عظمت و جلالت کا پایہ بہت نیچا نہ ہو سکا۔ اور یہ شہر اپنی رونق اور
تاریخی خصوصیت کا محافظ بنا رہا۔ اسلامی فتوحات کا سیلاب سرزمین عرب
سے نکل کر ایشیا کے خطے میں سب سے پہلے عراق، اور پھر ملک شام میں
پہنچا۔ اور اس زمانہ میں بھی دمشق کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ کیونکہ خلفائے راشدین
کے عہد تک دمشق کا شہر ملک شام کا مرکز اور صدر مقام رہا۔ مگر جبکہ خلیفہ چہارم
کے وقت میں خاندان بنی امیہ کے لوگ حق خلافت کو اہل بیت نبوی (صلعم)
سے چھین لینے پر تل گئے۔ اور وہ عربی عصبیت اور گروہ بندی کے ذریعہ سے
اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے تو انہوں نے اسلامی دار الخلافت کو مدینہ سے
دمشق میں منتقل کر لیا۔ کیونکہ اہل حجاز کے دل علی بن ابی طالبؓ اور ان کی اولاد
کی حکومت و خلافت کے متمنی تھے۔ اور اموی لوگوں سے نفرت رکھتے تھے۔
اموی حکمرانوں نے دمشق کو اسلامی خلافت اور قوت کا مرکز بنا لیا اور عربی
عصبیت کو خوب مستحکم کر چکے۔ تو ان کے دل کو یہ آرزو گدگدانے لگی۔ کہ مدینہ
منورہ سے رسول (صلعم) کا خاص منبر بھی وہاں منتقل کر لائیں۔ اور عربی عصبیت
کے ساتھ ایک بہترین اسلامی یادگار کو بھی اپنے قابو میں کر لیں۔ جس کی وجہ
سے ان کے دشمن اور ملک حجاز میں رہنے والے ان پر فخر جتایا کرتے تھے۔
حکمرانان بنی امیہ کا یہ مدعا پورا نہ ہو سکا چنانچہ انہوں نے صرف اسی

... ور اسی کی اعانت سے

... فرمانروائی کرتے رہتے تھے چنانچہ ان

... کے بیشتر حصہ تک وسیع ہو گئی تھی

... وعظمت کے بلند ترین درجوں پر پہنچ گئی تھی

... قوموں سے بڑھ کر پرزور اور مستحکم حکومت ہوئی ہے اور خلفا

... ہونے کے بعد اگر کوئی خالص اور بے میل عربی سلطنت

... تھی تھی غیر قوموں کو اس سلطنت میں دخل نصیب ہی نہ ہو سکا خلیفہ

... امرا سے لیکر معمولی ملازموں اور کارکنوں تک تمام عہدہ دار اور کارکن سب

عرب ہی تھے۔ اسی حکومت نے ملکی دفاتر کی زبان عربی قرار دی تھی۔ اور مفتوحہ

ممالک کی زبانوں کا رواج حکومت کے دفتروں سے محو کر ڈالا تھا۔ یہ بات

کچھ بری تو نہ تھی۔ اور قومی پاسداری ایک فطری امر ہے۔ لیکن اموی خاندان

کے حکمرانوں نے عصبیت کا زور اس قدر بڑھا دیا کہ عرب کے سوا دوسری قوموں

سے ظالمانہ اور حقارت کا برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ جور و بیداد آخر اپنا

رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ فارس وغیرہ دوسرے ملکوں کے محکوم لوگ حاکم

قوم ... سے خار کھانے لگے۔ اور ان کی عداوت پر آمادہ ہو کر اہل بیت

نبوت کے طرفدار بن گئے۔ تاکہ اہل بیت کو بنی امیہ کے ہاتھوں سے خلافت

چھین لینے میں مدد دیں۔ اور اس طرح اپنی اہانت و ذلت کا بدلہ لے سکیں

ہمارے اس قصہ کے زمانہ میں اموی خاندان کا آخری خلیفہ مروان بن محمد

جلوس فرما تھا۔ یہ خلیفہ اپنے پیشرو خلفا کی نسبت بڑا بیدار مغز، دور اندیش، صاحب

... اور اصلاح درست تھا۔ مگر افسوس کہ وہ سب سے بعد میں اس وقت مسند

... حکومت ہوا جبکہ سلطنت بنی امیہ کے اعضائے رئیسہ کو خرابی و تباہی اور

بدعملی و بدنظمی کے مزمن مرض نے بالکل گھلا دیا تھا۔ اور اس حکمران خاندان کے

افراد باہمی نفاق اور خود غرضی کی بنا پر اپنے اپنے لئے طالب خلافت ہو رہے تھے

مروان بن محمد کی دلیری، دانشمندی، اور حکومت عملی کی قوتوں سے دوسرے ہم رتبہ
دعویداران سلطنت پر تو غالب آگیا لیکن وہ مملکت کی ابتر حالت کو ایک بارگی
کس طرح سنبھال سکتا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل کے کئی ایک حکمران عیاشی اور عشرت
پسندی کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر خزانہ مال وزر سے خالی۔ اور ملک کو فوج و
سپاہ کی قوت سے بے بہرہ بنا گئے تھے۔ پھر رہی سہی جنگی طاقت خانگی لڑائیوں
میں فنا ہو گئی۔ اس واسطے مروان بن محمد نے عنان حکومت ہاتھوں میں لیتے
ہی ایک چلبی، دور اندیشی، اور ہوشیاری سے کام لیکر انتظامی کل کو پھر سے
درست کرنے پر کمر باندھی۔ اس نے شراب نوشی کے روکنے۔ اور عورتوں
کی صحبت سے دور رہنے میں بیحد کوشش سے کام لیا۔ وہ اپنی مجلس میں کبھی
شراب کا نام تک نہ آنے دیتا۔ اور ایوان شاہی بیگمات اور کنیزوں سے
پُر لینا ناپسند کرتا تھا۔ مروان بن محمد نے اگرچہ نہایت ہمت اور استقلال
سے ملک وسلطنت کا انتظام درست کرنے پر کمر باندھی تھی۔ تاہم اس کی ساری
کوششیں بے سود ثابت ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ اس کے عہد میں عباسی خاندان
کی دعوت خلافت زور پکڑ گئی۔ اور خراسان وفارس اور عراق کے ملکوں میں اپنے
قدم جماتی جارہی تھی۔ مروان بن محمد نے اپنے امکان تک دشمنوں کو نیچا دکھانے کی
ہر ایک کوشش کی۔ وہ نصر بن سیار پر بہت کچھ اعتماد رکھتا تھا۔ نصر بن سیار ایک
تجربہ کار بیاسی سال کی عمر کا بڈھا۔ اور بڑا صاحب مدبر شخص تھا۔ پھر اس کی
طبیعت بھی اصلاح اور درستی حال کی جانب مائل تھی۔ لہٰذا مروان بن محمد نے
اس کو ملک خراسان کا خود مختار حاکم بنا دیا۔ اور ہدایت کی کہ وہ اس ملک
کو شیعوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کرے۔ مروان بن محمد کے دل
میں کبھی یہ خیال تک نہیں آتا تھا۔ کہ شیعوں کی قلیل جماعت جو خوف کی وجہ سے
اپنے وجود کا اظہار نہیں کر سکتی ہے۔ آخر ملک خراسان کو فتح کرے گی۔ اور نصر
بن سیار جیسے مدبر سردار کو زیر بنا لے گی۔ مگر یکایک اس کو شہر مرو کے فتح ہو جانے

نصر بن سیار کے وہاں سے بھاگ نکلنے کی خبر ملی۔ اور وہ پریشان ہو گیا کیونکہ
اب اسے یہ خوف پیدا ہوا تھا۔ کہ خراسان اور ماوراءالنہر ہی کے زرخیز ممالک
اس کے ہاتھوں سے جاتے نہیں رہے۔ بلکہ یہ امر بربادی اور زوال سلطنت امویہ کا
پیش خیمہ ہے۔"

مروان بن محمد کی عمر اس وقت تریسٹھ سال کی تھی۔ اور اس کی ماں ملک
کردستان کی عورت تھی۔ اموی خاندان کے خلفاء میں یہ بات نادرالوجود
کہی جا سکتی ہے۔ اس واسطے کہ وہ عربی قومیت کا تحفظ کرنے میں نہایت
سخت تھے۔ اور کبھی اس سے پہلے کوئی اموی خلیفہ ایسا نہیں ہوا جو نسل کا دوغلا
رہا ہو۔ یعنی وہ نجیب الطرفین نہ ہو۔ مروان بن محمد بڑا تنومند، زور آور، اور نہایت
دلیر و جری تھا۔ اس کی جفاکشی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ لوگوں نے اس کو
"حمار" (گدھا) کے لقب سے ملقب کر رکھا تھا۔ یعنی جس طرح خر مسکین بار
برداری اور تکلیف کو برداشت کرنے میں بے مثل ہوتا ہے۔ ویسا ہی مروان
بن محمد جنگ و پیکار کی محنت جھیلنے میں بے نظیر تھا۔ اور آرام و راحت کو کبھی
اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ مروان بن محمد ایک متوسط القامت، اور سرخ
وسفید گورا چٹا آدمی تھا۔ آنکھیں سیاہ اور بہت بڑی بڑی تھیں۔ سر بھی بہت
بڑا پایا تھا۔ پیشانی کشادہ تھی، داڑھی بہت گنجان، اور بھری ہوئی تھی۔ مگر
عمر کے لحاظ سے اس پر بڑھاپے کا جتنا اثر ہوا تھا، وہ زائد تھا۔ اس کے ہاتھ پیر
اور قوت و توانائی میں تو کچھ کمی ہوئی نہ تھی لیکن بالوں کی سپیدی۔ اور چہرہ
پر جس قسم کی افسردگی عیاں تھی۔ اس کے دیکھتے ہوئے مروان کی عمر کا تخمینہ واقع
سے زائد کیا جا سکتا تھا۔ یوں تو مروان نے جیسی آفتیں جھیلی تھیں۔ اور جس زمانہ
کا انقلاب دیکھا تھا۔ اس کے اثر سے اس کا دل کچھ سا گیا تھا۔ مگر شہر مرو کے
ہاتھ سے نکل جانے کی خبر نے اس کی رہی سہی امید بھی توڑ دی۔ اور وہ اپنے
کی سرسبزی و بحالی کی طرف سے سخت مایوس ہو گیا۔

مروان رات دن افواج کی فراہمی اور انتظام سلطنت کے درستی کی فکروں میں غلطان و پیچاں رہتا، دن بھر ارکان دولت اور اعیان مملکت کے ساتھ مجلس مشورت گرم رہتی۔ تو رات کا بیشتر حصہ وسائل استحکام سلطنت پہ غور و خوض کرنے میں تمام ہوا کرتا۔ خواب و خور اس پر حرام ہوگیا تھا۔ اور وہ ہمہ تن فکر و تردد بنا تھا۔ مروان کا خیال تھا کہ اپنے سرداران سپاہ اور ارکان دولت کو چھوڑ کر اب جو کچھ بھی اس کو کرنا ہو اس کے بارہ میں محض اپنی ذات خاص ہی پر اعتماد کرے۔ وہ اس فکر میں تھا۔ کہ خود ملک خراسان پر فوج کشی کرے اور اپنے مخالف عباسی دعویداران خلافت کا سر کچل دے۔ ابھی وہ ایسی ہی تیاریوں میں مصروف تھا۔ کہ اسی اثنار میں ایک رات کو جبکہ وہ تنہا اپنے خاص خلوت خانہ میں بیٹھا تدابیر جنگ و فوجکشی پر غور اور مسودہ لوگوں کی قوت و شوکت کی تازہ ترین خبروں کا تصور کر کے بیقراری کے ساتھ کبھی اٹھ کھڑا ہوتا اور گاہے ٹہل ٹہل کے کچھ سوچا جاتا تھا۔ یکایک حاجب نے آکر اس سے اطلاع کی —— امیر المومنین! ایک عجیب الہیئت شخص آپ سے ملنے کا خواہشمند ہے۔"

مروان ۔ "کون ہے؟ کوئی مخبر یا قاصد؟"

حاجب ۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ میں کہہ نہیں سکتا۔ کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس سے میں نے صبح کو آنے کی بابت کہا تھا۔ لیکن اس نے عجلت کی ضرورت بتائی۔ اور کہا۔ کہ دیر کرنے میں سخت نقصان ہوگا۔"

مروان ۔ دل میں خیال کر کے کہ شاید کوئی ضروری بات ہو "اچھا اس کو حاضر کر دو۔"

حاجب کے واپس آنے میں جس قدر معمولی دیر لگی وہ بھی مروان کو اس وقت بہت گراں گزری۔ اور وہ کمرہ میں ٹہل کر اس نئے آنے والے کی راہ دیکھنے اور وہ غور کرتا تھا۔ کہ آخر یہ کون شخص ہے۔ اور کیوں آیا ہے۔ مروان کو ہم

انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ کیونکہ حاجب نے فوراً ہی واپس آکر عرض کیا۔
"امیرالمومنین! وہ آدمی حاضر ہے۔"

مروان ۔ "اُس سامنے لاؤ۔" اور یہ حکم دیتے ہی ایک درویش صورت دراز قامت شخص، ابن ہبنت کندائی مروان کے روبرو آموجود ہوا۔ کہ سر پر ٹوپی تھی۔ نہ پیروں میں جوتی، سر اور داڑھی کے بال میل اور گرد میں اٹے سر اور پسینے کی تری پہنچنے سے بالکل چکٹ کر رہ گئے تھے۔ سارے جسم پر میل کی ایک تہہ چڑھی ہوئی تھی محض ایک کساکرا۔ اور وہ بھی صد درجہ کا کثیف گلے میں پڑا گھٹنوں کے نیچے تک ستر پوشی کر رہا تھا۔ نہیں بتایا جائے کا کیا نام شاید لنگوٹ اندر سے باہر ہو کر میں لٹکا تو تھا نہیں۔ ہاں ایک ٹوٹی رسی کا ٹکڑا لپٹا تھا۔ اور اس کثافت جسمانی کے ساتھ ہی قیافہ سے باؤلے پن اور حماقت کے آثار بھی عیاں تھے۔ مروان اس شکل و شمائل کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ "کیوں۔ تم کیا چاہتے ہو؟ اور کس لئے یہاں آئے ہو؟"

آنیوالا شخص ۔ "درویش کے ساتھ یہ کیوں؟ مجھ سے بیٹھنے کی بھی سوچ نہیں کی جاتی؟ ہاں تم میری اس کثیف حالت کو دیکھکر نفرت کرتے ہو گے؟ میرے قدم رکھنے سے تمہارا نفیس فرش خراب ہو جائے گا۔ اے مروان! میری اس ذلیل حالت پر نہ جا۔ اولیاء اللہ حریر اور دیبا کے لباس نہیں پہنتے۔ اور ان کو کنگھی چوٹی سے رغبت نہیں ہوتی۔"

مروان درویشوں سے عقیدت رکھنا تو کجا۔ سرے سے ولایت و کرامت کو لغویات تصور کرتا تھا۔ وہ مشہور معتزلی۔ اور قدری "جعد بن ادہم" کا شاگرد ہو چکا تھا اور فلسفہ اور حکمت کا اچھا ماہر۔ لیکن مصیبت اور پریشانی انسان کو کیا بنا دیا کرتی۔ اور اسے فرض محال کا خوگر کر دیتی ہے۔ مروان کچھ ان دنوں [?]ات لاحق تھے۔ انہوں نے اس کی عقل و دانش پر بڑا اثر ڈالا [?] ایسی کے عالم میں کسی معقول بشیر اور ملہم من اللہ بنا کا متمنی تھا۔

بدنیوجہ اس درویش کی جسارت کو اس نے ضبط کے ساتھ برداشت کیا اور اس سے مرحبا کہکر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ درویش ایک قالین پر بیٹھ گیا۔ اور مروان بھی اس کے بالمقابل مسند پر آبیٹھا۔ مروان اس وقت ہمہ تن گوش بنا ہوا درویش کامل کی باتیں سننے کے لئے آمادہ تھا۔ لیکن اس کی یہ آرزو بر نہیں آئی۔ اور اس نے دیکھا۔ کہ درویش کچھ زیر لب بڑبڑا رہا ہے۔ اور جنبش لب کے علاوہ کوئی بات اس کے منہ سے نکلتی مسموع نہیں ہوتی۔ مروان نے خیال کیا۔ کہ وہ کوئی دعا پڑھ رہا ہے اس لئے صبر کئے بیٹھا رہا۔ مگر وہاں درویش صاحب کی دعا خوانی طول کھینچتی گئی۔ اور مروان شوق و انتظار کی آگ میں بھنکا جاتا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے شیخ کامل نے دعا ختم کی۔ اور نشست کا پہلو بدل کر یوں گل افشانی آغاز کی۔ "مروان! میں تیرے پاس کیوں آتا؟ لیکن غیب کا حکم ہوا۔ اور ایک ضروری پیام ملا اس لئے مجھے اپنے مشاغل ترک کر کے تیرے گھر آنا اور وہ پیام تجھکو سنانا لازم ہو گیا۔ خبردار غور سے سن! میں نے ابھی رات کے اول حصہ ہی میں ایک خواب دیکھا۔ ہم لوگوں کے خواب کیا ہوتے ہیں؟ تجھکو اس بات کی خبر نہیں۔ لیکن مجھے بزرگ اور قابل تعظیم رجال الغیب نے قاصد بنا دیا۔ اور میں پیام رسانی پر مجبور رہوں۔ پھر یہ بھی حکم ملا ہے۔ کہ پیام جلد پہنچاؤں۔ لہٰذا میں آیا اور جو کچھ کہنا ہے وہ کہتا ہوں۔ کیا تو میری بات کا یقین کرے گا؟"

مروان ۔ "پوری طرح یقین کامل ہے آپ فرمائیں۔"

درویش ۔ "ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ کوئی کہتا تھا جمیمہ! جمیمہ! جمیمہ!!! حیرت زدہ ہو کر میں نے سوال کیا۔ یہ جمیمہ کیا بلا ہے۔ رجال الغیب کی طرف سے جواب آیا۔ "فساد کی جڑ اور عداوت کا گھر" میری حیرت بیشتر ہوئی۔ اور بے ساختہ میں یہ سوال کر بیٹھا۔ کونسی عداوت؟ اور کس کے ساتھ؟ اس مرتبہ بشارت دینے والے نے مجھکو ایسی زور کی ڈانٹ بتائی۔ کہ میرا بند بند کانپ گیا۔ اور اس نے کہا۔ تو بھی اپنے امام مروان بن محمد کے پاس جا۔ اور اس سے جا کر کہہ تیرا دشمن جان

ابراہیم حمیمہ میں ہے۔ وہی تیری مصیبتوں کی جڑ اور تیری پریشانیوں کا باعث ہے۔ بہت جلد اُسے گرفتار کرا کے قتل کر دے۔ اور اپنی مشکلات کا خاتمہ کرے۔ میں نے چاہا تھا۔ کہ اس بیان کی کچھ تفصیل اور معلوم کروں۔ مگر آنکھ کھل گئی۔ اور میں نے فوراً آکر یہ پیام پہنچا دیا۔ اور اب میں اپنے گوشۂ عافیت کو واپس جاتا ہوں۔" یہ کہکر روانہ ہونے کے ارادہ سے اٹھنے لگا۔ اور مروان نے اُسے بٹھا کر دریافت کیا۔

—— "آخر اس خواب کی کوئی تعبیر بھی آپ کے خیال میں آئی ہے؟"

—— "ہم لوگ تعبیر نہیں بتایا کرتے۔ ہاں جیسا ہم کو الہام ہوتا ہے۔ اس کو بجنسہ نقل کر دینا ہمارا فرض ہے۔ اب تو یہ کر کہ "حمیمہ" کا پتا لگا۔ اگر یہ کوئی مقام ہے تو وہاں ابراہیم نامی کسی شخص کا ہونا ضروری ہے۔" درویش نے اتنی بات کہکر پھر اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا لیکن مروان بن محمد اب سمجھ گیا تھا۔ کہ ابراہیم عباسی خاندان کے دعویدار خلافت کا نام ہے۔ اور چونکہ مجھکو اس کے قیام کی جگہ معلوم نہ تھی۔ اس لئے غیبی بشارت آئی۔ تاکہ میں اُسے گرفتار کرا کے قتل کر سکوں۔

مروان بن محمد کی تمام فلسفہ دانی اور حکمت مآبی اس وقت غائب غلہ ہو گئی۔ یکانی سیستیخ کی ولایت کا عقیدہ اس کے دل پر حاوی ہو رہا ہے۔ اور انسان کا قاعدہ ہی ہے کہ وہ ہزار سحر و طلسمات اور ولایت و کرامت کا منکر ہو لیکن پریشانی کے عالم میں جب کسی منجم و کاہن کی زبان کسی درویش صالح کے بیان سے اُسے اپنے حسب مراد کوئی بات معلوم ہو جاتی ہے۔ تو اس بحران سب امور کی تصدیق یکسان معلوم ہوتی ہے۔ مروان کو یاد آگیا تھا۔ کہ علاقۂ بلقا میں ایک بستی حمیمہ نامی ہے۔ اور وہاں عباسی خاندان کے کچھ شیعہ آباد بھی ہیں۔ اس لئے شیخ کی بشارت بالکل اس کے حسب مراد تھی۔ اور وہ چار ناچار اپنے دل کو شیخ کی ولایت و کرامت کی تصدیق پر آمادہ پاتا تھا۔ پھر شیخ کو چلنے کے لئے تیار

دیکھکر اس نے روکا۔ اور کہا ـــــ "یا شیخ! ام میرے پاس ہی رہو تو کیا حرج ہے۔ میں تمہارے لئے ہر طرح کے آرام کا سامان کر دوں گا۔"

درویش ۔ (ہاتھ جھٹک کر) "توبہ! توبہ!! مروان اکیا تو یہ چاہتا ہے۔ کہ مجھکو مشاہدہ خالق کے لطف سے محروم کر دے۔ اور رجال الغیب کی محبت سے فیض نہ اٹھانے دے؟"

مروان ۔ "خیر اگر آپ کو یہاں رہنا پسند نہیں تو مہربانی فرماکر اپنا نام ونشان ہی بتا دیجئے۔ تاکہ بوقت ضرورت میں آپ سے پھر مل سکوں۔"

درویش ۔ "نہیں۔ نہیں مجھ میں ہرگز اتنی قدرت نہیں۔ میری زبان بند ہے۔ جو کچھ غیب سے حکم ملتا ہے۔ اس کے سوا ایک لفظ زیادہ یا کم میری زبان سے نہ نکلے گا۔ تو اگر یہ چاہے۔ کہ میں خود بخود تجھے کوئی بات بتاؤں یہ ناممکن ہے۔ بس اب مجھکو جانے دے۔ پھر کوئی خواب آئے گا۔ تو میں تجھ کو خبر دینے کے لئے آ جاؤں گا۔ ہاں۔ اپنے حاجب کو ہدایت کر دے۔ کہ جس وقت میں آؤں مجھے بلاتامل آنے دے، اور تو اس راز کو مخفی رکھے گا۔ تو پھر میری خدمات سے فائدہ اٹھائے گا۔ ورنہ۔ والسلام۔"

مروان کو درویش کی پرزور گفتگو سن کر اسے روکنے کی ہمت نہ پڑی۔ لیکن اس نے کہا۔ "خیر اتنی دیر تو ٹھہر جائیے کہ میں کچھ آپ کی نذر حاضر کروں۔"

درویش ۔ (برہم ہوکر اور منہہ میں کف بھر لاکے) "انعام! نذر!! کیا؟ ہم خدا کے بندے ہیں۔ تمہارا کھانا پانی ہم پر حرام ہے۔ ہم تمہارے مال کو چھوکر اپنے ہاتھ نجس کرینگے؟ نہیں یہی حکم ملا ہے۔ مروان! تو مجھکو جانے دے۔ یا لے۔ (گردن جھکاکے) یہ گردن کاٹ لے۔ کیوں مجھکو روکتا ہے؟ ہاں تو میری جان کا خواہاں ہے؟" درویش نے نہایت برہمی اور درشتی کے لہجہ میں یہ بات کہی جس سے مروان کو کمال حیرت دامنگیر ہوئی۔ مگر اس نے اپنے دل میں تصور کیا۔ کہ شاید عزلت نشین اولیاءاللہ انسانی مجمع سے دور اور وحشی اور درندہ جانور ہی

ہمنشینی سے مسرور رہنے کے باعث اخلاق و انسانیت کے جامہ سے بھی باہر
ہو جاتے ہیں۔ اور اس نے شیخ کی دلجوئی کرنے کے انداز سے کہا "معاف کیجئے!
میں نے غلطی کی۔ مگر ٹھہرئیے میں آپ کے ساتھ کچھ محافظ سپاہی بھیج دوں۔ تاکہ
وہ آپ کو بحفاظت پہنچا آئیں"

درویش۔ (پہلے سے بھی زیادہ برہم ہو کر) "کردی عورت کے بچے
کیوں تو میری جان لینے کے درپے ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔ اور جانے دے"

مروان نے درویش کی اس بات کو بھی اسی وحشت و حماقت پر محمول کیا جو
دنیا سے الگ تھلگ رہنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عابدوں اور زاہدوں
کی سکونت جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں رہتی ہے۔ اور وہاں ان کی معاشرت
وحشی جانوروں کے سوا کسی انسان سے ہوتی نہیں۔ بس عبادت الٰہی سے کام
رہتا ہے۔ اس واسطے وہ لوگ بھی وحشی ہو جاتے ہیں۔ اور جلال کی آن انہیں بادو
نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ مروان نے ضبط سے کام لیکر کہا "بہت خوب! خدا
حافظ۔ اور یاد رکھئے۔ کہ آپ جس وقت چاہیں بلا تکلف میرے پاس آ سکتے ہیں"
پھر اپنے حاجب سے "ان کو جانے دو۔ اور ان کے آنے کا کسی سے تذکرہ نہ
کرنا" درویش اپنی رہائی کا حکم سن کر لمبے لمبے قدم رکھتا۔ اور آسمان کی طرف
منہ اٹھائے کچھ بڑبڑاتا ہوا چلدیا۔ اور مروان اس کی باتوں پر غور کرنے میں مستغرق ہو گیا۔

مروان جس قدر سوچتا تھا۔ اسی قدر اس کی حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ اور پوری
طرح صاف بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آخر اس نے اپنے ایک خاص مصاحب
کو بلا بھیجا۔ اور اس سے درویش کا حال مخفی رکھکر بیان کیا۔ کہ خود اس نے
ایک خواب اس قسم کا دیکھا ہے۔ اور اب اس خواب کی تعبیر سمجھنے سے عاجز
ہے۔ مصاحب اس بات کو سن کر کہنے لگا۔ "امیر المومنین، آپ کا خواب بالکل
سچا ہے۔ حمیمہ بلقاء کے علاقہ میں ایک مشہور بستی ہے۔ اور وہاں عباسی
نسل کے شیعہ بکثرت آباد ہیں۔ آپ فوراً ایک فوجی دستہ ارسال کریں۔

تاکہ وہ ان لوگوں میں سے ابراہیم نامی شخص کو گرفتار کرلاتے۔ کیونکہ یہی ابراہیم وہ امام ہے جس کی وجہ سے آپ اتنی آفتوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔"

اب مروان کے دل کی گرہ کھل گئی۔ اور اس نے اس عامل کے نام جو بلقاء پر اس کی طرف سے مقرر تھا۔ ایک فرمان لکھا۔ اور اس کو حکم دیا۔ کہ بہت جلد حمیمہ کا فوجی محاصرہ کرکے عباسی نسل کے لوگوں میں سے ابراہیم نامی شخص کو گرفتار کرے۔ اور آستانِ خلافت پر روانہ کرے۔ پھر ابراہیم کی بعض نمایاں علامتیں بھی تحریر کیں۔ تاکہ عامل سے گرفتار کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔

بائیسواں ۲۲ باب

ابو سلمہ الخلال

کیوں تم کو اس سے افسر امید ہو وفا کی
وہ بے وفا کبھی کا ہوگا، نہ تھا، نہ اب ہے
(افسر الٰہ آبادی)

شہر کوفہ سے باہر مگر اسی کے متصل ایک شاندار ایوان تعمیر ہے۔ اور ایوان کے گرد و پیش جو میدان پڑا ہے۔ اس میں بہت سے خیمے نصب ہیں۔ محل کی ظاہری حالت اور کیمپ کی شان و شوکت سے عیاں ہو رہا ہے۔ کہ یہ کسی شہریار و تاجدار کا قصر ہے۔ فوج و سپاہ، ارکانِ دولت، اور اعیانِ دربار سب ہی موجود ہیں۔ اور کیمپ پوری طرح آراستہ ہو رہا ہے۔ شہر کے لوگوں کی آمد و رفت قائم ہے امراء عمائد، اور اہلِ علم سب ہی یہاں آتے۔ اور صاحبِ ایوان سے مل کر واپس جاتے ہیں۔ یہ کیمپ اور محل نامور متمول رئیس ابو سلمۃ الخلال کا ہے جس نے علوی سادات کی دعوتِ خلافت کو اُبھارنے اور ان کو مالی مدد دینے میں بے مثل شہرت پیدا کی تھی۔ دربار کے تمام کام خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے کبھی بھی

کے بغیر چل نہیں سکتے۔ اور خصوصاً خفیہ سازشوں کے واسطے تو اور بھی کثیر رقم کی ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ بہت سی حالتوں میں بیش قرار رقمیں خرچ کرکے مخالفوں کو موافق بنایا جاتا۔ اور ایک معمولی خادم کو جس سے کام لینا مقصود ہو۔ اُس کا منہ زر وجواہر سے بھر دینا ضروری ہوتا ہے۔ ابوسلمۃ الخلال نے پہلے علوی مدعیان خلافت کی رفاقت میں اپنی دولت کو وقف رکھا تھا۔ اور اسی کے رسوخ نے دہاقین فارس کو سادات کا طرفدار وجان نثار بنایا تھا۔ اس لئے کہ ایران کے تمام دہقان اس کے زیر اثر تھے۔ اور خاص کر دہقان مرو یعنی ہمارے ناول کی روح رواں دہقانہ گلنار کا باپ تو ابوسلمہ کا بہت ہی گہرا دوست اور عزیز بھی تھا۔ اور ابوسلمہ کو اس کے رسوخ سے خراسان کے دہقانوں پر دُہرا اثر ڈالنے کا موقع ملتا تھا۔ اب دعوت خلافت کی باگ سادات علویہ کے قابو سے نکل کر بنی عباس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اور ابومسلم نے اس کی اشاعت کا چارج لیا تو ابوسلمہ کو بھی چار و ناچار عباسیوں ہی کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ بظاہر مالی امداد میں اب بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ لیکن دل میں عباسیوں کی خلافت سے پوری طرح رضامند نہ تھا۔ مگر ابوسلمہ نے اپنا یہ خیال اس خوف سے ظاہر نہیں کیا کہ امام ابراہیم کی جانشینی ہدایت اس کے نصب العین تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ ذرا بھی میری طرف سے ابومسلم یا امام ابراہیم کو شبہ پیدا ہوا۔ اور میری خیر نہیں غرضیکہ بخوف جان وہ خاموش تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ ابومسلم عباسی خلافت کی نمود رکھنے میں ناکام ہوگا تو پھر وہ علوی سادات کی خلافت کا دعویٰ از سر نو اُبھار کر اُن کے واسطے کوشش کرے گا۔ اور اس وقت میں اس کو پکی پکائی ہانڈی بھی مل جائے گی۔

کوفہ کے شیعوں اور عباسی خلافت کے رکن رکین نقیبوں اور سرداروں کو بھی ابوسلمہ کی طرف سے کھٹکا تھا۔ اور وہ لوگ دل میں اس کی جانب سے مطمئن نہ تھے۔ لیکن یہ سوچکر کہ بظاہر ابوسلمہ اُن کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں

ٹھہرا تھا۔ پھر وہ خود کہاں ہے ؟ کیا۔ اب وہ پرتش عورت جو صالح کے ساتھ تھی۔ گلنار ہی تھی ؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ شاید صالح گلنار کو قافلہ ہی میں چھوڑ آیا ہے۔ اور پہلے خود ابو مسلم سے مل کر اس کے بعزت بلوانے کا سامان کرنے آیا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوگا خود ہی ظاہر ہو رہے گا۔

صالح حاجب کے ساتھ کئی دہلیزوں کو طے کر کے ایک وسیع کمرہ میں پہنچگیا جو آراستگی اور چوبی تعمیر میں ایوان شاہی کا نظیر اور مکین کی ثروت و حشمت کا گواہ تھا۔ اس وقت ابو مسلم تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اور کوئی شخص ملاقاتی یا اس کا درباری وہاں موجود نہ تھا۔ صالح کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا۔ اور اس نے آگے بڑھ کر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ اور ابو مسلم نے جواب سلام دے کر دریافت کیا ——"کیوں تم کیوں آئے ہو ؟"

——"کیا جناب میری عرض پر توجہ فرمائیں گے" صالح نے کہا۔

ابو مسلم :"کہو کیا کہتے ہو ؟"

صالح ۔"میرے ساتھ ایک لونڈی بھی ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کو بھی یہاں بلوا لیا جائے "

ابو مسلم ۔"کیا ہرج ہے۔ بلواتا ہوں " یہ کہکر دستک دی۔ اور ایک غلام حاضر ہوا تو اُسے حکم دیا کہ باہر ایک عورت کھڑی ہوگی۔ اس کو لوالائے۔ تھوڑی دیر میں وہ عورت ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگئی۔ اور ابو مسلم کے روبرو آکر استادہ ہوئی۔ ابو مسلم نے اس سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ کھڑی رہی اور بولی ۔"کیا حضور نے کبھی یہ صورت دیکھی ہے ؟" اور یہ کہ کر اپنی نقاب کھول دی +

ابو مسلم ۔ (پہچان کر استعجاب کے لہجہ میں)"امین! ریحانہ!! "

اخاہ۔ صالح ریحانہ کو اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اور ریحانہ نے معلوم کر لیا کہ ابو مسلم اس کو پہچان گیا ہے۔ تو وہ بولی "ہاں حضور عالی! آپ کی لونڈی میں ہی ہوں "

ابوسلمہ ۔ "تیرا آقا دہقان کہاں ہے۔ کیا تو اس کے یہاں سے نکل آئی؟"

ریحانہ ۔ (رنج و الم کے باعث بھرائی ہوئی آواز سے) "نہیں جناب، بلکہ انہوں نے مجھکو چھوڑ دیا۔" اور بے اختیار رونے لگی۔

ابوسلمہ کو ریحانہ کے رونے سے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُسے خیال ہوا کہ اس کے آقا نے اس کو نکال دیا ہے۔ اور اب یہ اس کی یاد میں روتی ہے۔ چنانچہ اس نے دریافت کیا۔ "دہقان نے تم کو کس لئے چھوڑ دیا؟"

ریحانہ بالکل خاموش رہی۔ اور کوئی جواب نہیں دے سکی۔ یکایک صالح بول پڑا۔ "جناب عالی! اگر آپ اس کا مفصل قصہ سننا چاہتے ہیں تو اسے محلسرا میں جانے دیجئے۔ اور اپنے دوست دہقان مرد کی بیٹی دہقانہ گلنار کو بھی بلوا لیجئے جو آپ کے محل سے باہر ٹھیری ہوئی ہے۔"

ابوسلمہ (حیرت سے مبہوت ہو کر) "کیا گلنار بھی یہاں موجود ہے، اور اس کا باپ؟"

صالح ۔ "آپ اُسے اپنے محل سرا میں بلوا کر خود ہی سب ماجرا سن لیجئے میں کیا عرض کروں۔"

ابوسلمہ ۔ (ٹھہر کر) "گلنار کی خالہ شیریں (اپنی بیوی کی نسبت کہتا ہے) اُسے دیکھکر بیحد مسرور ہوگی۔ تم باہر جا کر ٹھیرو۔ میں خادموں کو حکم دیتا ہوں، وہ تمہارے ساتھ جا کر گلنار کو لے آئینگے۔" (ریحانہ سے) "ریحانہ! تو میرے ہمراہ شبستان میں چل تیری بانو شیریں وہاں موجود ہے۔" اور یہ کہکر محل کے زنانہ حصہ کی طرف چلا گیا۔ ریحانہ بھی اس کے ساتھ گئی۔ اور صالح باہر نکل کر منتظر تھا۔ کہ خادموں کو حکم ملے تو ان کو ہمراہ لیجا کر دہقانہ گلنار کے لینے کے واسطے جائے۔ اتنے ہی میں حاجب کے پاس ایک آدمی آیا۔ اور اسکو یہ حکم سنایا۔ کہ اپنے ماتحت خادموں میں سے ایک جماعت دہقانہ گلنار کو یہاں لانے کے واسطے اس شخص کے (صالح کی طرف اشارہ کرکے) ساتھ کردے۔

صالح ان خادموں کو ساتھ لئے کیمپ سے باہر نکلا۔ اور جس جگہ ریحانہ کو اور دوسرے ساتھیوں کو ٹھہرا آیا تھا۔ وہاں جا کر نوکروں سے اسباب لپیٹنے کا اشارہ کیا۔ اور خود ریحانہ گلنار کو ہمراہ لیکر ابومسلم کے محل کی طرف چلا۔ وہ رستہ میں گلنار کی تسکین و تشفی کرتا جاتا تھا۔ اور اس کو امید دلاتا رہا۔ کہ اب وہ ابومسلم کے ہاتھوں اپنا بڑا حاصل کرے گی۔ دس پندرہ منٹ کے عرصہ میں گلنار ابومسلم کے محل میں داخل ہو گئی۔ اور اپنی خالہ شیریں کے پاس جا پہنچی۔ جو اس کی صورت دیکھتے ہی مادری محبت کے ساتھ اس سے لپٹ کر اس کی پرنور پیشانی کے بوسے لینے لگی۔ شیریں کے پیار و محبت نے گلنار کا دبا ہوا جوشِ الم پھر ابھار دیا۔ اور وہ باپ کو یاد کر کے اس قدر زار زار رونے لگی۔ کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بیہوش ہو چلی۔ ریحانہ بھی گلنار کے ساتھ گریہ و زاری میں شریک تھی لیکن معہذا وہ اس طرح کے الفاظ میں اس کو تسکین بھی دیتی جاتی تھی جس سے شیریں پر ثابت ہو گیا۔ کہ گلنار یتیم ہو گئی ہے۔ اور اپنے باپ کی یاد میں بے قرار ہے شیریں نے اس کو پیار کر کے سنبھالا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر تسلی دینی شروع کی۔ ابومسلم باہر چلا گیا تھا۔ اور اب محل سرا میں روتے دھوتے کا غل سن کر وہ پھر آ گیا۔ لیکن گلنار کی پریشان صورت دیکھ کے وہ کمال متحیر تھا۔ کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اور یہ لڑکی اور اس کی خادمہ ریحانہ دونوں کیوں اس قدر زار و نزار ہو رہی ہیں؟ اس نے ریحانہ سے استفسار کیا۔ کہ اس رونے کا کیا سبب ہے۔ تو اس نے کہا۔ حضور عالی! صالح یعنی وہ باوفا خادم جو حضور کے پاس ہم کو لایا ہے۔ آپ سے تمام باتیں عرض کر دے گا۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اس خادم کی وجہ سے ہم زندہ و سلامت حضور کے پاس تک آ بھی سکے۔ ورنہ خدا جانے ہماری کیا نوبت ہوتی!!

ابومسلم اس قدر پریشان اور سراسیمہ ہو گیا تھا۔ کہ اب اس میں مزید انتظار کی قوت نہ تھی۔ وہ فوراً اپنے اسی کمرہ میں چلا گیا جہاں صالح اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ابومسلم پر گلنار کی حالت زار نے گہرا اثر ڈالا ہے۔

صالح نے خیال کر لیا کہ ہاں اب تمام باتوں کے بیان کر دینے کا وقت آگیا۔
اور یہی موقع ہے کہ ابوسلمہ کو ابومسلم کی طرف سے ناخوش بنا کر اُسے علوی یا دولت
کی دعوت خلافت زندہ کرنے کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور ابوسلمہ نے اس
سے آتے ہی [illegible] جب کہا۔ "صالح! یہ لڑکی کیوں اس قدر دل توڑ کر رو رہی ہے اور
اس پر کیا مصیبت پڑی ہے؟"

صالح۔ "حضور والا! وہ اپنے باپ دہقان کو یاد کر کے رو رہی ہے جس
کو لوگوں نے خدا واسطے قتل کر دیا ہے۔"

ابوسلمہ۔ "ہیں! کس نے قتل کیا؟"

صالح۔ (خباثت کی راہ سے سر جھکا کر) "وہ [illegible] آپ کے بڑے
سپہ سالار اور نقیبوں کے امیر اعلیٰ نے قتل کیا۔"

ابوسلمہ۔ "ابومسلم نے؟"

صالح۔ "ہاں جناب! اسی نے۔"

ابوسلمہ۔ (سر ہلا کر) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور اس کی خطا کیا تھی؟

صالح۔ (رنجیدہ ہو کر) "خطا یہ تھی کہ دہقان بیچارہ نے روپیہ پیسا اور آدمیوں
سے ابومسلم اور اس دعوت کی امداد کی۔ اور جہاں تک اس کا قابو چلا دوسرے
بھائی بندوں یعنی خراسان سے بھی اس کو مدد دلوائی۔"

ابوسلمہ۔ (سخت غصہ سے زہرخند کر کے) "ہرگز نہیں! قتل کی وجہ یہ کیونکر
ہو سکتی ہے؟ -- تو سچی بات بیان کر۔"

صالح۔ "حضور کے سر مبارک کی قسم۔ میں نے جو کچھ عرض کیا۔ بالکل صحیح
اور واقعی امر ہے۔ دہقان مرو نے اپنے تمام عمر کی جمع کی ہوئی دولت ابومسلم کی
نذر کر دی۔ اور بیچارہ نے خراسان کے دہقانوں کو ہر طرح ابھارا کہ وہ امام کے
سپہ سالار کی پوری اعانت کریں۔"

ابوسلمہ۔ "یہ بات ہرگز قرین عقل نہیں کہ دہقان مرو نے اس قدر خیرخواہی

کی ہو۔ اور پھر ابو مسلم اس کو بلا وجہ قتل کر دے۔!!"

صالح - (سنبھل کر متوجہ ہو بیٹھنے کے بعد) "جناب والا! کیا جو شخص محض شک کی بنا پر لوگوں کو قتل کرنے میں باک رکھتا ہو۔ اس سے اس طرح کی حرکت سرزد ہونا کوئی حیرت انگیز امر ہے؟ کیا جناب نے امام ابراہیم کی ہدایت نہیں سنی ہے؟"

ابو مسلم نے یہ بات سنی تو اپنی داڑھی کریدتے ہوئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ کر چپ سادھ لی۔ مگر اس کے بشرہ سے یہ بات مترشح ہوتی تھی کہ حرکات بے دل کی وہ زبان پر نہیں آتی۔ اور یا تو وہ اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا یا کوئی خوف مانع ہے۔ صالح کی نگاہوں سے ابو مسلم کی یہ حالت مخفی نہ رہ سکی اور اس نے غمگین لہجہ میں بسور کر بہت ہی پست آواز کے ساتھ کہا "جو شخص اپنے امام کی ہدایت کے مطابق شک کی وجہ سے لوگوں کا قتل کرنا روا رکھے، کیا اس سے یہ کوئی بعید امر ہے کہ وہ جس کو چاہے قتل کر دے۔ اور امام بھی کون جس کے نام سے دین اور عدل کا جھنڈا بلند کر رکھا ہے۔۔ آہ ہم کو تو یہ معلوم تھا کہ اماموں کے پیروں تلے کوئی چیونٹی آجاتی ہے۔ تو وہ اس کے خون ناحق پر بھی اسے نہیں خطا وار شمار کرتے ہیں۔۔"

ابو مسلم سے صالح کی یہ گفتگو سن کر قوت ضبط رخصت ہوگئی۔ اور بے ساختہ اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔۔ "وہ ہدایت مآب امام رسول اللہ صلعم کے نواسے ہیں۔ وہ امام علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند ہیں" اور یہیں تک کہنے پایا تھا کہ یکایک وہ چونک پڑا۔ اور سنبھل کے اور اب دم گھونٹ کے خاموش ہوگیا۔

صالح ایسے اچھے موقع کو کب بیکار چھوڑنے والا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ غم آلود لہجہ میں کہنے لگا ــــ "پھر کیا سبب ہوا کہ آپ لوگوں نے دعوت کا رخ بدل دیا ہے؟ آہ۔ آپ لوگ ائمہ ہدیٰ کے سچے خادم تھے۔ اور خلق اللہ پر ان کی خلافت قائم کر کے بہت بڑا احسان کرنا چاہتے تھے۔ نہیں معلوم کیوں آپ نے

ایسا ارادہ بدل دیا؟ یا آپ اب تک دراصل امام علیؓ ہی کی اولاد کے لئے خلاف
کی سعی کر رہے ہیں۔ اور ابراہیم کو محض نمائشی طور پر امام بنا رکھا ہے؟"

ابوسلمہ پر سکوت طاری تھا۔ اور گو اس کے دل میں جواب دینے کا جوش
موجزن تھا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر قابو کئے رہا۔ اور صالح سلسلہ کلام جاری رکھ کر
کہنے لگا۔ "ہاں میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکا دے رکھا ہے
اور آپ کی دولت لوٹ لوٹ کر کھا رہے ہیں۔ یقیناً آپ کا دل اس امام سے
خوش نہیں۔ مگر محض اس خیال سے کہ آپ کی مخالفت اس کو ضرر پہنچائے گی آپ
ظاہرداری کرتے اور اس کا ساتھ دیتے ہیں"

اب ابوسلمہ سے بھی چپ نہ رہا گیا۔ اور وہ کھل ہی پڑا۔ اس نے کہا "ہرگز نہیں
میں کبھی اس امام کو پسند نہیں کرتا۔ مگر افسوس میرا کوئی معین و یاور نہیں۔ خدا
جانے یہ سب لوگ کس طرح بدل گئے ہیں۔ کہ ہدایت مآب اماموں کو چھوڑ کر ایسے
سفاک شخص کو اپنا امام تسلیم کر لیا ہے؟"

صالح۔ (ابوسلمہ کے یوں کھل پڑنے سے بیحد مسرور ہو کر) "منش کردہ ام
رستم پہلواں۔ وگرنہ یلے بود در سیستاں۔ جناب! برا نہ مانئے گا۔ آپ ہی لوگوں نے
اس کو امام بنا لیا۔ اور ایران و خراسان والوں کو اس کے زیر حکم کر لیا ہے ورنہ
اس کی ہستی ہی کیا تھی"

اب تک ابوسلمہ بیٹھا ہوا صالح کی باتیں سنتا جاتا تھا۔ مگر جونہیں صالح نے
یہ آخری فقرہ کہا۔ ابوسلمہ کے دل میں ایک ایسا جوش اٹھا۔ کہ وہ یکایک اٹھ کر
کمرہ میں ادھر ادھر ٹہلنے اور اپنی چادر کو سنبھال سنبھال کر اوڑھنے سے شغل کرنے
لگا۔ صالح بھی ابوسلمہ کی ہر ایک حرکت پر غور کی نگاہ ڈالتا جاتا تھا۔ اور اس کے
انداز سے اس کے دل کا راز معلوم کر رہا تھا۔ وہ بھی ادب اور رعب کے باعث
کھڑا ہو گیا۔ اور اس انتظار میں تھا کہ پھر کوئی گفتگو کا سلسلہ چھیڑے کہ یکایک ابو
سلمہ ٹہلتے ٹہلتے اس کے سامنے کھڑا ہو کر۔ اور اپنی زرکار ٹوپی کو سنبھالتے ہوئے

کہنے لگا۔ "آہ۔ اب تو ہم نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ فارس اور خراسان والوں کو
اس کا مطیع بنا دیا۔ اور اس کو ان پر حکمران کر دیا۔ اس وقت اہل ایران امام ابراہیم
کی زبان سے بولتے۔ اور اسی کی تلوار [illegible] کرتے ہیں۔ ہم اس کے مقابلہ میں کیا
کر سکتے ہیں؟"

صالح — "جناب عالی! یہ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں
اور اس آسانی سے کہ گویا کوئی بات ہی نہیں۔

ابوسلمہ۔ (حقارت سے ہنس کر) "کیا خوب! ناممکن کو ممکن کرنا کیونکر آسان
ہو سکتا ہے؟ آج لاکھوں اہل فارس امام ابراہیم کے نام پر فدا ہو رہے ہیں۔ ہم
ان سب کو کس طرح اس کی طرف سے پھیر سکتے ہیں؟

صالح۔ "جناب عالی! میں نے عرض تو کی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔
جان کی امان پاؤں تو کچھ اور کہوں۔"

ابوسلمہ۔ "بے خوف و خطر جو کچھ کہنا ہو کہو۔ تم کو امان دیجاتی ہے۔"

صالح۔ "اگر اس شخص کو اسی کے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اور درخت
کی جڑ ہی کاٹ دی جائے تو؟"

ابوسلمہ جو ٹہل ٹہل کر صالح سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی یہ گفتگو سنتے ہی
یکایک رک گیا۔ اور دانتوں میں انگلی دبا کر کمال حیرت سے صالح کو گھور کر کہنے
لگا۔ "صالح! تم کیا کہتے ہو؟"

صالح۔ "یعنی ہم اسی شخص کو نہ قتل کر دیں، جو ان تمام فتنوں کی
جڑ ہے؟"

— "کون ایسی جرأت کر سکتا ہے؟" ابوسلمہ نے حد سے بڑھے ہوئے تعجب
کے ساتھ کہا۔ اور غور سے صالح کی صورت دیکھنے لگا۔

صالح۔ "میرے جناب عالی! میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔ اور اس طرح
کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ امام ابراہیم کو قتل کر دینے

ابومسلم کو صالح کی تقریر سے اس کے استقلال طبع اور خوف دل کا پتا چل
کھلا تھا کہ وہ پکا دلدادہ بن گیا۔ اور اس کی گفتگو اپنے حسب منشا پا کے اس
سے کام لینے کا بھی ارادہ کر لیا۔ وہ خوش ہو کر صالح کی تعریف بھی کرنے لگا۔ مگر اسے
یہ خبر نہ تھی کہ صالح کون ہے۔ اور کس واسطے ان جھگڑوں میں پڑنے کا اقدام
کیا ہے۔ اور صالح کو نہ عباسیوں سے کوئی مخالفت اور نہ علوی سادات سے
دوستی وہ دونوں جماعتوں کو برباد کرنے میں اپنے فرقہ (خوارج) کا نفع سوچتا
تھا۔ اور اسی غرض کے لئے تمام دوا دوش کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسے ابومسلم
سے انتقام لینے کا بھی خیال تھا۔ کیونکہ ابومسلم نے اس کو زہر دلوا کر مار ڈالنے کا ارادہ
کیا تھا۔ اس بات کا اقدام کر ہی دیا تھا۔ اور صالح کی قسمت [illegible] بچ گیا۔
دوسرے دن صالح ابومسلم سے رخصت ہو کر اپنی مہم کو انجام دینے کے لئے روانہ
ہوا۔ چلتے وقت ابومسلم نے اس کو کئی توڑے اشرفیوں کے دینے چاہے۔ لیکن
اس نے یہ کہہ کر روپیہ لینے سے انکار کیا "جناب عالی! میں جو کچھ کرتا ہوں دینی
خدمت سمجھ کر۔ نہ کہ روپے کے لالچ میں اس سے مجھے معاف رکھئے۔" اور ابومسلم
اس کی بے غرضی اور بے طمعی دیکھ کر اس کا مزید گرویدہ ہو گیا۔ صالح ابومسلم سے رخصت
ہو کر ریحانہ سے ملا۔ اور اس نے اپنے مہم کے مختصر حالات سنا کر اور کچھ سمجھا بجھا کر رہنے
کی چند دن ہدایت کر کے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں وہ خوارج کے حالات۔ اور ابن شیبان
کے کوائف کی جستجو لیتا جاتا تھا۔ اور یہ معلوم کر کے اس کی تمام آرزوئیں دل کے مدفن میں
دبی رہ جائیں گی، کہ شیبان نے شہر مرو کا محاصرہ چھوڑ دینے کے بعد ابومسلم نے
اسے پیام بھیجا تھا کہ وہ امام ابراہیم سے بیعت کر لے۔ مگر شیبان نے اس کے جواب
میں کہلا بھیجا "تم خود اور تمہارے امام دونوں کو مجھ سے بیعت کرنا لازم ہے۔"
ابومسلم نے دوبارہ اس کو لکھا کہ "خیر تو میری بیعت اگر قبول نہیں کرتا۔ تو جس
مقام پر آپ ٹھہرا ہوا ہے۔ اسی کو چھوڑ دے۔" اور شیبان وہاں سے روانہ
ہو کر سرخس کی طرف چلا گیا۔ جہاں قبیلہ بکر بن وائل کے عربوں کی جماعت تھی اس کی

ساتھ مل گیا۔ اور ابومسلم نے شیبان کی قوت بڑھتے دیکھ کر اس پر فوج کشی کر دی۔ شیبان ابومسلم کی سپاہ سے ہزیمت اُٹھا کر بھاگ گیا۔ ایک شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر وہ مدینہ میں پہنچ کر قتل کر دیا گیا۔ اور شیبان کے قتل ہوتے ہی خوارج کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ صالح کے دل پر اس خبر کے سننے سے ایک رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور اس کی وہ ہمت جو عباسی خلافت کی بربادی میں کوشش کرنے کے لئے اب تک اسے سرگرم سا رہی تھی آدھی کیا دسواں حصہ بھی نہیں رہ گئی۔ لیکن چونکہ ابومسلم کی بدسلوکی پر اب خوارج کی تباہی کا انتقام لینا بھی مستزاد ہو گیا تھا۔ اس واسطے وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں آیا۔ علاوہ بریں خوارج کا عقیدہ موجودہ زمانہ کے نہلسٹ فرقہ کی روداد سے ملتا تھا۔ اور ان کا عام خیال تھا کہ خدا کے سوا کوئی حکمران نہیں دنیاوی تاجداروں کا وجود روئے زمین سے مٹا دیں۔ اور دعویداران خلافت کا جس طرح بھی خاتمہ کیا جا سکے کر دینا ان کے نزدیک داخل ثواب تھا لیکن یہ سب دکھانے کی باتیں تھیں ورنہ بباطن خارجی لوگ اپنی ہی حکومت قائم کرنے کے خواہاں تھے۔

صالح ابوسلمہ کے پاس سے روانہ ہو کر راستہ میں یہ سب خبریں لیتا ہوا پہلے حمیمہ پہنچا۔ اور وہاں بنی عباس کے موجود ہونے کا پتا لگا کر پھر دمشق آیا۔ اور دمشق میں جس ولی اللہ اور درویش کامل نے اموی خلیفہ مروان ابن محمد کو غیبی بشارت کے ذریعہ سے امام ابراہیم عباسی کا پتا بتایا وہ یہی تھا۔

تیئیسواں باب

برجستہ پیشینگوئی

نہ ملک بایں فضائل نہ بشر بایں شمائل
تو ولی ملک [illegible] بدل بشر [illegible]

ملک سام اور بلقاء کے علاقہ کی ایک مختصر سی بستی "حمیمہ" نامی میں کئی دن سے ایک کشیدہ ملکہ دراز قامت بزرگ کسی مسجد میں فروکش ہیں۔ اور لوگوں کا ہر وقت ان کے گرد مجمع رہتا ہے۔ کوئی تعویذ لینے کی غرض سے آیا ہے۔ تو کسی کے گود میں ننھا سا بچہ دیا ہے۔ کہ شیخ اس کو دم کر دینگے بعض لوگ کچھ خفیہ طور سے ان بزرگ کے حالات معلوم کرنے کی فکر میں لگے ہیں۔ اور سمجھ رہے ہیں کہ ان کو عبادت الٰہی اور استغراق باطن سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ بندگان خدا انتظار کی بے چینی میں مبتلا ہی تھے۔ کہ یکایک شیخ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر۔ اور نیلی نیلی آنکھیں نکال کے اپنے گرد و پیش کے مجمع پر نظر ڈالی۔ اور کہا۔ "ملک حجاز سے ریگستانی زمین کو طے کرتا۔ اور ہزاروں مشکلیں جھیلتا ہوا یہاں آیا ہوں۔ اور صرف اتنی آرزو ہے۔ کہ امام ابراہیم کی زیارت کروں۔ لیکن تم لوگوں نے اپنی غرض سے مجھے گھیر رکھا ہے۔ اور مجھکو امام کا پتا نہیں بتاتے! اسنو! میں امام کے یہاں ہونے بلکہ جس مقام پر وہ ہیں۔ اور جس حالت میں بیٹھے ہیں۔ ان سب باتوں سے واقف ہوں لیکن تم نے امام کی صورت مجھے نہیں دیکھنے دی اچھا اب بھی ہوشیار ہو۔ اور امام سے جا کر اطلاع کر دو۔ کہ ان کی جان خطرہ میں ہے۔ خبردار ہیں!" اور یہ کہکر پھر مراقبہ میں سر جھکا لیا۔

ناظرین کو حیرت ہوگی۔ کہ یہ وزر دپوش کون ہے؟ مگر نہیں ۔۔۔ اس کی گفتگو

ہی سے پتا لگ گیا ہوگا۔ کہ ایسی بات بجز ہمارے مہربان صالح کے کون کہہ سکتا ہے۔ اور یہ پھگل دوسرا آدمی کب بتا سکتا ہے۔ درویش کی یہ بہند مرآمیز گفتگو سن کر سب لوگ خوف سے کانپ اُٹھے۔ اور امام ابراہیم کو اس بات سے مطلع کر دینا ضروری تصور کیا۔ امام نے بظاہر اس امر کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اس کو درویش کی کرامت اور بزرگی میں شک تھا۔ مگر صالح نے یہ بات اس وقت کہی تھی۔ جبکہ اُسے اموی حکمراں کی فوج عنقریب آجانے کا یقین ہو گیا تھا۔ اور امام ابراہیم کا خیال تھا۔ کہ مبادا یہ کوئی جاسوس ہو جو اموی حکمران کی طرف سے یہاں کی حالت دریافت کرنے آیا ہو۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بھائی ابو العباس کو بھیجا۔ کہ وہ خفیہ طور سے اس شخص کی حالت کو جانچے۔ اور ابو العباس معمولی لوگوں کی طرح تبدیل ہیئت کئے ہوئے آکر صالح کو دیکھ بھال کے چلا گیا۔ اور اس نے بھی اس کو کوئی ماؤف شخص تصور کیا۔

جعلی درویش کی پیشگوئی کو ہنوز چند ہی گھنٹے گزرے تھے۔ کہ یکایک اموی تاجدار مروان بن محمد کی سپاہ نے آکر حمیمہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور لوگوں سے عباسی خاندان والوں کے گھر کا پتا پوچھا بستی کے رہنے والے خوف جان سے گھبرا گئے اور انہوں نے بنی عباس کے مکانات کا پتا دیدیا۔ جن کی تعداد معقول تھی۔ اور وہ اموی سپاہ سے مقابلہ کرنے کو تیار بھی ہو گئے تھے۔ قریب تھا۔ کہ جانبین میں لڑائی چھڑ جائے۔ اور خونریزی ہو۔ لیکن اموی فوج کے سردار نے عباسیوں سے کہا۔ ”امیر المومنین کو تم سب لوگوں سے کوئی مطلب نہیں۔ انہوں نے تم میں سے محض ایک شخص ابراہیم نامی کو طلب کیا ہے۔ اور وہ بھی کسی بری نیت سے نہیں۔ بلکہ غالباً اس کو پھر بعزت واپس بھیج دینگے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم لوگ جنگ و پیکار کا خیال ترک کر دو۔ اور ابراہیم کو ہمارے ساتھ کر دو۔ ورنہ لڑو بھڑو گے۔ تو پھر تم سب لوگوں کو گرفتار کر لیجانا۔ ہم پر حلال ہو جائیگا۔ اور تمہاری جو سزا ہوگی۔ اُسے تم خود سوچ سکتے ہو۔“

ابوالعباس کو اب درویش صالح کی گفتگو یاد آئی۔ اور اُسے اس کامل ولی اللہ
کی بات نہ ماننے کا کمال افسوس ہوا۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ تیر کماں سے نکل چکا تھا۔
اور بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ کان دبا کر امام ابراہیم کو حوالہ کر دیا جائے۔
عباسی لوگوں نے باہم مشورت کر کے یہی رائے قرار دی۔ کہ امام کو اموی سپاہ کے
حوالہ کر دیا جائے۔ ابراہیم سمجھ گیا تھا۔ کہ یہ گرفتاری جام مرگ ہے۔ اس واسطے
اس نے اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کے واسطے خلافت کی ہدایت کر دی۔ کہ
میرے بعد اس کو خلیفہ بنانا۔ اور خود دشمنوں کے ساتھ چلا گیا۔ ابراہیم نے اپنے
کنبہ والوں کو یہ ہدایت بھی کی تھی۔ کہ اب تم اس بستی سے بہت جلد نکل کر شہر
کوفہ میں چلے جانا۔ وہاں ہمارے شیعوں کی زبردست جماعت موجود ہے۔ اور وہ
تم کو دشمن کے دست ظلم سے محفوظ رکھے گی۔

ابراہیم کے تین بھائی اور تھے۔ جو اس سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ایک ابوالعباس
سفاح جس کے واسطے وہ خلافت کی ہدایت کر گیا تھا۔ دوسرا ابوجعفر منصور
اور تیسرا عبدالوہاب۔ ابراہیم کی گرفتاری نے عباسیوں کے دلوں میں عموماً۔ اور
ابوجعفر منصور کے دل میں خصوصاً درویش صالح کی بزرگی۔ اور کرامت کا نقش
جما دیا تھا۔ اور اُدھر صالح بھی منتظر تھا۔ کہ اب کوئی شخص ابراہیم کے کنبہ یا
اس کے بھائیوں میں سے اس کے پاس آتا ہی ہوگا۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے
بعد ہی وہ مسجد کے ایک حجرہ میں مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ صالح کو اس طرح بیٹھے
ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ کہ یکایک کسی نے حجرہ کے دروازہ پر دستک
دی۔ اور صالح نے بہت دیر توقف کر کے دروازہ کھولا تو اُسے ایک گندم
رنگ اور لاغر اندام سبزہ آغاز نوجوان دکھائی دیا جس کے چہرہ سے باوجود
کم سن ہونے کے ہیبت اور جلالت کے آثار نمایاں تھے۔ اور وہ سر پر سیاہ
عمامہ باندھے ہے۔ اور بر میں زرد رنگ کی قبا پہنے تھا۔ صالح اس نوجوان کو پہلی
ہی نظر میں پہچان گیا۔ کہ یہ ابوجعفر منصور امام ابراہیم کا بھائی ہے۔ کیونکہ وہ اُسے

گھرانے کے سب لوگوں کو پہچانتا تھا۔ لیکن منصور کو اس بات کا مطلق علم نہ تھا۔
اس وقت صالح نے منصور کو دیکھا۔ تو وہ تاڑ گیا۔ کہ یہ نوجوان کسی اہم غرض سے
یہاں آیا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا دام بچھایا اور منصور کو اس میں پھانسنے کی
نیت سے نہایت پرجوش لہجہ میں کہا۔ " آیئے۔ صاحب القباء الاصفر "
(زرد قبا پہننے والے)

منصور درویش صالح کی بات سن کر یکایک چونک پڑا۔ اور بہت معلوم
اس نے دل میں کیا خیال کیا۔ کہ بڑے ادب کے ساتھ درویش سے کہا۔
" یا شیخ! میں نے آپ کے اوقات میں خلل تو ڈالا۔ مگر آپ معاف فرمائیں۔
آپ کی کرامت نے میرے دل کو ایسا گرویدہ کر لیا ہے۔ کہ مجھکو کچھ اپنی راز
کی باتیں آپ سے عرض کرنی ضروری معلوم ہوتی ہیں "

درویش صالح۔ (بناوٹ سے مسکراتے ہوئے جیسے دل میں کوئی
بات جانتا ہے۔ مگر کہتا نہیں) " آپ بیٹھ جایئے۔ اور کہئے کیا کہتے ہیں؟
یا اگر کچھ اور آزمائش منظور ہے تو پھر یہ خدا کا عاجز بندہ ہی کہہ چلے۔ کہ آپ
کیا کہینگے؟"

منصور۔ " نہیں آپ کی پہلی ہی بات نے مجھکو یقین دلا دیا ہے۔ کہ
آپ خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ آپ میری غرض سے بےخبر
ہوں گے "

درویش صالح منصور کی باتیں غور کے ساتھ سنتا۔ اور اپنی نظر حجرہ
کے گوشوں میں اس طرح دوڑا رہا تھا۔ گویا کسی چیز کا متلاشی ہے۔ پھر وہ کچھ
بڑبڑانے لگا۔ اور اس کے بعد یکایک خاموش ہو کر منصور سے کہا۔ " تم
کیوں آئے ہو؟ کیا خلافت کے سوا کوئی اور تمنا بھی رکھتے ہو؟ " صالح نے
یہ بات اس خیال سے کہی تھی۔ کہ شرفائے بنی ہاشم میں سے ہر شخص کا
نصب العین یہی ہے۔ اور ان کے دلوں کی انتہائی آرزو بجز خلافت کے کچھ

نہیں ہو سکتی۔

منصور۔ (خوشی سے کھلکر) "جی ہاں میں اسی لئے آیا ہوں لیکن پہلے مجھے یہ تو بتائیے کہ آپ غیب کی باتیں نجوم کے رو سے بتاتے ہیں یا کشف و کرامت کے وسیلہ سے؟" منصور کو نجومیوں کا بڑا اعتقاد تھا۔ اور وہ ان کے احکام کی صداقت پر اعتبار رکھتا تھا۔

درویش صالح۔ "میں روحانی نجوم کا ماہر ہوں مجھکو اسطرلاب استعمال کرنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

منصور۔ "آج صبح کو میرے بھائی امام کی نسبت جو خبر آپ نے دی تھی افسوس ہے۔ کہ ہم نے اس پر مطلق توجہ نہ کی۔ اور اب پچھتانا پڑا۔ میرے بھائی امام ابراہیم دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ اور ان کی جان اب بھی نظر نہیں آتی۔ بھائی صاحب چلتے وقت ہم کو بیعت کے متعلق ایک ہدایت کر گئے ہیں۔"

درویش صالح۔ (مترائش سخن بن کر) "بیعت تم سے ہو گی۔" اور یہ بات اس خیال سے کہی۔ کہ ایسی خوشخبری منصور کے حسب منشار ہے۔ اور اس کا اعتقاد بڑھانے والی۔

منصور۔ (افسوس کے انداز سے) "کیا خبر ہے۔ کہ بیعت مجھ سے ہو گی؟ وہاں تو بھائی ابو العباس سے اس وقت لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔"

درویش۔ "اوہ۔ کوئی بات نہیں بیعت تمہاری ہے۔ اور اس وقت نہیں تو کچھ روز بعد سہی۔ تم خلیفہ ضرور ہو گے۔" صالح اس بات میں بھی یہی مکر کا پہلو رکھتا۔ کہ اس وقت تو منصور کا دل اپنی طرف مائل کرے گا۔ بعد میں چاہے پیشینگوئی سچی نکلے یا جھوٹ۔

منصور بڑا زیرک اور نہایت چلتا پرزہ تھا۔ یونہی وہ کسی کے حال میں مشکل ہی سے پھنس سکتا۔ مگر اتفاق سے صالح کی پہلی بات اس وقت کچھ ایسی تیر بہدف

ہوگئی۔ کہ منصور بالکل اس کی ذہانت اور صداقت کا عاشق بن گیا۔ اور پھر صالح کا بادلا پن اس پر طرہ ان کر اس کے مزید اعتقاد کا موجب ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔ "میں اسی غرض سے آپ کے پاس آیا۔ اور جیسے ہی آپ نے مجھکو زرد قبا والے کے نام سے پکارا مجھے آپ کی صداقت کا یقین کامل ہوگیا۔"

صالح نے یہ بات کسی خاص غرض سے تو کہی نہ تھی۔ مگر اتفاق وقت سے اس کی یہ برجستہ گفتگو ایک قصہ طلب بات ہوگئی۔ اور منصور نے اس حکایت کو اپنی قبا کی طرف اشارہ کرکے یوں بیان کرنا آغاز کیا۔ "میری یہ قبا آپ کی صداقت پر گواہ ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ گزرا جبکہ مدینہ میں بنو ہاشم نے کنبہ والوں کا ایک عام جلسہ کرکے اس بات پر غور کیا تھا۔ کہ حکومت بنی امیہ کی بربادی کے بعد خلافت کی بیعت کس شخص سے ہوگی۔ میں بھی اس جلسہ میں موجود اور یہی قبا کو پہنے ہوئے تھا۔ اور امام جعفر صادقؓ بھی شریک جلسہ تھے۔ چنانچہ امام ممدوح نے کہا "لا ینال الخلافۃ الا صاحب القباء الاصفر" خلافت بجز زرد قبا پہننے والے کے اور کسی کو نہ حاصل ہوگی) اور اسی وقت سے میرے دل میں یہ ہوس سما گئی ہے۔"

درویش صالح۔ (اس اتفاق سے مسرور ہوکر اور اپنا فریب مکمل کرنے کی نیت سے) "میں تو کہہ چکا ہوں۔ کہ تم خلیفہ ہو۔"

منصور۔ "مانا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ مگر اس وقت تو صورت واقعہ اس کے خلاف ہے۔ میرے بھائی امام ابراہیم سے بیعت ہوئی تھی۔ اور اب وہ گرفتار ہوگئے۔ تو بھائی ابو العباس سے بیعت کی گئی۔ امام ابراہیم ہم کو یہ ہدایت بھی کر گئے ہیں۔ کہ اب ہم لوگ کوفہ میں اپنے شیعوں کے پاس چلے جائیں۔"

صالح۔ (اس انداز سے قطع کلام کرکے گویا وہ منصور کی باتیں ہی سننا نہیں چاہتا) "نہیں نہیں خلیفہ تم ہی ہو۔ اگرچہ تمہارے تمام کنبہ سے بیعت ہوتی رہے لیکن آخر کار یہ منصب تم کو ہی ملے گا۔ تم میری اس بشارت کو یاد رکھو اور خدا

کو منظور ہے تو اس کی صداقت تمہیں خود ہی نظر آجائے گی"۔ یہ کہہکر کھڑا ہو گیا جیسے وہ اپنے ملاقاتی کو واپس کرنا چاہتا ہے۔ مگر منصور نے درویش کے ان عمزوں کا کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ باکرامت بزرگوں کی طبیعت میں ایکطرح کی وحشت پیدا ہو جاتی ہے اور اس نے بھی اٹھکر کہا "اب یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ کیا ارادہ ہے؟"

درویش ۔ "اب میں اپنے مقام کو واپس جانا چاہتا ہوں"۔

منصور ۔ "کیوں؟ کیا ہمارے ساتھ نہ رہئے گا؟ ہم آپ کو اپنے ساتھ کوفہ لے چلینگے"۔

درویش ۔ (تاسف کے لہجہ میں) "کاش میں تمہاری یہ آرزو پوری کرسکتا۔ تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ لیکن میں مجبور ہوں اور مجھے مدینہ جانے کا حکم ملا کہ وہاں قبر رسول (صلعم) کے جوار میں رہوں گا۔ میں کیا جانوں کوفہ کہاں ہے اور نہ وہاں جانا مجھے پسند ہے"۔

منصور ۔ "خیر لیکن آپ ہم کو تو وہاں جانے کی صلاح دیتے ہیں"۔

درویش ۔ "ضرور۔ کیونکہ وہاں ابو سلمہ کیسا موجود ہے"۔

منصور ۔ (درویش سے پہلے کوفہ کی نا واقفیت کا حال اور ابوسلمہ کا نام سن کر حیرت سے دنگ ہو گیا۔ اور اب اس کو درویش کے ساتھ رکھنے کی زیادہ آرزو پیدا ہوئی۔ اس نے کہا) "تو کیا آپ کسی طرح ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے؟"

درویش ۔ "رہنا یا جانا میرے اختیار میں کب ہے۔ میرا قیام مدینہ میں تھا۔ میں نے کبھی اس بستی کا نام تک نہیں سنا تھا۔ ہاتف غیب نے مجھکو پیامبر بنایا۔ اور امام کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے یہاں بھیجدیا۔ میں آیا۔ مگر افسوس کہ تم لوگوں نے میرے پیام کو قبول نہ کیا۔ اور اس کا خمیازہ بھگت رہے۔ اب بھی ممکن ہے کہ تمہاری نسبت مجھکو پھر کوئی ہدایت ہو۔ اور اس وقت تم جہاں کہیں ہو گے میں وہیں پہنچ جاؤں گا۔۔۔ سردست مجھے معاف کرو۔ اور ایسی

راہ لینے دو"

منصور خود ہی اس قدر چالباز تھا۔ کہ وجود نجوم وغیرہ پر اعتقاد رکھنے کے وہ کسی کے دام مکر میں پھنسنے والا نہ تھا۔ لیکن درویش کے چھوڑنے پر راضی نہ تھا۔ تاہم وہ کوئی زور نہ ڈال سکا۔ اور صرف اس کا نام و مقام دریافت کرنا چاہا تاکہ بوقت ضرورت اُسے بلوا سکے "اچھا آپ اپنا نام و نشان ہی بتا دیجئے۔ ممکن ہے۔ کہ مجھکو حصول خلافت کے بعد آپ کے علم سے فائدہ اٹھانے کا شوق ہو تو میں آپ کو بلوا سکوں گا"

درویش ۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) "توبہ۔ توبہ۔ تم کو میرے نام اور مقام سے کوئی غرض نہ رکھنی چاہئے۔ درویش کا کیا ٹھکانا۔ ہاں بوقت ضرورت تم مجھکو اپنے پاس دیکھو گے۔ اور شاید ایسا موقع بہت جلد آجائے کیونکہ میں تمہاری خلافت کا چاند ایک سخت گہن میں پڑا ہوا دیکھتا ہوں۔ جس وقت وہ ظلمت دور ہو جائے گی۔ اس وقت تمہاری حقیقت عیاں ہوگی۔ اچھا فی امان اللہ"

منصور ۔ (ناچار ہو کر) "اگر آپ نہیں مانتے تو مجبوری ہے۔ خدا حافظ" اور یہ کہتا ہوا حجرہ سے نکل کر چلا گیا۔

منصور کی واپسی کے بعد صالح نے رات ہی میں اپنا سفر شروع کر دیا اور وہ بعجلت دمشق کی طرف چلا۔ کیونکہ وہاں اس کو امام ابراہیم کے قتل کا بندوبست کر دینا ضروری تھا۔ دو شبانہ روز میں بلغا سے دمشق تک کی مسافت اس نے طے کی۔ راستہ میں کہیں ٹھہرا بھی تو صرف دم راست کرنے کے لئے ورنہ چلا ہی گیا۔ اور جب وہ شہر دمشق کے مشہور "غوطہ"[1] کے سلسلہ میں پہنچا تو اُسے شہر کے باہر ایک عظیم الشان فوجی کیمپ نظر آیا۔ صالح کو اس بات

---

[1] یہ ایک سرسبز اور پر فضا قطعہ زمین ہے۔ اور تمام دنیا میں اس قدر بے نظیر مقام مانا گیا ہے کہ اس کو جنت ارضی تسلیم کیا جاتا ہے۔ مترجم

سے حیرت ہوئی۔ اور اس نے وہاں کے لوگوں سے اس کیمپ کی خبر دریافت کر کے
معلوم کر لیا۔ کہ خلیفہ مروان بن محمد کسی دور دراز ملک پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں
کر رہا ہے۔ صالح سمجھ گیا۔ کہ وہ خراسان جا رہا ہوگا۔ اور ابومسلم سے معرکہ آرا ہونے
کا عازم ہوگا۔ چنانچہ صالح نے اپنی ہیئت تبدیل کی اور ویسی ہی وضع بنائی جس وضع
میں وہ پہلی بار مروان بن محمد سے ملا تھا۔ اور خاک میں لوٹ کر تمام کپڑوں اور
جسم پر خوب غبار چڑھا لیا۔ تاکہ معلوم ہو وہ کسی دور دراز سفر سے آرہا ہے پھر
اسی ہیئت کذائی کے ساتھ خلیفہ مروان بن محمد کے کیمپ میں جا کر اس سے ملاقات
کا طالب ہوا۔ مروان بن محمد شہر مرو کی طرف روانگی کا عازم تھا لیکن اتفاق کہ
جیوں ہی وہ شہر کے باہر نکلا۔ اسے امام ابراہیم کے گرفتار ہونے کی خوشخبری
ملی۔ اور اس نے حکم دیا کہ امام کو حران میں قید رکھا جائے۔ وہ خراسان کی
واپسی کے بعد ان کی بابت کوئی فیصلہ سنائے گا۔ اور خود مرو کی مہم [illegible]
کو انجام دینے کے لئے وہ ایک دن شہر سے باہر خیمہ زن رہنے پر مجبور ہو گیا۔ خلیفہ
مروان بن محمد رات کے وقت تنہا اپنے خیمہ میں بیٹھا ہے۔ امرائے دربار
رخصت ہو کر آرام کرنے کے لئے جا چکے ہیں۔ اور خلیفہ بھی استراحت کا ارادہ
رکھتا ہے کہ یکایک حاجب نے اسے کسی معلوم شخص کے آنے کی اطلاع دی
اور مروان بن محمد نے چونک کر اس سے کہا۔ "کیا؟ رقی درویش آیا ہے؟
بہت جلد لاؤ"

حاجب باہر گیا۔ اور معاً ایک گرد و غبار میں اٹا ہوا میلا کچیلا دراز قامت
شخص خلیفہ کے روبرو آیا۔ اور خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی "مرحبا اہلاً وسہلاً" کہہ کر
تعظیم دی۔ اور درویش نے کہا "اُف۔ بڑی مشقت۔ اللہ اکبر۔ میں اس قدر جلد آیا
ورنہ تم چلے گئے ہوتے۔ اور مجھے کچھ اور مسافت طے کرنا پڑتی"

خلیفہ مروان۔ "کہئے۔ کیا آپ کوئی نئی بشارت لائے ہیں؟"
درویش۔ "ابن محمد بات تو کچھ باقی ہے لیکن رجال الغیب نے

مجھکو اطلاع دی۔ کہ تم نے اس دشمن کو گرفتار کرکے حرّان میں قید کر رکھا ہے
یاد رکھو کہ تم اس کو زندہ رہنے دوگے تو گویا کچھ بھی نہ کروگے۔ ہاں۔ قتل
قتل۔ قتل“

خلیفہ مروان ۔ (سر جھکا کر) ”آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر اطمینان
رکھیے وہ زندہ نہ بچے گا“

مروان بن محمد کی یہ گفتگو سنتے ہی درویش پلٹ کر چلدیا۔ اور خلیفہ اس
سے بیٹھنے کی صلاح کرتے کرتے یہ سوچ کر رک گیا۔ کہ پہلی بار اس نے میری بات
نہیں مانی تھی۔ تو اب کیا منظور کرے گا۔

چوبیسواں[۲۴] باب

رنگ میں بھنگ

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
(غالب)

پھر وہی شہر کوفہ ہے۔ اور حمّام اعین کا محلہ۔ صالح گرد سفر میں اٹا ہوا ابو
سلمہ کے در دولت پر آتا۔ اور دربانوں سے اندر جانے کی اجازت لانے کا
تقاضا کرتا ہے۔ صالح کی وضع قطع اس وقت بالکل بدلی ہوئی ہے۔ سر پر
ہلکی سی ٹوپی ہے۔ اور اس پر سے ڈھاٹا بندھا ہوا ہے۔ جس نے تمام چہرہ کو چھپا
رکھا ہے۔ اور بدن میں کپڑوں کے اوپر لمبی اور ڈھیلی ڈھالی عبا پہن رکھی
ہے۔ دربانوں نے صالح کے تقاضے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ تو اس نے
عجلت کی وجہ سے [illegible] ”دیکھو میرا کام بیحد ضروری اور عجلت طلب ہے۔ میں
ایک بہت اہم [illegible] لایا ہوں۔ تم لوگ جلد اطلاع کردو۔ ورنہ حرج ہوگا“!!

ایک دربان :- خواہ آپ کا مقصد کتنا ہی ضروری ہو۔ لیکن اس وقت کسی کی مجال نہیں۔ کہ جا کر اطلاع کرے۔ وہاں ایک خفیہ اور عجیب کی ملاقات درپیش ہے۔ اور ہمیں حکم ملا ہے۔ کہ کوئی بھی آئے اس کی اطلاع کبھی نہ کریں۔

صالح یہ سنکر سخت متعجب ہوا۔ اس کے دل میں خلجان پیدا ہو گیا کہ آخر یہ کیسی ملاقات اور کس کی ملاقات ہے جو اتنی سختی کے ساتھ دوسروں کو روکنے کی ہدایت کی گئی ہے؟ مگر وہ مجبور تھا۔ کرتا کیا۔ اس لئے دروازہ کے باہر ہی ایک چبوترہ پر سایہ میں بیٹھ گیا۔ وہ پسینہ میں تر بتر تھا۔ اور گرمی خوب زوروں کے ساتھ پڑ رہی تھی صالح نے ڈھاٹا کھول ڈالا۔ سر اور گردن میں ہوا لگنے سے ذرا اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو پھر غور کرنے لگا۔ کہ یہ کون آیا ہے جس کے واسطے ابو مسلم نے اتنی دیر تک تنہائی کر لی۔ صالح ہنوز کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا۔ کہ یکایک ابو مسلم کے دربانوں میں ہلچل محسوس ہوئی۔ اور اس کا داروغہ ایوان کے اندر چلا گیا۔ پھر چند منٹ میں وہ واپس آیا۔ تو اس کے ساتھ دو اور شخص بھی تھے منجملہ ان کے ایک جو آگے آ رہا تھا۔ میانہ قامت اور گول مول آدمی تھا۔ دیاس کی وضع و قطع قابل دید تھی۔ سر پر نہایت بھاری عمامہ باندھ رکھا تھا۔ آنکھوں میں سرمہ اس قدر بھرا تھا۔ کہ گالوں پر بہہ کر نکل آیا تھا۔ بالوں کی دو لٹیں دونوں کنپٹیوں کی طرف لٹکتی ہوئیں داڑھی بیچ سے دو حصے کر کے سینہ پر پڑی ہوئی۔ جسم میں ایک بیحد کشادہ جبہ پہنے اور ہاتھ میں لمبا سا عصا لئے ہوئے تھا۔ اس عجیب الہیئت شخص کے پیچھے ایک غلام تھا جس [illegible] بازو پر نہایت خوشنما زرکار تھیلا پڑا تھا۔ دوسری بغل میں ایک موٹی [illegible] دبی تھی۔ اور ہاتھ میں اصطرلاب تھا۔ صالح نے اگلے آدمی کی صورت [illegible] دیکھی تو مارے [illegible] کے اس کا رنگ چہرہ اڑ گیا۔ اور دل دھڑکنے لگا۔ "ابراہیم" [illegible] براہیم معلوم [illegible]

ابو مسلم کا خزانچی۔ بیشک۔" غور سے دیکھکر" ہاں یہ تو وہی بیہودہ بچہ ہے"
صالح کا خون خشک ہو گیا۔ اور اپنا ٹوپا ماکھول ڈالنے پر اسے بیحد پشیمانی ہوئی
کیونکہ وہ ڈرتا تھا۔ کہ مبادا ابراہیم اُسے دیکھ لے۔ اور اس کا راز کھل جاتے۔
اُدھر ابراہیم جو اٹھلا اٹھلا کر چلتے۔ اور دا ہنے بائیں نگاہ ڈالتا جاتا تھا۔
اس نے بھی صالح کو دیکھ لیا۔ اور کچھ غور سے دیکھنے کے بعد ابراہیم کا رنگ
فق ہو گیا۔ تاہم وہ انجان بن کر اپنے سواری کے خچر کی طرف چلا جو زریں
ساز و لگام سے آراستہ وہیں دروازہ کے قریب لے آیا گیا تھا۔ اور پھر غلام
کی مدد سے اس پر سوار ہو کر دم زدن میں یہ جا وہ جا روانہ ہو گیا۔
ابراہیم تو چلا گیا۔ مگر صالح اس کو دیکھکر کچھ ایسا حواس باختہ ہو گیا تھا۔
کہ دیر تک بحیس و حرکت کھڑا رہا۔ اور پھر وہ سنبھل کر اپنے دل میں کہنے لگا۔
"آہ یہ خبیث یہاں کیوں آیا؟ ضروری ہے کہ ابو مسلم نے اس کو جاسوس
بنا کر بھیجا ہے" پھر دربان سے "کیوں بھائی اب تو مجھکو اجازت ملے گی
تم جا کر اطلاع تو کرو" دربان مکان میں داخل ہو کر فوراً واپس آ گیا۔ اور صالح
سے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ صالح دربار کے ملاقاتی کمرہ میں پہنچا۔ تو اس نے دیکھا
کہ ابو سلمہ مسند زریں پر جلوہ فرما ہے۔ اور اس کے چہرے سے کچھ سوچنے کے آثار
نمایاں ہیں۔ ابو سلمہ نے جیسے ہی صالح کی صورت دیکھی۔ وہ تبسم کناں کہنے
لگا۔ "اخاہ۔ صالح! خوش آمدی۔ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ کہو خیریت
تو ہے! معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم بامراد اور کامیاب ہو کر آئے ہو"
صالح ۔ (ادب کے ساتھ دست بوس ہو کر۔ اور مودب بیٹھ کے) آپکے
اقبال اور برکت سے میں نے تمام باتیں ٹھیک کر لیں۔ کیا میں بلا اندیشہ
سب کیفیت عرض کر سکتا ہوں؟"
ابو سلمہ ۔ (مسرت کے ساتھ) "ہاں یہاں بالکل خلوت ہے۔ تم اپنی
کامیابی کا قصہ سناؤ۔ اور مجھے بڑی خوشی ہے۔ کہ تمہاری کارگزاری سننے کے لئے

آج کا سا مبارک دن مجھکو ملا ہے"

صالح۔ (ابومسلمہ کی بے موقع مسرت سے کچھ دل میں متردد ہوکر) "جناب عالی! سب سے پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب عطا فرمائیں۔ اور امید ہے کہ میری اس جسارت کو معاف فرمائیں گے"

ابومسلمہ۔ "کوئی ڈر نہیں۔ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ کہو"

صالح۔ "جناب عالی! معاف فرمائیے خداوند کریم آپ کو ہمیشہ شادان و فرحان رکھے۔ آج کیا بات ہے۔ کہ میں خلاف عادت آپ کے بشرہ پر شگفتگی اور مسرت کے آثار نمایاں پاتا ہوں؟ کیا کوئی نئی خوشی کی خبر ملی ہے؟"

ابومسلمہ۔ (ہنسکر) "جیسی کوئی نئی خبر تو ملی نہیں مگر اس وقت ایک بڑا ماہر اور اپنے فن میں کامل منجم یہاں آیا تھا۔ اور اس نے مجھکو اپنے علم کے وہ وہ کرشمے دکھائے کہ میں دنگ رہ گیا"

صالح۔ "میرا خیال ہے کہ وہی شخص ابھی آپ کے پاس سے نکل کر گیا ہے؟"

ابومسلمہ۔ (تعجب سے) "ہاں۔ تم نے بھی اس کو نکلتے دیکھا تھا۔ وہی تھا وہی۔ اس کا نام حاتم منجم ہے۔ اور وہ حیران کا رہنے والا قوم کا یہودی ہے۔ وہ اپنے فن میں یکتا ہے۔"

صالح۔ "مگر آپ کو اس کی مہارت کا پتا کیوں کر لگا؟"

ابومسلمہ۔ "پتا کیوں کر لگا!! اس نے تمام میرے دل کی باتیں بتا دیں اور جن امور کو میں نے راز کی صورت میں رکھا تھا۔ اور میرے اور تمہارے سوا اُن سے کسی کو واقفیت ہی نہ تھی۔ وہ سب ایک ایک کرکے اس نے بیان کر دیئے۔ اس نے تمہارے یہاں آنے اور بعض ان باتوں کو بھی بتا دیا جو تم نے مجھ سے کہی تھیں"

صالح یہ سنکر چونک پڑا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ یہودی اسی کا سراغ لگانے اور گلنار کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔ مگر اس کو سخت تعجب تھا کہ ابراہیم نے

اس کے اور گلنار کے یہاں ہونے کا پتا کیونکر پایا۔ اور پھر طرہ یہ کہ اس کو میری
اور ابوسلمہ کی گفتگو کا راز کس طرح معلوم ہو گیا؟ اگرچہ صالح کے دل میں اس وقت
پیچ و تاب ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے ضبط کر کے اپنا قیافہ بحال رکھا۔ اور انجان
بن کر لاپروائی کے شان سے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس نے آپ سے کیا کہا؟"

ابوسلمہ۔ "سب سے پہلے اس نے میری نیت میں عباسیوں کی طرف سے
برائی ہونے کا ذکر کیا۔ میں اس خیال سے کہ مبادا یہ کوئی مخبر ہو۔ بہت بگڑا کہ اس نے
ناراضی عباسیاں کی۔ لیکن وہ میرے انکار سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اور برابر اپنی بات
ہی پر جما رہا۔ بلکہ اس کی دلیل میں ایسے امور پیش کئے جن کو میرے سوا کوئی جانتا
ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ تم بھی ان میں سے چند ہی باتوں کو جانتے ہو۔ اس نے تمہاری
اور نورچشمی گلنار کے یہاں آنے، اور ابومسلم کے ہاتھوں اس پر مصیبت پڑنے
کا حال اس لب و لہجہ میں بیان کیا کہ گویا وہ ابومسلم سے سخت ناخوش اور
اس کا جانی دشمن ہے۔ حالانکہ نہ وہ گلنار سے واقف تھا۔ اور نہ ابومسلم سے
اور تم مجھ سے کہہ چکے تھے کہ گلنار اور اس کے بدبخت باپ کا معاملہ تمہارے
سوا کسی اور کو ہرگز معلوم نہیں۔ پھر تم نے مجھ سے اس کی رازداری کا بھی عہد
لیا تھا۔ بہرحال اس منجم نے جو بات کہی ایسی درست اور صحیح کہ میں حیران رہ گیا
اور ہر ایک بات کہنے سے قبل وہ اپنے اصطرلاب اور اپنی کتاب کو دیکھ لیا کرتا
تھا۔ میں نے اس کی مہارت مشاہدہ کر کے اپنا اطمینان کر لیا۔ تو پھر ان واقعات
کے آئندہ نتیجہ کے متعلق اس سے سوال کیا۔ اور اس نے مجھ کو اطمینان دے کر
کامیابی کی خوشخبری سنائی ہے۔"

صالح۔ (بے اختیار قطع کلام کر کے) "کیا آپ نے اس سے میرے
ملک شام جانے کی غرض بھی بیان کر دی؟"

ابوسلمہ۔ "میں نے کیا بیان کیا۔ اس نے خود ہی کوئی بات نہیں چھوڑی
وہ میرے دل کے تمام اسرار ایک ایک کر کے بیان کرتا جاتا تھا۔ اور آخر اس نے

یہ بھی کہا۔ کہ تمہارا دوست جس کام کے لئے ملک شام کو گیا ہے۔ اس میں
وہ ضرور کامیاب ہوگا"

صالح نے یہ سنکر نعوذ باللہ پڑھا۔ اور اس نے دل میں یقین کر لیا کہ جو ابراہیم
ابی مسلم کا بھیجا ہوا اور ہم لوگوں کی خبر لینے آیا تھا۔ اس کو حیرت تھی تو یہ کہ ابراہیم نے
اتنے مفصل حالات کیونکر معلوم کر لئے۔ صالح کے ہوش گم ہو گئے تھے۔ اس کو
معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بیحد عزیز چیز اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ وہ امام کے
قتل ہونے کی مسرت بھی بھول گیا۔ اور رنج و زردی سے مبہوت بن کر سر جھکا کے
خاموش ہوگیا۔ ابوسلمہ کو اس کی یہ حرکت ناپسند آئی۔ اور اس نے دریافت کیا
"صالح! یہ تم چپ کیوں ہو گئے؟ مجھکو بتاؤ کہ تم نے اس سفر میں کیا کیا؟"

صالح۔ (نہایت آہستہ آواز میں جیسے کسی نے اس کا گلا دبا رکھا ہے)
آپ کی گفتگو سننے کے بعد میری مہم کی کامیابی کس کام آ سکتی ہے۔

ابوسلمہ۔ (پریشان ہوکر اور صالح کا مدعا نہ سمجھنے کے باعث حیرت
سے) "تم نے مجھ سے کیا سنا۔ وہ تو نہایت خوشی کی بات اور نیک نتیجہ کا
اطمینان دلانے والا امر ہے"

صالح۔ (آنکھوں میں شدت الم سے آنسو بھر لاکر) "نہیں حضرت ولی!
یہ نہ کہئے۔ بلکہ وہ گفتگو ہماری تمام امیدوں اور کوششوں پر پانی پھیرنے
والی ہے۔ اور اب ہماری جان کی خیر نہیں"

ابوسلمہ۔ (پہلے سے زیادہ گھبرا کر اور بات سمجھ میں نہ آنے سے پریشان
ہوکر باواز بلند) "آخر یہ کیوں؟ صالح! تم پہیلیاں نہ بناؤ صاف بات کہو
میرا دم الجھ رہا ہے"

صالح۔ "جناب عالی! جس نجم کو آپنے ذکر کیا ہے وہ آپ کی تمام
باتیں ابو مسلم کو جا سنائے گا۔ اور اسی غرض سے بھی نکلے [illegible]
کرتے تھے پھر آپ خود خیال کریجئے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے"

ابوسلمہ ۔ سخت پیچ و تاب کھا کر صالح کو گھورتے ہوئے ۔ "ابومسلم سے یا ابومسلم کو اس یہودی سے کیا واسطہ ؟ تم کو وہم ہو گیا ہے ۔"

صالح ۔ "جناب عالی! وہم کیسا ۔ میں اس کو بخوبی پہچانتا ہوں وہ ابومسلم کا ملازم اور اس کے قاتلانہ ارادوں کی تکمیل کا سب سے بہتر آلہ ہے ۔"

ابوسلمہ ۔ (لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے) "معاف کہو ۔ تم نے مجھکو بہت پریشان بنا دیا ہے ۔"

صالح ۔ "یہ یہودی ابومسلم کا خزانچی ہے ۔ اور اس کی مکار درفن کا حال دیکھکر مجھکو معلوم ہو گیا ۔ کہ ابومسلم اُس کے ذریعہ سے امرائے سلطنت کے حالات کا تجسس کیا کرتا ہے ۔ میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں ۔"

ابوسلمہ ۔ (پریشان ہو کر) "پھر اب کیا کیا جائے ؟"

"اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس کو گرفتار اور قتل کرنے کی تدبیر ہو ۔ ورنہ ابومسلم کے پاس یہ خبر پہنچتے ہی آفت آ جائے گی" صالح نے کہا ۔

ابوسلمہ ۔ "بہت ٹھیک ہے" اور یہ کہکر دستک دی ۔ دربان حاضر ہوا ۔ اور ابوسلمہ نے اس سے دریافت کیا ۔ "کیوں ۔ وہ منجم کہاں گیا ہے ؟ کچھ تم کو بھی معلوم ہوا ؟"

دربان ۔ "خداوند نعمت ! میں بالکل نہیں جانتا ۔ کہ وہ کہاں گیا مگر میں نے دیکھا ۔ کہ وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر کوفہ کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ چلا تھا ۔"

ابوسلمہ نے یہ بات سن کر صالح کی طرف استفہام کی نظر سے دیکھا ۔ اور صالح نے کہا ۔ "کیا عجب ہے ۔ کہ شہر کی کسی سرا میں یا یہودیوں کے کسی کنبہ میں ٹھہرا ہو ۔" اور ابوسلمہ نے دربان کو حکم دیا ۔ "ابوضرغام عیار کو ابھی بلا لاؤ ۔" دربان تعمیل ارشاد کے لئے چلا گیا ۔ مگر صالح کو حیرت ہوئی ۔ کہ ابوسلمہ یہ کیا کر رہا ہے ۔ چنانچہ اُس نے دریافت کیا ۔ "کیا جناب والا ! اس یہودی

کسی کنبہ میں ہوگا۔"

ابو نصر غانم ۔ "بیشک۔ میں اُسے یوں ماندہ لاؤں گا۔ جیسے بھیڑ اور بکری کو ماندہ کر ذبح کرنے کے لئے لیجاتے ہیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ میں اُسے زندہ نہ لا سکوں تو پھر کیا کروں؟"

ابو سلمہ ۔ "میری خواہش اس سے کچھ باتیں کرنے کی ہیں۔ اس لئے زندہ لانا بہتر ہوگا۔ کیا تم اس پر قادر نہیں ہو؟"

عیار نے یہ سنکر سر ہلایا۔ اور ساتھ ہی اپنی گرز کو چکر دیکر بولا "وہ جائیگا کہاں ابھی لاتا ہوں۔ اور مانا کہ جہنم میں بھی چلا گیا ہے۔ تو بھی میں اُس کو نہ چھوڑونگا۔"

ابو سلمہ ۔ (ہنسکر) "اچھا جلد جاؤ۔ اور خبردار وہ جانے نہ پائے۔ اس کا گھر بار روپیوں اور تحائف سے بھر کر تمہاری نذر ہوگا۔"

عیار تو یہ سنکر چلدیا۔ اور ابو سلمہ نے صالح سے کہا "وہ یہودی اس عیار کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا تم اطمینان رکھو۔ اور اب بیان کرو کہ ملک شام میں تم نے کیا کارروائی کی ہے؟" صالح کو بھی اب اطمینان ہوگیا تھا۔ اور اس نے سنبھل کر اپنے دمشق اور حمیمہ جانے کا تمام قصہ ابو سلمہ کو سنا دیا۔ ابو سلمہ کے چہرہ سے اس وقت کمال بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور وہ بار بار صالح کی تعریف کرتا جاتا تھا۔ اس کی امیدیں جو علوی سادات کی حکومت اور خلافت قائم ہونے کی طرف سے ٹوٹ چلی تھیں۔ پھر قوی ہوتی جاتی تھیں۔ اور وہ تصور کرتا تھا کہ اب اُسے اپنے کام کے کرنے کا اچھا موقع ملے گا۔ چنانچہ اس نے صالح سے دریافت کیا۔ "کیا تم کو یقین ہے کہ امام ابراہیم ضرور قتل کر دئے گئے ہونگے؟"

صالح ۔ "بلاشبہہ۔ مگر یہ علت کیسی ہے۔ کہ اب خلافت اُن کے بھائی ابو العباس کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ اور اس لئے ہماری کوشش اس خاندان ہی کو ٹھکانے لگا دینے کے لئے ہونی چاہئے۔ تاکہ بیعت اور بیعت لینے والے ابنائے عباس کوئی باقی ہی نہ رہیں۔ اور پھر خواہ مخواہ خلافت سادات علویہ

کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ یہ دیکھئے امام محمد بن عبداللہ الحسنی مدینہ میں مقیم ہیں۔ اور اس لئے تمام بنی ہاشم کیا عباسی اور کیا علوی بھی اس بات پر بیعت کر چکے ہیں کہ حکومت امویہ کی بربادی کے بعد وہی خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔ اور اس بیعت کے ثبوت میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

ابو سلمہ: "ہاں ہاں۔ یہ بیعت یقیناً ثابت اور مسلّم ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس ابو العباس، اس کے بھائی منصور، اور تمام بنی ہاشم نے امام محمد عبداللہ الحسنی سے کی ہے۔ مگر اب تو وہ اس بیعت سے مکر گئے ہیں۔ اور یہی اختلاف پیدا ہونے کی وجہ ہے۔"

صالح: "خیر کچھ بھی ہو۔ اب وہ وقت قریب ہے کہ ابو العباس اور اس کے تمام بھائی اور چچا اور کنبہ والے آپ کے یہاں آجائیں گے۔ وہ آپ کے قبضہ میں ہوں گے۔ بس آپ ان کو فوراً عدم روانہ کر دیجئے..." یہ کہہ کر زور سے ایک قہقہہ لگایا۔

ابو سلمہ صالح کو [illegible] سمجھتا تھا اور اس نے سادگی کے ساتھ دریافت کیا: "کیوں! ان کو وہاں بھیجنے کی ضرورت؟"

صالح: "انہیں جناب عالی! میں یہ کہتا ہوں کہ آپ ان کو قتل کر دیجئے۔ اور یہ کہنا ہے ہم کوتاہیوں کے سردار اور مکاروں کے سرتاج ابو مسلم سے سیکھا ہے۔ اس کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دینا ہوتا ہے تو وہ یہی کہا کرتا ہے کہ فلاں شخص کو عدم روانہ کر دو۔ اس کے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ قتل کرنے کا حکم ہے۔"

ابو سلمہ بھی اس لطیفہ کنایہ کو سن کر ہنس پڑا۔ اور اس نے کہا: "تو کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں آل عباس کو قتل کر دوں؟"

صالح: "اسے یا نہ مانئے اگر علوی سادات کی خلافت منظور ہے تو بے شک حمایت کرنا منظور ہے۔ تو پھر اس کے بات چھپانا نہیں سکتی۔ اور آپ ان کو قتل کیجئے۔ تو یہ آپ لوگوں پر احسان کر رہے ہیں۔"

ابوسلمہ نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ وہ فرش پر بنی ہوئی بعض شاہان فارس کی
تصویروں کو دیکھنے لگا۔ صالح خاموش بیٹھا۔ ابوسلمہ کے حرکات وسکنات پر غور
کر رہا تھا اور امیدوار تھا۔ کہ وہ اس کی رائے سے موافقت کرے گا۔ کیونکہ وہ خیال
کرتا تھا۔ کہ یہ موقع نہایت قیمتی ہے۔ اور علوی سادات کے طرفداروں نے
اس سے فائدہ اٹھانے میں کمی کی۔ تو وہ خود برباد ہو جائیں گے۔ صالح بخوبی جانتا
تھا کہ اگر ابومسلم کوئی ایسا عمدہ موقع پاتا تو اس سے ممکن نہ تھا۔ کہ ایسے رائگاں
جانے دیتا۔ اور وہ اپنی مقصد براری کے لئے کسی کے قتل سے بھی نہ چوکتا۔

ابوسلمہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر اس نے صالح
کی طرف دیکھ کر اپنی کلمہ کی انگلی سے انکار کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں
میں ہرگز ایسے شرمناک کام کے لئے قدم نہ بڑھاؤں گا۔ آہ۔ مجھ سے نہیں ہو سکتا
کہ میں ایک ساتھ دو سخت بری باتوں کا ارتکاب کروں۔ اول تو یہ کہ رسول اللہ
صلعم کے چچا زاد بھائیوں کی ایک بیگناہ جماعت کو قتل کردوں۔ اور دوسری یہ کہ
[illegible]ی پناہ میں آئے ہوئے۔ بلکہ اپنے مہمان لوگوں سے بیوفائی کروں۔ میں ان کو
[illegible]س طرح قتل کر سکتا ہوں؟ مجھ سے یہ ہرگز نہ ہوگا"

صالح نے یہ سن کر کچھ اس انداز سے اپنے کندھوں کو جنبش دی۔ اور منہ
[illegible]ا کر گویا بزبان حال کہا کہ پھر میں نہیں جانتا۔ تم جو چاہے کرو" اور بعد ازاں
[illegible]ٹھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہوئے بولا۔ "میں بھی اس کام کے برے ہونے سے
[illegible]نکار نہیں کرتا۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ سلطنتوں کا قیام ایسی ہی کارروائیوں پر
[illegible]حصر ہے۔ اور یہ تو خود امام کی ہدایت ہے۔ کہ جس پر شک ہو اس کو قتل کردو۔
[illegible] اس پر عمل کرنے میں کس لئے تامل کریں۔ اور کیوں نہ ان کو انہی کے قانون
[illegible]رفت میں لائیں۔ انہوں نے خدا جانے کتنے بیگناہ لوگوں کو محض اس لئے
[illegible]نے لگا دیا ہے۔ کہ وہ لوگ اُن کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوتے تھے۔ بس
[illegible]تا ہوں۔ کہ اگر آپ کی جگہ اس وقت ابومسلم ہوتا۔ تو وہ کبھی ایسے زرّیں موقع

کردینا چاہیئے۔ تاکہ سردست اس بیعت کا سلسلہ درہم برہم ہی رہے۔
یہ باتیں اس وقت دونوں میں کشمکش ہو رہی تھیں۔ اور صالح کو گمان
تھا۔ کہ اس مرتبہ ضرور اس نے ابوسلمہ کی راستے پر فتح پالی ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر
اس کو سخت افسوس ہوا۔ کہ ابوسلمہ برابر اس بات کو ناپسندی کر رہا ہے۔
اور آخر میں ابوسلمہ نے کہا "نہیں میں اس جرم کے ارتکاب کی قدرت نہیں
رکھتا۔ تمہارے ہاتھوں یا کسی اور کے ہاتھوں مجھے قتل کرا دیئے جائیں تو اس
سے میری برأت کیونکر ہوگی؟ گناہ تو بہرحال میرا ہے۔ اور قاتل میں ہی ہوں
لیکن اگر تم کوئی اور تدبیر بتا سکتے ہو۔ تو بتاؤ۔ اور اس بوجھ کو مجھ سے دور۔"
صالح۔ "اور تدبیر کیا بتاؤں۔ افسوس ہے۔ کہ آپ اس طرح کے
بے مثل موقعہ کو فضول رائگاں کئے دیتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ علوی سادات
کی کامیابی کے لئے یہی صورت کارآمد ہے۔ کہ آپ ان وفاباروں کا خاتمہ کردیں
اور یہ لوگ اسی معاملت کے لائق ہیں۔ ورنہ غلبہ انہی کو ہوگا۔ اور آپ لوگ منہہ
تاکتے رہ جائیں گے۔ میں خوب جانتا ہوں۔ آپ اس امر سے ناواقف نہ ہونگے
علی اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کی حصول خلافت میں ناکامی کا باعث یہی ہے
کہ وہ لوگ ہمیشہ سچائی اور پرہیزگاری اور عدل و راستبازی کے ساتھ اپنے
حقوق طلب کرنے میں ساعی رہے۔ حالانکہ ان کے مقابلہ میں بنی امیہ مکر اور
خونریزی کے ذرائع استعمال کرتے جاتے تھے۔ افسوس۔ علوی سادات کے
طرفداروں کو بہت سے اس طرح کے موقعے ملے بھی لیکن انہوں نے اسی خیال
میں۔ کہ ان موقعوں سے فائدہ اٹھانا برا ہے۔ وہ سب موقع اپنے ہاتھوں سے
کھو دیئے۔ اور اس طرح اپنے حقوق تلف کر ڈالے۔ مگر بنی امیہ اس کے برعکس
ہر ایک موقعہ سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اور اس طرح کے وسائل پیدا کرنے کے واسطے
مال اور زر تو کیا عزیز جانیں بھی صرف کر دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ آپ
میری بات مانیں۔ اور اپنا دلی مقصد حاصل کرنے سے نہ چوکیں۔ اس وقت ذرا سی

پُرنم ہوگئیں۔ صالح اجازت پاکر گلنار سے ملنے چلا۔ مگر وہ دل میں ابومسلمہ کی رفعت کا خیال کرکے کہتا جاتا تھا۔ "بھلا ایسے عورتوں کی طرح ٹسوے بہانے والوں کی کیا طاقت ہے کہ سلطنت کی بنیاد رکھ سکیں۔ اس کام کے لئے پتھر کا کلیجہ ہونا چاہیئے۔"

پچیسواں باب ۲۵

رازِ مسرت

راز درون پردہ زرندان مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

صالح ابوسلمہ کے پاس سے رخصت ہوکر بہت جلد اس کی حرم سرا کی طرف گیا۔ اور دہلیز پر پہنچ کر گلنار سے اطلاع کرائی کہ کوئی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ نام کا اظہار کسی مصلحت سے نہیں کیا۔ یا یہ خیال تھا۔ کہ اس کو خود ہی معلوم ہوجائیگا کہ صالح کے سوا کون آنے والا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں گلنار نے واپس آکر اس کو اشارہ کیا۔ کہ اندر آجائے۔ اور صالح دہلیز میں ہوتا ہوا۔ ایک خلوت خانہ میں پہنچ گیا۔ جہاں ریحانہ اور دہقانہ گلنار دونوں اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔ صالح کی صورت دیکھ کر گلنار کے بشرہ پر مسرت برسنے لگی۔ اور اس نے بیحد شوق اور احسانمندی سے بھرے ہوئے لہجہ میں کہا —— "مرحبا صالح! تم خوب آئے اور کہو کیا کر آئے؟ اگرچہ تمہارے قیافہ سے کامیابی کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے۔ لیکن زبان سے سننے کا اور ہی لطف ہوگا۔"

صالح اگرچہ دل میں ابراہیم یہودی کی حرکت سے بیحد رنجیدہ اور پریشان تھا۔ لیکن اس نے گلنار پر ایسی حالت ظاہر نہ کرنے کے خیال سے بشاشت و شادمانی

صالح ۔ (حائم کا نام سُن کر سخت گھبرا گئے اور سر تا پا کانپ سکے کون منجم؟ یہ حائم کون ہے؟"

ریحانہ ۔ " وہ ایک یہودی منجم حرّان کا رہنے والا ہے۔ ہمارے ساتھیں کو نہر مرو سے واپس آتے وقت راستہ میں مل گیا تھا"

صالح سمجھ گیا۔ کہ ریحانہ ابراہیم خزانچی کا ذکر کر رہی ہے۔ اور وہ دل میں ڈرا مبادا ابراہیم ان عورتوں سے کچھ راز کی باتیں معلوم کر گیا ہو۔ اس نے ریحانہ سے سوال کیا۔ " اس منجم میں کون سی بات تم کو ایسی نظر آئی جس سے تم ہنس رہی ہو؟"

ریحانہ ۔ " ہاں ۔ وہ بڑا ہی مسخرا اور با مذاق شخص تھا۔ مگر اسی کے ساتھ اپنے فن کا کامل استاد بھی تھا۔ منجم کیا۔ اچھا خاصہ غیب دان کہئے۔ گو گئے سائس کی وجہ سے وہ ہم کو مل سکا۔ اور تمہاری عدم موجودگی میں با تو کو اس کی وجہ سے بہت دلبستگی رہی۔ کمبخت اصطرلاب کو اس طرح استعمال کرتا تھا۔ کہ آدمی ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن جاتے۔ اور ہم کو تو اس نے معجزے دکھا دیے"

صالح ۔ (سخت گھبرا کر) " اس نے کونسی مخفی باتیں تم کو بتائی ہیں؟"

ریحانہ ۔ " ایک بات؟ سب باتیں اس نے اس قدر صحیح اور ٹھیک بتائیں کہ ہم حیران رہ گئے۔ اور لطف یہ تھا کہ وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا تھا۔ بلکہ اشاروں ہی میں ہمارے تمام راز اور دلی خیالات کا اظہار کر دیتا تھا"

صالح کو یقین ہو گیا۔ کہ اس یہودی بچہ نے ان کو کسی راز سے آگاہ نہیں کیا بلکہ جس طرح شعبدہ باز اور ٹھگ نجومی اور رمّال گول مول باتیں کہکر اور کئی پہلو رکھنے والے الفاظ و اشارات استعمال کر کے لوگوں کی طبیعت ٹٹول لیتے۔ اور پھر اس طرح اپنے اشاروں کی تشریح خود ان لوگوں کی زبان سے کرا لیتے ہیں۔ کہ گویا انہوں نے اپنے علم کے زور سے وہ راز آشکار کیا ہے۔ اور پوچھنے والے سے منوا لیا۔ بالکل اسی انداز سے وہ تمام باتیں ان عورتوں سے معلوم کر گیا۔ صالح نے دل میں نعوذ باللہ پڑھ کر اپنا سر ہلایا۔ اور اس کی نگاہوں سے حیرت و نرود منتج ہونے

درویش دل میں مسرور ہوا کہ یہاں یہ معاملہ کی بات ہے۔ ہنسکر اور کہنے
لگا۔ "تمہارے دوست ابو مسلم کو کون نہیں جانتا!"

خالد۔ (قطع کلام کرکے) "نہیں۔ نہیں۔ میرا دوست نہ کہئیے۔ بلکہ اس
سے ناراض ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ اس معاملہ میں پڑوں۔ اسی واسطے
میں نے پہلے ہی کہہ دیا۔ کہ جو بات میں کہوں گا۔ اس کو پولیٹیکل معاملات اور جنگ
سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ امر ابو مسلم کا ایک بالکل ذاتی مسئلہ ہے۔ ایک
عورت اس پر عاشق تھی۔ اور ابو مسلم نے خود اس سے محبت نہ رکھنے کے
باعث ستایا۔ مگر بعد میں وہ نادم ہو کر اس عورت کے ساتھ اچھا سلوک اور تلافی
مافات کرنے کا خواہاں ہو گیا۔ سب سے مشکل یہ ہے۔ کہ وہ عورت اب مفقود الخبر
ہے۔ ابو مسلم نے اس کی تلاش میں بہت کچھ کوشش کی۔ وہ بھی بسود نکلی۔ اگر آپ
اس کا پتہ بتلا سکیں۔ تو بہت بڑی بات ہو۔۔۔"

درویش جس کی صورت [illegible] کی زندگی سنا ہوا۔ یہ پیغام [illegible] کا ہو رہا تھا
وہ سمجھ گیا۔ کہ ابو مسلم اس کے قتل کی فکر میں ہے۔ اور خالد اس سے واپس
لینا چاہتا ہے۔ اس نے دل میں کہا "اب یہی موقع کام کرنے کا ہے۔"
تھوڑی دیر تک وہ سر جھکا کر غور کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے خالد سے کہا۔ "وہ
عورت کون ہے۔ جس سے ابو مسلم کو محبت تھی۔ اور کس قسم کا اس کی
قصہ ہے؟ لیکن شاید ابو مسلم اس کی ذلت سے جو آگیا۔ اسلئے اس پر ظلم
بھی کرتا گیا۔ مگر اب کیا وجہ ہوئی جو اسے [illegible] کی یاد نے ستا رکھا ہے؟"

خالد۔ درویش کی زبانی کلمہ نادم سنکر اس کے خلاف حالات سنکر
خوف [illegible] درویش [illegible] سے آگیا کہ اس عورت سے
ابو مسلم محبت رکھتے تھے۔ وہ اس کی محبت میں اتنی [illegible] کہ محض
اس کی شادی [illegible] توقع پر اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا۔ مگر اس کے بعد
ابو مسلم نے اس عورت کے باپ کو بے گناہی کی تہمت لگا کر قتل کرا دیا۔

[illegible] کی ممانعت کی ہے۔ مجھے دھوکے میں ڈالا اور حکم دیا کہ
میں [illegible] عفو و معذرت کو بے معنی لفظ سمجھوں۔ اور دنیا سے رحم کو
اٹھا دوں۔ میں نے تمہاری حکومت کی بنیاد جمانے کے لئے اسی ہدایت پر
عمل کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے تم کو بھی اس سے آگاہ کر دیا۔ کہ تمہیں کون اٹھائے
ہوئے تھا۔ اس کے بعد خدا نے مجھے اس بیجا حرکت سے توبہ کرنے کی توفیق
مرحمت کی۔ اب اگر وہ میری گزشتہ تقصیروں کو معاف کر دے۔ تو اس کی
شان بے نیازی اور رحمت بے پایاں کا مقتضا ہے۔ ورنہ میں ہوں۔ اور
میری شامت اعمال اور وہ بار قہار ذوالجلال اور خدا منصف ہے۔ وہ بندوں پر
ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

یا شیخ! اس تحریر نے مجھ کو عجیب مخمصہ میں ڈال دیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا
کہ کیا کروں۔ آخر میں نے نجومیوں کو اکٹھا کر کے ان سے دریافت کیا۔ کہ وہ خوب
چھان بین سے اس شخص کے دلی منصوبوں کی بابت غور و فکر کر کے مجھے بتائیں۔ نجومیوں
نے اس کی پیشگی تعریف کر کے کہا۔ "بیشک اس نے اپنی تمام برائیوں سے توبہ
کر لی ہے۔ اور آپ اس سے نیک گمان رکھ کر اسے اپنا مقرب بنائیں گے
تو وہ آپ کے لئے مجسم خادم ثابت ہوگا۔" اب میں پہلے سے زیادہ چکرایا
کہ خدایا کیا کروں۔ ان نجومیوں کی بات سچی جانوں یا اپنے ارادہ پر قائم رہ کر
اس کی گرفتاری کی سعی کرتا رہوں۔ اس پریشانی کے عالم میں بار بار تمہارا خیال
آتا تھا۔ اور میں خدا سے عرض کرتا تھا۔ کہ وہ تم کو کسی طرح میرے پاس بھیج دے
تاکہ تم ہی کوئی ٹھیک بات بتا سکو۔

درویش بھی [illegible] اس گفتگو کو بہت غور سے سن رہا تھا۔ وہ بیدار ہو کر بیٹھا
تھا۔ اس نے دونوں کہنیاں ہموار زانوں پر ٹیک کر سر دونوں ہاتھوں پر رکھا
ہوا تھا۔ [illegible] کی طرف جھکا ہوا تھا۔ جب منصور کا سلسلہ کلام ختم ہوا
تو اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ کون نہیں سمجھتا ہے کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے۔"

مُہر اس سے کرا لیجئے گا۔ ہاں جس وقت آپ قاسم سے اس خط پر مہر کرنے کی ہدایت
کریں گے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مہر میں ابراہیم کا نام کندہ ہے۔ آپ اس
سے متعجب نہ ہوں۔ کیونکہ اس کا اصلی نام یہی ہے۔ یہ خط اپنے قاصد کے علاوہ
دوسرے قاصد کے ہاتھوں ارسال فرمائیے۔ اور بھیجنے والا ابومسلم کو بہ خیال کہ
رازداری کے انداز سے پہنچائے۔ تاکہ معلوم ہو وہ ابراہیم ہی کا فرستادہ ہے
اور آپ بہ تدبیر کر کے اس شہر سے کسی دوسرے شہر کو چلے جائیں۔ اپنی خراسانی سپاہ
یہیں چھوڑ دیں۔ قاصد سے بھی ہدایت فرما دیجئے کہ ابومسلم کو اسی شہر میں لائے
جہاں آپ جا رہے ہیں۔ اور جس وقت وہ آجائے پھر اس کے قتل میں جہاں تک
ممکن ہو جلدی کیجئے۔ میری نصیحت خوب یاد رکھئے۔ خبردار اس کو زندہ نہ چھوڑئیے گا۔
میں یہ اپنی طرف سے ہرگز نہیں کہتا۔ یہ احکام غیب ہیں۔ اور میں ان کی
تبلیغ کے لیے مجبور ہوں۔

منصور۔ اگر آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ تب میں بغیر آپ کے
قرار نہیں پا سکتا۔

درویش۔ بسر و چشم میں ضرور چلوں گا۔ لیکن راستہ میں اپنی
جائے سے ایک مبارک مقام کی زیارت کرتا ہوں مجھے وہاں ضرور
کرنی ہے۔ میں اس سے فارغ ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

منصور۔ کچھ اندیشہ نہ کیجئے۔ ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ
میں خراسان کس کو پہلے کے حوالے کروں۔ آپ اس بارہ میں کیا صلاح
دیتے ہیں؟

درویش۔ میری رائے میں آپ مدائن چلے جائیں۔ اول تو یہ
شہر آپ کی راحت کے واسطے عمدہ ہے۔ اور دوسری عمدہ بات یہ ہے کہ اسلام
کی جنگی فتوحات میں ابھی فارس نے غیر فتح کیا تھا۔ اور اب بحکم خدا یہ
ملک بھی مقدم ہے آپ کے ہاتھ مغلوب ہوگا۔